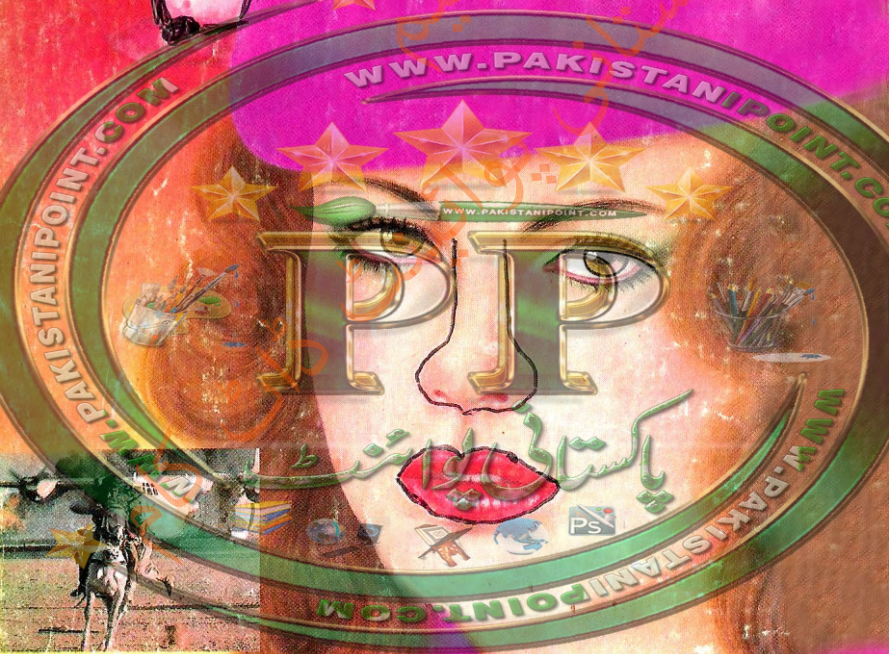
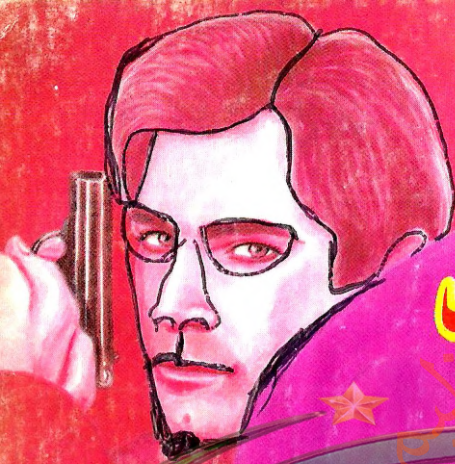


عمران سیر

پیشین کلین اپ



شاہین صفدر

عمران سیریز ۱۳۴

پریشین کلین آپ

صفدر شاہین

مکتبہ یادگار کمرہ ۱۵ قذافی مارکیٹ اردو بازار لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اس ناول کے تمام نام کردار مقامات اور واقعات فرضی ہیں
کسی قسم کی مطابقت اتفاقیہ ہوگی جس کے لئے مصنف
پبلشرز یا پرنٹرز ذمہ دار نہ ہوں گے۔

Pakistanipoint

بیچ کے گرد و نواح میں دلکش نظارے پھیلے ہوئے
تھے۔ سمندر کے بیچ اونچی اونچی پہاڑیاں ابھری ہوئی
تھیں۔ پہاڑیوں پر سبزہ سبزہ موجود تھا۔ وہ ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا۔ بوٹس
کے ذریعے لوگ وہاں سیر و تفریح کے لئے آتے تھے۔ ارد گرد بہت ہی
حسین مناظر تھے۔ انکی کشش لوگوں کو وہاں کھینچ کر لے آتی تھی۔
سمندر تک آنے کا راستہ ذرا خطرناک تھا۔ جب تفریح کرنے والے
وہاں پہنچ جاتے تھے تو ان کی تمام بوریٹ اور کوفٹ دور ہو جاتی تھی۔
وہاں کے خوبصورت نظارے دیکھ کر وہ ایک سحر میں ڈوب جاتے تھے
وہاں کافی ہجوم رہتا تھا۔ مردوں کے مقابلے میں وہاں حسین عورتیں اور
خوبصورت لڑکیاں زیادہ ہوتی تھیں۔ بخت کرنے والے جوڑے بھی وہاں

ناشر ————— عبدالملک

پرنٹرز ————— خادم پرنٹرز

نوشٹولیس ————— غلام مصطفیٰ و نیکی تارڑ

مصنف ————— مستند شاہین

قیمت ————— =/ ۱۶ روپے

کافی آتے تھے۔

فنا ہیں اس وقت بھی سدیے اور نغمہ بار قہقروں کی دکش گنگناہٹ
موجود تھی بچوں کی مسرت آہن چرخیں بھی گونج رہی تھیں۔ صفدر اور عمران
درختوں کے نیچے ایک پتھر پر بیٹھے تھے۔ نشلی جوانیاں اور پس منظر
ہیں ہلہ آتا نیلا سمندر بہت ہی دکش لگ رہا تھا۔

وہ ان خوبصورت نظاروں میں کھوئے ہوئے تھے، عمران ابوالہول
کے بت کی طرح خاموش تھا اور اس کے کھوئے کھوئے چہرے
پر حقائق کے ڈونگے برس رہے تھے کوہساری ہوا ان سے کھاتی آگے
کی طرف پلک رہی تھی۔ انہیں ایک عجیب سی فرحت کا احساس ہو
رہا تھا۔

صفدر عمران کو کھینچ کر اینجلیز چرچ کی طرف لے آیا تھا۔ عمران کو تفریح
پسند نہ تھی مگر صفدر کی عند کی وجہ سے وہ یہاں آگیا تھا۔ چونکہ آج کل
بیکاری کا زمانہ تھا اس لئے صفدر عمران کو یہاں لے آیا تھا۔ عمران پہلی
مرتبہ یہاں آیا تھا اور یہاں کی دکشی اور رونق دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا
تھا حسین و خوب رو لڑکیاں صفدر کی توجہ کا مرکز تھیں

عمران اتنی پالتی مارے بیٹھا تھا پتھر کے نیچے پر بیٹھا وہ ایک سنگی
محسے کی طرح ہی لگ رہا تھا۔ سمندری نیلے پانی میں بغیر ملکی حسین لڑکیاں۔۔۔
نیرانی کے لباس پہنے تیر رہی تھیں۔ دور سے وہ جل پریوں کی طرح
نظر آ رہی تھیں۔ ان کے نرلے ہوئے مریں جسم بہت ہی خوبصورت

لگ رہے تھے۔

”بہت ہی فائن تفریح گاہ ہے۔“ صفدر نے ایک گہرا سانس
لے کر کہا۔

عمران حماقت جھڑے انداز میں کسی آٹو کی طرح آنکھیں چپک رہا تھا۔
”ڈائن۔“ وہ چونکا۔

پھر ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔
”یہاں ڈائن کہاں سے آگئی۔“
صفدر سٹپٹا گیا۔

”ڈائن نہیں۔ فائن۔“

عمران گھور کر بولا۔
”تو تم کسی لڑکی کی تعریف کر رہے تھے۔“ اس کی جھنجھلائی ہوئی
آواز اچھری۔

”لڑکی کی نہیں۔ میں تفریح گاہ کی تعریف کر رہا تھا۔“
پھر وہ مسکرائے لگا۔

”بہر حال لڑکیاں بھی یہاں سب تعریف کے قابل ہی ہیں۔“
وہ سمندر کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”وہ نیرتی ہوتی کتنی پیاری لگ رہی ہیں
کیا آپ کی آنکھیں بند ہیں؟“

”ہم تو دمہا تما بدمہ کی طرح ایسی جگہ آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور گیان
دھیان میں لگ جاتے ہیں۔ سوچو تم سدھہ بارہ سال گیان دھیان میں

رہا تھا۔

”جو تم سدھ نہیں۔ گو تم بدھ۔“

مفدر نے دانت جھنجھک کر کہا۔

”چلو جو کچھ تم کہتے ہو وہی ہوگا۔ مگر ادھر زیادہ غور سے نہ دیکھو
کہیں بیڈلوں کی بارش نہ سر پر ہونے لگے۔ اپنے اس پیارے پیارے
گول مٹول سر کی خیر مناد!“

”جناب۔“ اکبھی آپ سیدھی بات بھی کر لیا کیجئے۔“ مفدر عمران
کو گھور کر بولا۔ ”یہاں جتنی بھی لڑکیاں موجود ہیں۔ یوں گنتا ہے۔ مقابلہ
حسن میں آئی ہوئی ہیں۔ بال کھلے ہوئے ہیں سینے ابھرے ہوئے ہیں
اور وہ دعوتِ محبت دینے کے لئے تیار ہیں۔“
”تم اس دعوت کو قبول کرو مفدر۔“

عمران نے جلدی سے کہا۔

اور پھر آٹھویں بند کر کے بیٹھ گیا۔ وہ واقعی گوتم بدھ کی طرح ہی آلتی

پالتی مارے بیٹھا تھا۔

مفدر ایک گہرا سانس لے کر بولا۔

”عمران صاحب! اگر آپ نے یہ یوگا کی ولز شش ہی کرنی تھی تو اپنے فیڈ
پر بھی کی جاسکتی تھی۔“

عمران زور سے اچھلا۔

”مفدر۔ یہ یوگا کی سروس تم نے کب سے شروع کر دی تم یکرٹ

سروس میں ہو۔“

عمران صاحب۔ جب بھی آپ بولیں گے حماقت کی بات ہی کریں گے۔ کبھی
تو سیریس ہو جایا کیجئے۔“ مفدر نے جھلا کر کہا۔ ”میں یوگا نہیں یوگا

کہا تھا۔“

وہ مسکرا دیا۔

لڑکیاں بہت حسین ہیں۔“

مفدر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

عمران شاید لڑکیوں کو حماقت مہرے انداز میں دیکھنے کے موڈ میں نہیں
تھا اس لئے اس نے دوبارہ ادغٹنا شروع کر دیا۔ اور مفدر ادھر
سے نظریں ہٹا کر ایک خوبصورت چاند کو دیکھنے لگا۔ وہ لڑکی واقعی چاند کی
طرح حسین تھی۔

وہ سب لڑکیوں سے زیادہ چنیل اور خوب رو نظر آ رہی تھی۔ اس کی دو
ساتھی لڑکیاں بھی خوبصورت اور دلکش تھیں۔ مگر وہ چاند تھی تو وہ
ستارے تھے۔ چت بسا سوں سے ان کے جسم کا ہر خط اور غدو خال
صاف طور پر دکھائی دے رہا تھا۔

کتنے ہی لوگ انہیں ترسی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ
انتی بیباک اور شوخ تھیں کہ انہیں کسی طرح کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ اس
نئی تہذیب نے ان سے شرم دجیا چھین لی تھی۔ چہرہ آگے پیچھے
دوڑنے لگیں۔ اور آپس میں چہلیں کرنے لگیں۔

پھر وہ چٹانوں پر بھاگنے لگیں اور چھوٹے چھوٹے پتھر تو لے لیا یہ پتھروں کو چھلانگتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھنے لگیں۔

لیکن — اسی لمحے ایک طویل اور دلخراش چیخ نے ایجنلرینچ پر موجود ہر شخص کی توجہ اپنی طرف مرکوز کر لی۔
مفدربو کھلا کر کھڑا ہو گیا۔

عمران نے بھی چونک کر سر گھمایا اور اس طرف دیکھنے لگا۔

عمران ادھر دیکھ رہا تھا جدھر وہ حسین و دکش لڑکیاں گئی تھیں۔
اس طرف سے زوردار چیخوں کی مسلسل آوازیں آنے لگیں تھیں، عمران نے فوراً محسوس کر لیا کہ ادھر لڑکیوں کو کوئی خطرہ درپیش ہے اور وہ کسی مصیبت میں پھنس گئی ہیں۔

اس لئے عمران فوراً کسی بھیڑیے کی طرح پنچ پر سے اچھلا۔ اور
چٹانوں پر جھپٹ لگا دی۔ پھر وہ کسی درندے کی طرح تیزی سے ادھر
بھاگ رہا تھا۔

وہ بھاگتا ہوا اس چٹان کے پاس آ گیا۔ جہاں وہ لڑکیاں گئی تھیں
عمران نے بند آنکھوں سے ہی لڑکیوں کو ادھر جانے دیکھ لیا تھا۔
عمران تیزی سے پہاڑیوں پر چڑھنے لگا۔ اس کے ساتھ بہت سے
لوگ بھی پہاڑی پر چڑھے جا رہے تھے۔ مرد و خواتین اس کے ساتھ
چڑھ رہے تھے۔

فوراً ہی عمران وہاں پہنچ گیا جہاں دو لڑکیاں، سیربائی انداز میں چیخ و

چیخ و پکار کر رہی تھیں۔ اور گہرے سبز لباس والی لڑکی زمین پر چپٹ
پڑی تھی۔ جیسے رنگ مرمر کا حسین مجسمہ کسی نے زمین پر ٹاڈا یا ہو عمران
پسک کر اس کے قریب آ گیا۔

وہ کافی گہرے رنگ کی حین لڑکی تھی۔ مگر اب اس کا رنگ ہلدی کی
طرح پھلا تھا۔ کنول کے پھول کی طرح زرد تھا۔

عمران اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اسی لمحے ایک خوش پوش
ادھیڑ عمر آدمی اس کی طرف پکا۔

”میری پیاری بیٹی —“ اس نے درد بھرے انداز میں صراحت لگائی۔
وہ لڑکی کے قریب آ گیا اور اس کا جائزہ لینے لگا۔ لیکن فوراً ہی اس کا جسم
لرزا اور وہ ایک طرف کو لڑھک گیا۔

وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

لیکن عمران نے اس کی طرف دیکھا لیکن اس کا جسم بھی زرد ہو
چکا تھا۔ عمران نے سوچا کہ یہ تو بیل بسا۔

پھر اس نے ادھر سے ہٹ کر لڑکی کو بغور دیکھا۔ وہ بھی ختم ہو چکی
نھی۔ عمران ایک سوئچ کے تحت زور سے چونکا۔

اوہ — تو لڑکی کو ایک خوفناک زہر نے ہلاک کیا گیا۔ جو بھی اس
لڑکی کو ہاتھ لگائے گا ختم ہو جائے گا۔

حسن طرح ادھیڑ عمر آدمی نے اسے ہاتھ لگایا اور وہ آدمی ختم ہو گیا۔
لڑکی کی موت میں بہت ہی ہنساک زہر استعمال کیا گیا ہے۔

کئی لوگوں نے لڑکی کے قریب جانا چاہا مگر عمران نے انہیں پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ اور چلا کر کہا۔

”ان لوگوں کے پاس سے پرے ہٹ جاؤ۔ یہ دونوں مر چکے ہیں ان سے دور رہو، تم نے دیکھا نہیں کہ اس آدمی نے لڑکی کو ہاتھ لگایا اور خود بھی موت کی آغوش میں چلا گیا۔“

عمران کی آواز کافی بلند تھی۔

سب لوگ گھبراہٹ بھرے انداز میں چونکے اور ٹھٹھک کر پیچھے ہٹ گئے۔ عورتیں خوفزدہ ہو کر بہت پیچھے ہٹ گئیں۔ عمران بے لباس والی لڑکی کے جسم کو تیزی سے زرد ہوتے دیکھ رہا تھا دیکھتے ہی دیکھتے اس کا نام جسم زرد ہو گیا۔

مرد کا بھی یہی حال تھا۔

دفعاً زرد جسم آہستہ آہستہ تبدیل ہونے لگے۔ مرد و خواتین ادھر غور سے دیکھ رہے تھے خوف و دہشت سے ان کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

عمران مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔

لیکن یہ صورت حال دیکھ کر وہ بھی گھبرا گیا۔ اس کے قریب کھڑا صدف کافی گھبرا ہوا تھا۔ تھوڑی سی مرد اور لڑکی کا جسم غائب ہو گیا۔ جموں کی جگہ اب وہاں پانی رہ گیا تھا۔ یا ان کا لباس پڑا تھا۔

یہ ایک ایسا خوفناک منظر تھا جس نے سب کے دل ہلا کر رکھ دیئے۔ اس ہیبت ناک منظر کی تاب نہ لا کر عورتیں اور لڑکیاں چپختی ہوئی

پیچھے کی طرف بھاگ گئیں۔ کمزور دل کے آدمی بھی واپس لوٹ گئے صرف چند مضبوط دل والے وہاں رُکے رہے۔ وہ اس ہیبت ناک منظر کو دیکھ کر بے حد پریشان تھے۔

لڑکی اور اس کے باپ کا خوفناک انجام انہیں خوفزدہ کئے جا رہا تھا۔ لڑکی اور آدمی کا جسم پانی میں تبدیل ہو گیا تھا۔ صدف کے چہرے کا رنگ فق تھا۔

عمران نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا۔ صدف کے حلق سے بدن خونناک حقیقت اتر رہی نہ رہی تھی۔

یہ سب کس طرح ہوا عمران صاحبؑ

صدف نے پوچھا۔

”میں کیا کہہ سکتا ہوں صدف۔ میں تو کچھ سمجھ ہی نہیں سکا۔ تم بعد میں آئے۔ میں جب یہاں آیا تو لڑکی کا جسم بے حس و حرکت پڑا تھا وہ مر چکی تھی۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔“ عمران نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

اس وقت وہ اس صورت حال سے کافی متاثر اور پریشان تھا۔ خوبصورت لڑکی کی موت نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس کے چہرے پر گہری تشویش تھی۔

چہرہ زور سے چونکا۔

دوسرے ہی لمحے وہ پلٹ کر تیزی سے چٹانوں کے اوپری

حصے کی طرح بھاگا جا رہا تھا۔ اس نے اچانک ہی ایسا کیا تھا اور اہل اسے چٹانوں کا اوپری حصہ مشکوک لگا تھا۔ اسے شک ہوا تھا کہ کسی نے یہ خوفناک کارروائی اوپر سے کی تھی۔ اور وہ اسی سوچ پر متعجب ہو کر اوپر کی طرف بھاگا تھا۔ چاروں طرف اونچی اونچی پہاڑوں کا سلسلہ تھا اور ان سے پرے چاروں طرف نیلا سمندر لہراتا نظر آ رہا تھا۔ وہ اپنی جاسوسیت سے مجبور کہ اوپر کی طرف بھاگ رہا تھا۔ عمران کسی بندر کی طرح ایک چٹان سے دوسری چٹان پر کود رہا تھا اور تیزی سے چٹانیں چھلانگ رہا تھا۔ اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہ تھی کہ اس کے پیچھے کوئی آ رہا ہے یا نہیں۔ وہ اپنی دھن میں اوپر ہی اوپر جا رہا تھا۔

عمران آخر کار اوپر پہنچ ہی گیا۔

اسے ایک سرسراتی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی اس آواز کی تلاش میں اس نے پورا چٹانی سلسلہ دیکھ لیا مگر یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ آواز کیسی ہے۔ اور وہ یہ بھی نہ جان سکا کہ یہ آواز کس طرف سے آ رہی ہے۔

ہر جگہ اسے یہی لگ رہا تھا کہ سامنے سے آ رہی ہے اس چپے سے وہ بوکھلا گیا۔

صفر بھی عمران کے پیچھے پیچھے چل پڑا تھا۔ مگر کچھ دور جانے کے بعد وہ رک گیا تھا۔ وہ عمران کو چٹانوں پر اُدھر اُدھر بھاگتے ہوئے

دیکھ رہا تھا۔

اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے عمران پر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا ہے احمق دکھائی دینے کے ساتھ ساتھ وہ اب اسے دیوانہ بھی دکھائی دے رہا تھا۔

ایک گھنٹہ گزر گیا۔ مگر عمران آواز کے بارے میں کچھ نہ سمجھ سکا۔ کوئی ایسی چیز بھی اسے وہاں نہ ملی جس سے وہ کچھ اندازہ قائم کر سکتا یا اس خوفناک حادثے پر کوئی روشنی پڑتی۔ آخر کار وہ تھک ہار کر واپس لوٹ آیا۔

اس عرصے میں اینجیلر پنچ خالی ہو کر سنان اور ویران ہو گیا۔ تھا۔ سمندر کی آواز گونج رہی تھی جو چٹانوں کے مخصوص سناتے کو قطع کر رہی تھی۔

دو آدمیوں کے خوفناک انجام سے خوفزدہ ہو کر تفریح کے لئے آنے والے لوگ بھاگ گئے تھے۔ صرف صفر ایک چٹان پر کھڑا عجیب سے انداز میں کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ یہ واقعہ کس طرح رونما ہوا۔ اتنا خوفناک نظارہ اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔

عمران اور صفر اس جگہ سے کچھ سے کچھ دور کھڑے تھے جہاں لاشیں پانی بن گئی تھیں۔

"کتنا خوفناک انجام ہوا ان لاشوں کا۔ پانی رہ گیا ہے۔ اور یا

جیسے موت کے سائے ادھر ادھر رنگ رہے تھے جس انجیلر
بیچ کی تعریف صدف کچھ دیر پہلے کر رہا تھا۔ اب وہ سنان اور ویران
پڑا تھا۔

اور اس کے حین نظارے انہیں اب جنوں اور مہوؤں کے
سایوں کی مانند لگ رہے تھے۔ صدف سوخ رہا تھا۔ عمران جانے
اب کیا تلاش کرنا پھر رہا تھا۔ مجرم تو شاید لوگوں کے ساتھ ہی
موٹر بوٹس میں بیٹھ کر فرار ہو گئے ہوں گے۔

لباس پڑا ہے اور یہ پانی انتہائی زہریلا ہے۔ صدف نے گھبرا کر
ہوئی آواز میں کہا۔

”ٹھیک کہتے ہو۔“ عمران نے جواب دیا۔ ”یہ اپنی نوعیت کا
ایک بہت ہی انوکھلا عجیب اور انتہائی جھانک حادثہ ہے۔“
صدف اسے گھور کر بولا۔
”آپ بھاگے کیوں تھے؟“

مجھے سر سرائی ہوئی آواز اوپر سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اس
آواز کی وجہ سے مجھے شک ہو گیا تھا کہ شاید مجرم اوپر موجود ہے۔ مگر
مجھے ناکامی ہوئی کیونکہ وہ آواز ہر طرف سے ہی سرسرا رہی تھی۔ پھر
اس آواز کی کوئی خاص جگہ تلاش نہ کر سکا۔

ابھی تک پولیس نہ پہنچی تھی۔ کیونکہ انجیلر بیچ شہر سے کافی
فاصلے پر تھا۔

پھر اس کے علاوہ ساحل سمندر پر آکر موٹر بوٹس کے ذریعہ
وہاں پہنچا جاتا تھا۔

اپنی ذمہ داریوں کے مطابق عمران کو کچھ نہ کچھ کرنا ہی تھا۔ اسی نے
وہ صدف کو اسی جگہ چھوڑ کر ادھر ادھر گھومنے لگا۔ سب لوگ جا چکے
تھے۔

ہر طرف ویرانی اور سننا پھیلنا ہوا تھا۔ سمندر کا شور جیسے چیخ
چیخ کر فریاد کر رہا تھا۔ یہ کیا ہو گیا۔ یہ کیا ہو گیا۔ کتنا ظلم ہے یہ

یگیا ایک صفدر چونکا۔ وہ سامنے سمندر کی طرف دیکھ رہا تھا ایک بڑی موٹر بوٹ تیزی سے اینجن بنچ کی طرف آ رہی تھی اس کے عرشے پر پولیس موجود تھی۔
 صفدر کے چونکنے کی یہی وجہ تھی۔
 ”عمران صاحب۔ پولیس آ رہی ہے۔“
 وہ عمران سے مخاطب ہوا۔
 ”آئے دو۔ پرواہ نہیں۔ ہمیں یہاں سے ہٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ عمران بولا۔
 پولیس کی وردیاں دھوپ میں چمک رہی تھیں اور موٹر بوٹ سمندر کے پانیوں پر تیزی سے تیرتی ہوئی ان کی طرف آ رہی تھی۔
 عمران نے صفدر سے کہا۔

”آؤ۔ وہاں ایک چٹان پر بیٹھ جاتے ہیں۔“
 صفدر عمران کو گھور کر بولا۔
 ”عمران صاحب ہم اس طرح ان کے سوال و جواب سے بچ تو نہ سکیں گے۔“
 ”کوئی بات نہیں بر خور دار۔ زیادہ عقل مندی کی باتیں نہ کرو۔ اور چپکے سے ادھر آ جاؤ۔ اسی میں بہتری ہے۔“ عمران بھی اسے گھور کر بولا۔
 اور صفدر سٹپٹا گیا۔
 ”کیا ہم لاشوں کے پاس نہیں گئے تھے۔“ صفدر نے عمران سے پوچھا۔
 ”اب لاشیں ہیں کہاں۔ بس تم میری احقانہ چالیں دیکھتے رہو دیکھتے جاؤ اور مزے لیتے رہو۔“
 عمران احقانہ انداز میں بولا۔
 پھر وہ بڑے مزے سے دونوں ایک شغاف چٹان پر براجمان ہو گئے۔
 عمران کا یہ انداز بہت ہی معصومانہ تھا۔ اور چہرے پر حافیتیں برس رہی تھیں وہ اس انداز سے بیٹھے تھے جیسے حسین نظاروں میں کھوئے ہوئے ہوں۔ ان کا تاثر یہی تھا کہ دیکھنے والا یہی سمجھے یوں لگ رہا تھا جیسے انہیں ارد گرد کے ماحول سے کوئی دلچسپی نہیں

ہے۔ بس وہ تو نظاروں کے حسن میں کھوئے ہوئے ہیں ان کے
بیٹھنے کا انداز سے یوں لگتا تھا کہ جیسے انہیں گرد و نواح کی کوئی خبر نہیں
ہے۔ البتہ عمران کنکھیوں سے قریب آتے ہوئے پولیس والوں
کو دیکھتا جا رہا تھا۔

اس نے پولیس والوں میں سب سے آگے آنے والے پولیس
انسپکٹر کو پہچان لیا۔ وہ اس کا اچھا خاصہ واقف تھا۔ اس کا نام
ارشاد تھا۔

انسپکٹر عمران کے والد کے بارے میں خوب واقفیت رکھتا
تھا۔ علاوہ ازیں وہ فیاض سپرنٹنڈنٹ کے ساتھ کئی کیسوں پر کام
بھی کر چکا تھا۔

اس نے کتنی ہی مرتبہ فیاض کی مدد کی تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا
کہ فیاض اور عمران ملی کام کرتے رہے ہیں۔

عمران اسے دیکھ کر ایک طویل سانس کھینچا۔ اور چہرے پر اجنبی
اجنبی تاثرات پیدا کر لئے۔

”آپ — عمران صاحب — یہاں —“ اسے انسپکٹر کی متحرانہ
آواز سنائی دی۔

عمران نے احمقانہ انداز میں گردن گھما کر دیکھا۔ انسپکٹر سامنے کھڑا
اسے متعجبانہ انداز میں گھور رہا تھا۔

عمران اسے بہت زیادہ حیران دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے

اپنے چہرے پر گہری حیرت کے تاثرات بخوبی پیدا کر لئے تھے اس
کی آنکھیں اس طرح پھیل گئی تھیں کہ جیسے انسپکٹر کو یہاں دیکھ کر وہ
بہت زیادہ حیران ہے۔

”آپ — انسپکٹر ارشاد صاحب —“ اس کی آواز میں حیرت
بھری مسرت تھی۔

”آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرا نام ارشاد ہے۔ چہرہ اچانک
بھول گئی۔“

وہ ناگواری سے منہ بنا کر بولا۔

عمران نے خود اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔
”اوہ — میں ناموں کے مقابلے میں کتنا جھگڑا ہوں۔ یہ آج پتہ
چلا ہے۔“

”میں یہاں دو عجیب و غریب موتوں کے بارے میں سن کر
آیا ہوں۔“

وہ عمران کو گہری گہری نظروں سے دیکھ کر بولا۔ ”فون پر مجھ سے
کسی نے کہا تھا کہ یہاں انجیلز بیچ پر دو آدمیوں کو عجیب انداز میں قتل
کر دیا گیا ہے۔“

انسپکٹر کی تیز نظر میں عمران کے چہرے پر شاید کچھ ٹٹول رہی
تھیں مگر وہاں حماقت کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ پلکیں جھپک
رہا تھا۔

"قتل — اور وہ بھی عجیب و غریب قتل —" عمران چونک کر حیرت سے اچھل پڑا۔

جیسے اس کے پیروں کے قریب بم چمٹ گیا ہو۔ مفد بھی حیرت سے ایک طرف دیکھنے لگا۔

"کیا عمران صاحب — آپ اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتے — حالانکہ آپ یہاں موجود ہیں"

انپکڑنے پوچھا۔

عمران اسے مشکوک انداز میں دیکھنے لگا۔

"تمہارا مطلب ہے میں جھوٹا ہوں۔ اور تم جھوٹ بولنے کی وجہ سے مجھے اپنی جگہ انپکڑنا دو گے۔ یہ کیا حرکت ہے بڑے بھائی"

عمران غرایا۔ "ہاں تو میں جھوٹا ہوں"

انپکڑنے اسے تیز تیز نظروں سے گھورا۔ چہرہ سیاہیوں سے مخاطب ہوا۔

"سارا علاقہ چھان مارو"

عمران نے اچھل کر کہا۔ "مارو — مارو — خوب مارو — اچھی طرح مارو۔ اس وقت تک مارو جب تک کھال نہ ادھڑ جائے"

انپکڑنے اسے سخت نظروں سے گھورا اور عمران نے احقانہ انداز میں دانت بھینچ لئے۔

سپاہی چٹانوں پر پھیل گئے تھے۔ بھڑی دیر کے بعد ایک

سپاہی کی آواز ابھری۔

"ادھر آئیے۔"

انپکڑنے وہیں سے چلا کر کہا۔
"وہیں ٹھہرو — ہم آتے ہیں"

پھر اس نے عمران سے کہا۔ "چلتے عمران صاحب وہاں جا کر دیکھتے ہیں کیا ہے"

"چلو بھائی — تم اس پر سکون جگہ بھی سکون نہ لینے دو گے چلو چلو چلتے ہیں"

عمران غصیلی آواز میں بولا۔

ادھر برا سامنے بنا کر مفد کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"او مفد یار تم بھی چلو دیکھتے ہیں وہاں کون سا ساپ نکل آیا ہے" چہرہ چٹان سے نیچے اتر آئے۔

سب ہی اب سپاہی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"عمران صاحب! آپ یہاں کس وقت تشریف لائے تھے"

انپکڑنے پوچھا۔

عمران نے ایک گہرا سانس لیا۔

تشریف لائے کہاں — یہاں رکھنے آئے تھے۔ ایک گھنٹہ

پر تشریف لائے اور آئے ہی یہاں کے دکش نظاروں میں کھو گئے — اور اب تم لوگوں نے مگر ہمیں پریشان کر دیا ہے"

انپکڑ مسکرا دیا۔

”اس کے لئے معاف کر دیجیئے۔ ہمیں فون پر اطلاع دی تھی کہ یہاں ایک نوجوان لڑکی اور اس کے باپ کو پراسرار طریقے پر قتل کر دیا گیا ہے۔ ہمیں اس اطلاع پر فوری طور پر یہاں آنا پڑا۔ راستے میں ہم نے دیکھا لوگ افراتفری میں بھاگے جا رہے تھے۔ کچھ کار میں بھی تیزی سے بھاگ رہی تھیں۔ ساحل سمندر سے نکل کر لوگ اس طرح بھاگ رہے تھے جیسے ان کے پیچھے کوئی خوفناک بلا لگی ہوئی ہو۔ راستے میں ہمیں پوچھ پچھ پران عجیب و غریب لوگوں کے بارے میں علم ہو گیا۔ یہاں سے جانے والوں نے کار میں روک کر ہمیں ہینٹاک قتل کے متعلق بتایا ہے۔“ انپکڑ نے عمران کو یہ سب کچھ بتایا۔

پھر وہ ایک چٹان پر آ گئے۔ سچوایشن وہی تھی جو پہلے عمران اور صفدر دیکھ چکے تھے۔ وہاں آکر انپکڑ کے چہرے پر زبردست الجھن کے تاثرات پھیل گئے تھے۔

”ادھر آئیے سر۔“ سپاہی انپکڑ سے مخاطب ہوا۔
”ادھر چٹان کے پیچھے ایک عورت اور ایک مرد کالباس پڑا ہوا ہے۔“
انپکڑ لباس کے قریب آ گیا۔ لباس جھیکا ہوا تھا اور گرد پانی

جمع تھا۔ معمولی پانی تھا۔ جبکہ جھپکی ہوئی تھی۔ انپکڑ چند لمحے اس جگہ کو گھورتا رہا۔

اسے بھاگنے والوں سے معلوم ہو گیا تھا کہ لاشیں پانی بن گئی ہیں اور وہاں صرف لباس پڑا ہے۔ اس لئے انپکڑ کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ لباس کو ہاتھ لگاتا۔ بلکہ وہ ادھر ادھر دیکھ کر سپاہیوں سے مخاطب ہوا۔

”دور ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔ یہ پانی اور لباس نہ ہیرا ہے۔ اگر کسی نے اسے چھو لیا تو اس کا بھی شاید اتنا ہی جھیاٹک انجام ہو۔“

سپاہی گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے اور اس جگہ کو دریافت کرنے والا سپاہی تو خوفزدہ ہو کر پرے ہٹ گیا۔ اس نے اچھا ہی کیا تھا۔ جو اس نے لباس کو ہاتھ نہ لگایا تھا۔ شاید وہ بھی اس وقت تک پانی بن گیا ہوتا۔

اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا اور گہری دہشت سے رنگ زرد ہو گیا تھا۔ وہ دوسرے سپاہیوں سے ذرا پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

اور اپنی جان بچ جانے پر خدا کا شکر ادا کرنے لگا۔ پھر انپکڑ نے ایک سپاہی کی طرف غور سے دیکھا۔

”اسلم۔ جلدی سے موٹر بوٹ میں جاؤ۔ ساحل پر اترنے

کے بعد جتنی جلدی بھی کار ڈرایو کرو گے اتنا ہی بہتر ہوگا۔ فوراً فوٹو
گرافروں اور کیمیکل کے ماہرین کو بلا لاؤ۔ — ہری اپ — جلدی جلدی
واپس آجاؤ۔

انسپکٹر نے سپاہی سے کہا۔

سپاہی ایک دم تیار ہو گیا۔ — اور اسے سیلوٹ کر کے وہاں
سے فوراً چل دیا۔

"عجیب و غریب سچویشن ہے۔" انسپکٹر بڑبڑایا۔ "اپنی نوعیت
کا یہ عجیب ہی کیس ہے۔ جسم پانی بن گئے۔ اور لباس بھی گاہوا
یہاں موجود ہے یہ سب کچھ تو بہت خوفناک اور ہتھکڑیاں ہے مجرم
بہت ہی سگدل گئے ہیں۔"

"انسپکٹر آپ کو فون کرنے والے نے کیا بتایا تھا؟" عمران نے
دریافت کیا۔

"اس نے فون پر کہا تھا کہ ایجنٹ بیچ بربک لڑکی اور اس کے
باپ کو عجیب و غریب انداز میں قتل کر دیا گیا ہے ان کے جسم زرد
پڑنے کے بعد پانی بن گئے۔"

انسپکٹر نے کہا۔

"چھوٹا راکیا فیناس ہے۔" عمران نے اسے بغور
دیکھ کر کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جواب دوں عمران صاحب۔ میں نے

اس صورت حال کو دیکھا تو نہیں ہے۔"
اس نے الجھتے ہوئے پریشان لہجے میں کہا۔
الجھن اور پریشانی کی وجہ سے اس کے چہرے پر عجیب و غریب
تاثرات تھے۔

پھر وہ عمران کے چہرے پر نظریں جاکر بولا۔
"عمران صاحب! اگر آپ نے یہاں کچھ دیکھا ہے تو بتادیں بہت
مہربانی ہوگی۔"

انسپکٹر کی نظروں میں لاچارگی، الجھن اور بے بسی تھی۔ صفر کو اس
پر رحم آگیا اور وہ عمران کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ مگر عمران نے
کوئی بھی اپکشن ظاہر نہ کیا۔ اس سے صفر کو حوصلہ ہوا۔
"میں بتا دوں انسپکٹر۔"

صفر نے کہا۔

انسپکٹر نے زور سے چونکا اور اسے گہری گہری نظروں سے
دیکھ کر بولا۔

"ضرورتاً دیجیے۔ آپ کا مجھ پر بہت احسان ہوگا۔"

وہ عمران کے ساتھ کو جانتا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کی بات
سے کچھ کام چل جائے گا۔

بیکایک عمران نے صفر کو تیز نظروں سے گھورا۔ پھر ایک گہرا
اور طویل سانس لے کر دوسری طرف نگاہیں پھیر لیں۔

”ہاں تو مفدر صاحب۔ یہ قتل کس طرح ہوئے ہیں۔“
 عمران نے مفدر کو تیز نظروں سے دیکھا ضرور تھا مگر اسے کچھ
 کہنے سے منع نہ کیا تھا۔
 اس لئے مفدر جو کچھ دیکھا تھا اس کے بارے میں انپکٹر
 ارشد کو بتا دیا۔ انپکٹر یہ سن کر سٹپٹا گیا۔
 وہ مفدر کو گھورنے لگا۔

”حیرت ہے۔ نہ یہاں کوئی لاش موجود ہے۔ نہ یہاں کہیں خون
 ہے۔ جگہ پانی سے بھیگی ہے یا بھیگے ہوئے لباس پڑے ہیں۔
 مفدر۔ آپ نے بتایا ہے کہ لڑکی کے باپ نے لاش کو چھوا
 تھا اور وہ بھی مر گیا ہے۔ پھر پانی میں تبدیل ہو گیا۔ یہ تو بہت ہی
 عجیب و غریب حادثہ ہے۔ ایک خواب کی طرح لگتا ہے۔ قلعے اور
 کہانیوں میں ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا ہونا ممکن نہیں
 معلوم ہوتا۔“

انپکٹر نے تشویش بھری آواز میں کہا۔
 ”دیکھا مفدر۔ چھنسن گئے نہ اب تم دو جواب انپکٹر کو۔
 اسی لئے میں کہتا تھا خاموشی بہتر ہوتی ہے۔ انپکٹر تمہاری بات
 کو جھوٹ سمجھ رہا ہے۔“

عمران نے کہا۔
 ”میں نہیں کہہ رہا ہوں کہ مفدر جھوٹ بول رہا ہے۔ بہر حال یہ

بہت ہی عجیب و غریب حادثہ ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔
 انپکٹر نے کہا۔

ہاڑوسی ملک کا باپ بھی۔ میں نہ مانوں۔ میں نہ مانوں کہ رٹ
 لگائے رکھتا ہے۔ عمران بولا۔

”بمرا نہ مایہ نئے عمران صاحب۔ بہر حال یہ ایک عجیب اور نہ
 ہونے والی بات لگتی ہے۔ مگر حقیقت میں یہ ہمارے سامنے
 موجود ہے۔“

انپکٹر نے بنچھلتے ہوئے کہا۔ کیونکہ وہ عمران کو ناراض نہیں
 کرنا چاہتا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ عمران کو غصہ آ گیا ہے اور اس کا
 موڈ خراب ہو گیا ہے۔

ہم نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ بس ہمارا اس
 کیس سے ہی تعلق ہے۔“

مفدر نے انپکٹر سے کہا۔
 ”آپ درست فرماتے ہیں۔ مگر میں تو الجھن کا شکار ہو گیا
 ہوں۔ یہ کیس میرے لئے انتہائی پراسرار اور بہت ہی عجیب و غریب
 ہے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اس قسم کے کیس سے واسطہ پڑا ہے۔“
 انپکٹر بولا۔

”اب ہم کیا کر سکتے ہیں بڑے بھائی۔ تمہارے نصیب میں
 جو کچھ تھا مل گیا۔“

عمران نے سنجیدگی سے انپکٹر کی طرف دیکھ کر کہا انپکٹر چوک کر اسے گھورنے لگا۔

مگر عمران سنجیدہ تھا۔ اس نے ایک لمبا سانس لیا۔
"میں آپ کی شخصیت پہچانتا ہوں عمران صاحب۔ آپ اس کیس میں مجھے مدد دے سکتے ہیں۔ میں جانتا ہوں ایس پی فیاض کے کارنامے آپ کے دم سے قائم ہیں۔"
اس کے بچے میں التجا تھی۔

"بھائی انپکٹر بات یہ ہے کہ آج کل میں نے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا ہے۔ کیونکہ میرے سرسرا والے سیاست فیملی سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے صاف کہہ دیا ہے کہ اگر میں نے جاسوسی کی گردن مروڑی تو وہ میری منیگر کی شاہی کسی سیاسی آدمی سے کر دیں گے اور اس طرح تم سمجھ ہی گئے ہو کہ میرے ہونے والے بچے تیم اور مسکین کہلا دیں گے یہی وجہ ہے کہ میں مجبور ہوں ویسے دل سے میں تمہارا ہمدرد ہوں۔" عمران نے دانت نکال دیے۔

اور انپکٹر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔
"عمران صاحب۔ یہ کیس تو مجھے ذہنی الجھنوں کے علاوہ مہیبتوں میں چھنسا دے گا۔"
"اب یہ الگ بات ہے کہ تم مہیبتوں میں چھنسو یا کسی لڑکی کے

ساتھ چھنس جاؤ۔"

انپکٹر نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔

"ہائیں۔"

عمران بھی اسی طرح آنکھیں پھاڑ کر مسکراتے لگا۔ پھر اسے انپکٹر پر ترس آ گیا۔

"مجھے یقین ہے انپکٹر صاحب آپ آہستہ آہستہ سب سمجھ جائیں گے۔"

انپکٹر نے ایک طویل سانس کھینچا۔ اور عمران کے چہرے پر نگاہیں جمالیں۔

"مجھے یقین ہے۔ یہ کیس اینٹلی جنس کے پاس جائے گا یا پھر آپ ہی اس کیس کو حل کریں گے۔"
انپکٹر نے عمران سے کہا۔

"ہاں۔" اتم نے اپنی تمام الجھن اور مصیبت ایک دم ہمارے سر ڈال دی۔ بس تو پھر اب تم اتنا کام کرو کہ فوٹو بنو اور رپورٹ تیار کرو اور یہاں سے بھاگ نکلو۔ پھر چوہو سو ہو۔"
عمران نے کہا۔

"عمران صاحب۔ یہاں آپ اپنے طور پر کچھ تحقیق کرنا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"
انپکٹر نے عمران سے کہا۔

”بیارے انیکٹر جہانی — مجھے احمق ہی رہنے دو۔ عقل مند بنانے
کی کوشش نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں عقل مند بن کر پاگل خائے پینچ جاؤں“
عمران بولا۔

پھر وہ کافی دیر تک انیکٹر کے ساتھ جھک مارتا رہا مقرر سوچ
رہا تھا کہ چلو بیکاری کا زمانہ گیا۔
پھر وہ کافی دیر کے بعد وہاں سے واپس ہو گئے۔ اور آگے ہی
آگے بڑھتے چلے گئے۔

سلیمان نے ناشتہ تیار کیا۔ کپڑے سے ہاتھ صاف کئے
اور ٹرے کو صاف کر کے اس میں ناشتہ سجایا۔ اور چن سے نکل کر
عمران کے کمرے کی طرف چل دیا۔ کمرے کی طرف جاتے ہوئے
جب وہ اس سہانی صبح کو لاؤنچ پارک رہا تھا۔ تو اس کی نظریں ساتھ
والے فلیٹ کی طرف اٹھ گئیں۔
وہ ٹھٹھک گیا۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اسے یوں لگا کہ
جیسے اسے کا جسم پکپکا رہا ہے۔ ہاتھ میں ٹرے لرز رہی تھی۔ دیوار
سے ذرا اوپر وہ سحر زدہ انداز میں دیکھ رہا تھا بے اختیار اس کے
دل سے آواز اٹھی۔

”چودھویں کا چاند —“

پھر — وہ چودھویں کا چاند بادلوں کے پیچھے چلا گیا۔ وہاں اب

کچھ بھی نہ تھا۔ وہ گم صدم کھڑا دیکھتا ہی رہا۔ پھر اس نے چونک کر ایک آہ بھری اور اپنے سانسوں کو استوار کرنے میں کچھ دیر لگی۔ پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھال کر ٹرے ہاتھوں میں اٹھائی اور عمران کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

سلیمان نے اس خوبصورت چہرے کو کل بھی دیکھا تھا اسے کچن میں فلمی گیت گنگانے کی عادت تھی، حسب عادت وہ گنگنا رہا تھا۔
تو اسے دیوار پر وہ چہرہ نظر آیا۔

اور وہ حیران رہ گیا تھا۔ پھر اسے تمام دن وہ چہرہ نظر نہ آیا تھا۔ اب کچھ لمحے پہلے وہ اس چہرے کو دیکھ کر اپنے اوسان ہی ہار گیا تھا۔ وہ سوئچ رہا تھا کہ جس طرح وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی اس سے ظاہر تھا کہ وہ اس سے محبت کرنے لگی تھی۔ اس سوئچ کے ساتھ ہی سلیمان کے ذہن میں پھلجھڑیاں سی چھوٹنے لگی اور اس کے ہونٹوں سے وحیانہ مسرت کی چیخ نکلی۔ عمران نے چونک کر سلیمان کی طرف دیکھا۔

سلیمان خان کیا بات ہے۔ ٹارزن کی طرح چیخ رہے ہو۔ یہ جنگل نہیں ہے۔

سلیمان نے دانت نکال دیئے۔

”جنگل میں جنگل ہے۔“

”اجی آج جنگل نہیں ہے۔“

پھر منہ بنا لیا۔
عمران کے قریب کیپٹن بابر بیٹھا تھا۔ سلیمان کے ان سے پہلے وہ کسی مسئلے پر الجھے ہوئے تھے اور بحث کرتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش میں مصروف تھے۔

بابر عمران سے کہنے لگا۔

”سویرے اٹھنا صحت کی نشانی ہے۔“

نشانی ہو یا چھٹا۔ سویرے اٹھنے سے ٹھنڈ لگ جاتی ہے۔

نکام ہو جاتا ہے، نمونہ ہو جاتا ہے۔ بخار ہو جاتا ہے۔ پھر ڈاکٹر کو بھی بلا پڑتا ہے۔ ہنگامی کا زمانہ ہے، سو دو سو روپے کا بوجھ پڑ جاتا ہے اور پھر سلیمان نے تو پہلے ہی مجھے بہت دبا کر رکھا ہے۔
یہ سن کر سلیمان کے تیور چڑھ گئے۔

”صاحب! سلیمان تو اب آپ کو اور دبائے گا۔ میں کب سے کھڑا ہوں، ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے، دوبارہ گرم کرنے کے خیال سے میں کانپ رہا ہوں۔ شاید میں اب ناشتہ دوبارہ گرم کر سکوں۔“

اس نے دھکی دے کہ ناشتے کی ٹرے سامنے میز پر رکھ دی۔
”ناشتہ کیوں نہیں گرم کر سکتے؟“

عمران اسے گھور کر غرا آیا۔

”میں بال بچے دار بننے کے متعلق سوئچ رہا ہوں، سلیمان بنجیدگی“

ابتدائی عشق ہے دیکھتے ہوتا ہے کیا — ابھی ہوتا کیا ہے سلیمان
 ابھی روتا ہے کیا سلیمان — کفایت شش نے اس وقت کے لیے
 تریہ کہا ہے — روتا ہے کیا —
 ”میں میرے دشمن — میں تو شادی کر کے ہنسوں
 گا صاحب — یہ کہہ کر وہ تیزی سے مڑا اور واپس جانے
 لگا۔ اس کے تصور میں پھر خوبصورت چہرہ روشن ہو گیا۔ اسے
 جب یہ خیال آتا کہ وہ اسے پیار سے دیکھ رہا تھا — تو اس
 کے دل میں کلیاں چٹکیں لگتی تھیں سلیمان عمران کے کمرے
 سے نکل آیا۔

عمران اور کیٹن بابر ناشتہ شروع کر چکے تھے۔ کمرے سے
 باہر آکر اس نے قد آدم آئینے میں اپنی خوبصورتی اور جوانی
 کا اندازہ لگایا۔ وہ ابھی ٹھیک ٹھاک تھا۔ اس کی سچ دھج
 بھی برقرار تھی۔

اس نے آئینے میں اپنا اچھی طرح جائییزہ لے کر چہرہ
 دیوار کی طرف دیکھا — دل دھول کی طرح بج رہا تھا۔ اور
 وہ اپنے اعصاب پر قابو نہ پا رہا تھا — بار بار وہ اپنے
 بالوں کو سنوارنے لگتا تھا۔ اور متیض کا کالر درست کرنے لگتا
 تھا۔ کبھی کبھی وہ چہرے کو بھی رگڑنے لگتا تھا۔ اس نے آج
 ہی شیو کی تھی — اب وہ ہر طرح سے مطمئن تھا۔ جانے

سے بولا۔
 ”ہائیں — اس ہنگامی کے زمانے میں تم شادی کر دو گے۔ پھر
 تو اپنا گھارا ہی سمجھو — عمران بولا۔ ”کچھ سوچو کچھ سمجھو سلیمان کیوں
 موت کو آواز دے رہے ہو۔“
 ”آواز تو آرہی ہے۔“ سلیمان کان پر ہاتھ رکھ کر چنچا۔
 ”آواز دے کہاں ہے۔ دنیا میری جواں ہے — جواں ہے —
 جواں ہے۔“
 عمران نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔
 ”بس لس کرو۔“

اور سلیمان ایک دم خاموش ہو گیا۔
 اس کے تصور میں چودھویں کا چاند روشن ہو گیا تھا۔ وہ ایک
 دم گم مسم سا ہو گیا۔
 ”کیا ہو گیا — کیا وہ لڑکی مر گئی جس سے تم شادی کرنے
 والے تھے۔“ عمران نے مصوبیت اور مادگی سے پوچھا۔ عمران
 کی اس اداس بابر بے ساختہ ہنس پڑا۔ جبکہ سلیمان کا منہ بن گیا۔
 ”صاحب — کوئی اچھی بات کیجئے۔ خدا اس چاند کو میرے
 دل کے آسمان پر ہمیشہ رکھے۔“

بابر اور عمران نے اسے گھورا — عمران بولا
 تو معاملہ اب چاند، زمین اور آسمان تک پہنچ گیا ہے۔

کب تک وہ دیوانے کی طرح کھڑا دیوار کی طرف دیکھتا رہا کہ اس کے کانوں میں عمران کی آواز پڑی۔ اس نے دیوار پر حسرت بھری آخری نگاہ ڈالی۔

”کہاں سرگئے سلیمان۔“

وہ ناامید ہو کر عمران کے کمرے میں آگیا۔

”صحن میں کھڑا کیا چڑیاں اڑا رہا تھا سلیمان۔“ اس کے قریب آنے پر عمران نے دھیمی اور رازرانہ آواز میں کہا۔ سلیمان چونکا۔ چہرے پر بوکھلاہٹ آگئی۔ اگر عمران اس حسین چہرے کو دیوار پر دیکھ لیتا تو بہت گڑبڑ ہو جاتی۔ وہ شرمندہ ہو گیا۔

”میں صحن میں کھڑا ہو کر اپنے ہونے والے بچوں کے بارے میں سوچ رہا تھا صاحب۔“

”تمہارے ہونے والے بال بچے کیا دیوار پر کھڑے تھے۔؟“

”اوہ۔۔۔ نہیں تو صاحب۔۔۔۔۔ سلیمان بڑے بڑا“ میں تو دیوار پر ایک سرخ رنگ کی چڑیاں دیکھی تھی۔ وہ بڑی پیاری تھی۔ اڑ گئی آخر۔“

سلیمان کی بات سن کر بابر نے قہقہہ لگایا۔ اور عمران کا ہاتھ اپنی ریڑی میں کھوپڑی پر چلا گیا۔ وہ سلیمان کو آٹینے

میں اپنا جائزہ لیتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ اس نے باہر آکر کھانا کھا تھا۔ اور سلیمان کو آٹینے کے سامنے دیکھ چکا تھا۔ اس کی لگا ہیں پڑوسی کی دیوار پر جمی ہوئی تھیں۔

”سلیمان۔۔۔ تو آج کا تم گلاب کا سرخ رنگ پسند کرنے لگے ہو۔“ عمران سادگی سے بولا۔

”جناب۔۔۔ مجھ پر پابندی تو نہیں ہے۔ میں سرخ رنگ پسند کرتا ہوں۔ کوئی سفید رنگ پسند کرتا ہے، کوئی زرد، کوئی ہرا اور کوئی پیلا رنگ پسند کرتا ہے۔“

”تو تمہیں واقعی سرخ رنگ پسند ہے۔“ عمران اُسے بڑی معنی خیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بابر اب خاموش بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ عمران کی لگا ہیں سلیمان پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ اس کی گھبراہٹ سے اندازہ لگا رہا تھا کہ ضرور گڑبڑ ہے۔

سلیمان نے تمام برتن سمیٹ کر ٹرے میں رکھے۔

”میں سرخ رنگ پسند کرتا ہوں کیا آپ کو برا لگتا ہے؟“

”نہیں برا کیوں۔۔۔ عمران نے کھکاری ماری۔“

”تم دیوار کی طرف دیکھ رہے تھے۔؟“

”اوہ کیا ہے۔۔۔ فلیٹ تو خالی ہے۔“ سلیمان بے ساختہ کہہ گیا۔

”نئے لوگ آگئے ہیں۔ عمران سلیمان کو گھور کر بولا۔
 سلیمان جھینپ گیا۔ اور اس کا دل زور زور دھڑکنے
 لگا۔ عمران اس کے بچنے سے سب کچھ سمجھ گیا تھا۔ اس
 نے بھی کل ایک لڑکی کو اُدھر دیکھا تھا۔
 ”ہوں۔۔۔ تو یہ بات ہے۔“ وہ سلیمان کو گھور
 کر بولا۔ ”کنفیوٹش عشق کے میدان میں کود پڑا۔“
 ”کون کون پڑا اور کونسی بات یوں ہے صاحب؟“
 سلیمان نے حیران ہو کر پوچھا۔ مگر اس کا دل زور زور سے
 دھڑکنے لگا تھا۔ اور چہرے پر بھی مسکراہٹ نہیں
 گئی تھی۔

”ہیں الونبارہا ہے۔“ عمران زور سے چخا۔ اس کے
 آنکھوں میں غصے کی چمک آگئی تھی۔ ابتر عمران کی طرف دیکھ کر
 چورنگا۔ پھر عمران کو غصے کے عالم میں دیکھ کر وہ اخبار کے
 طرف دیکھنے لگا۔

”صاحب۔۔۔ یہ میری بد قسمتی ہے کہ آپ، الون بن رہے
 ہیں۔“ وہ دھیمی آواز میں بولا۔

”میری بد قسمتی کیوں سلیمان۔“ عمران دعا پڑا۔
 ”صاحب۔۔۔ یہ بد قسمتی ہی ہوئی کہ میں ایک الون کا
 عقلمند نوکر کہلاؤں گا۔“ وہ معصومیت سے بولا۔

”بناتا ہے ہیں۔۔۔ تو ہمسائے کی لڑکی کو تاڑ رہا
 تھا۔ فوڑا ہی اب مرغا بن جا۔“
 ”میں کچھ نہیں تاڑ رہا تھا صاحب۔“ سلیمان گھبرا کر بولا
 اُسی لمحے فون کی گھنٹی سخت آواز میں زور زور سے گونج
 اُٹھنے لگی۔ عمران سلپٹا کر رہ گیا۔
 ”پتہ نہیں کس کجنت کو صبح ہی صبح کیا سوچی ہے۔“
 سلیمان نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کی
 جان چھوٹ گئی تھی۔ اس نے جھپٹ کر ریسور اٹھا لیا۔
 اور کسی کٹ کھنے کتے کی طرح غزایا۔
 ”ہیلو۔۔۔ عمران دس اینڈ!“

”مٹھاری آواز میں غزابت کیسی ہے عمران۔؟“ دوسری
 طرف سے ایئر پیس میں سر سلطان کی آواز ابھری۔
 ”یہ غزابت سلیمان کی وجہ سے ہے۔ صبح ہی صبح اپنی
 شادی کا ذکر کر کے غزانے پر مجبور کر دیتا ہے اور اپنے
 ہونے والے بچوں کو یاد کر کے چیخنے چلانے لگتا ہے۔“
 ”سلیمان کو شادی کے بارے میں سوچنے دو اور تم
 فوڑا کو بھی پرہیز جاؤ۔“

”مگر سرفیج ہی صبح۔“ عمران سلپٹا گیا۔
 ”اب دس بج رہے ہیں۔ بس جلدی سے پہنچ جاؤ۔“

بابر زور سے ہنسا
 ”وہ تو اچھا موقع دیکھ کر مہاگ گیا تھا۔“
 ”ام کر نٹ لوں گا اس سے بھی۔ کمبخت کے سر
 پر عشق کا بھوت سوار ہو گیا ہے۔“
 ”کیا واقعی یہ سچ ہے۔ کہ سلیمان دیوار کے پیچھے
 کسی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔؟“ بابر نے پوچھا
 ”ہاں۔“ — عمران نے روپاشی آواز میں کہا۔ اس
 کا چہرہ اس طرح بن گیا تھا کہ وہ جیسے ابھری رو سے گا
 بابر عمران کو متحیرانہ انداز میں دیکھنے لگا۔
 ”خدا کے پناہ عمران صاحب — رونہ دیجیے گا۔ خدا
 کے لیے اپنے آپ کو سنبھالیے۔“
 ”سنبھال لیا ہے — سنبھال لیا ہے۔“ عمران گلوں کی آواز
 میں بولا۔ اگر تم زیادہ ہی بول رہو گے تو اپنے فلیٹ کھسک
 جانا۔“
 ”میں نے بھی یہی سوچا ہے۔“ بابر نے کہا
 عمران باہر آگیا — اور اپنی ٹو سیٹر میں بیٹھ
 کر سر سلطان کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ کار تیزی
 سے ٹریفک میں بڑھتی چلی گئی۔

سر سلطان کی اسے آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی
 سلسلہ منقطع ہو گیا۔
 ریسپور کو کھٹا جانے والی نظروں سے گھورنے کے
 بعد اس نے کمریڈل پر ڈال دیا۔ کسی مصروفیت سے
 فائدہ اٹھا کر سلیمان ٹرے میں برتن سنبھال کر باہر
 جا چکا تھا۔ اور کیپٹن بابر پھر اخبار دیکھنے میں مہروف
 ہو چکا تھا۔
 ”بھئی گاجر۔ او۔ سوری۔ بابر تم یہاں آرام
 سے اخبار پڑھو۔ بار بار کافی پیو۔ میں ذرا ٹھوڑا سا
 دماغ کھپا آؤں۔“ — عمران نے ایک طویل سانس کھینچ
 کر بولا۔ اور ساتھ ہی اس نے ہماری سے کوٹ نکال
 کر پہن لیا۔
 ”میرے ساتھ جانے کی ضرورت تو نہیں ہے۔“ اس
 نے اخبار ایک طرف ڈال کر کہا۔ ”شاید یہاں بیٹھا
 بیٹھا میں بول رہا ہوں۔“
 ”وہاں جا کر کچھ زیادہ ہی بول رہا ہواؤ گے۔ اس لیے
 یہاں بیٹھ کر بولنا زیادہ بہتر ہے۔“ عمران نے کہا۔ پھر
 ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔
 ”سلیمان کہاں فرار ہو گیا۔؟“

وہ کرسی سفید فام موٹے باس کی تھی۔ وہ اس کرسی پر ایک شان سے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں نیلی اور گال چھوٹے چھوٹے تھے۔ اس نے اوپر کوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ سر پر فلیٹ ہیٹ تھا۔ جو ماتھے پر ذرا سا جھکا ہوا تھا۔ وہ تیز چمکی آنکھوں سے سامنے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے اپنے ساتھیوں کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

اس کے قریب ایک مناسب جسم والا شخص بیٹھا تھا۔ جو کچھ پریشان اور مضطرب دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے قریب ایک اور آدمی بیٹھا تھا۔ اس نے بہترین تراش تراش کا سوٹ پہن رکھا تھا۔

موٹے سفید فام کے ہاتھ میں ایک قیمتی سگارسنگ رہا تھا۔ جس کے کش لے کر وہ دھواں اڑا رہا تھا۔ اس کا سفید چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے مبرا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک اور شخص بیٹھا تھا۔ وہ نہ زیادہ موٹا تھا اور نہ پتلا تھا۔ وہ سامنے بیٹھے ہوئے باس کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سب ایک وطن اور ایک ہی قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ موٹے سفید فام باس نے کہا۔

”ہمیں اس ملک سے کامیاب واپس لوٹنا ہے۔“
”یقیناً ایسا ہی ہو گا باس“ ایک نے جلدی سے کہا۔

اس وقت خوشگوار دھوپ کن
شہر شازیمہ لپیٹ میں تھا۔ بلند و بالا عمارتوں پر دھوپ چمک رہی تھی۔ بڑی بڑی سڑکوں پر ٹریفک رواں دواں تھی۔ اس وقت صبح کے نو بجے تھے۔ بازاروں میں پھر بھی کافی گھاگھی تھی۔
کیفے سوزی دانگ کے سیکند غلور کے ایک چھوٹے سے کمرے میں اس وقت چند افراد موجود تھے۔ اور سب ہی سفید فام تھے۔ ان کا تعلق ماریطانیہ سے تھا۔
کمرے کی بناوٹ کے لحاظ سے نشستوں کو نصف دائرے کی شکل میں ایسا دہ کیا گیا تھا۔ اس دائرے میں ایک کرسی ذرا اونچی تھی۔ اس پر بیٹھنے والی شخصیت بھی اس لحاظ سے اونچی ہی تھی۔

”ہمارے ایجنٹوں نے ایک بڑا کارنامہ آتے ہی دکھا دیا ہے
لوڑکی اور اس کے باپ کو قتل کر کے پانی بنا دیا ہے۔ اس
شہر میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی ہے۔ پولیس اور
انسٹی جنس بیورو بوکھلا کر رہ گیا ہے۔ مجھے یقین ہے سیکرٹ
سروس بھی اس معاملے میں آگودے گی۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ باس نے کہا یہ معمولی کام ہمارا
منزل نہیں ہے۔ ہمیں تو پورے ملک میں خوف و ہراس
پھیلانا ہے۔ اس کے بعد ہی ہم نے اپنے بظاہر بڑے
جد مشکل مشن کو مکمل کر سکتے ہیں۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں سر۔ آپ کی ہدایت کے
مطابق سب کام ہوگا۔“ دوسرے نے کہا موٹے باس کے
لیے ان سب کا انداز بے حد مودبانہ تھا۔

”ہم اس شہر میں کافی حد تک دہشت پھیلانے میں
کامیاب ہو گئے ہیں۔“ باس باری باری سب کو ایک نظر
دیکھ کر بولا۔ ”ہم جس کے لیے اس ملک میں آئے ہیں
اس آپریشن کو کلین اپ کرنا ہے۔ اور ہمیں یہ جلد سے جلد
کام کرنا ہے۔ ہم نے یہاں بظاہر منشیات کی اسمگلنگ اور
پیروں کی اسمگلنگ کے اڈے قائم کر لیے ہیں۔ لیکن ہمارا
مشن دوسرا بھی ہے۔ ان کی آڑ میں ہم اپنے مشن کو کامیاب

بنائیں گے۔ اب ہمیں یہاں ایک ایسا کیمپ قائم کرنا ہوگا
جہاں رہ کر ہم بغیر کسی کی نظروں آتے ہوئے کام کر سکیں
اور ہمارے ایجنٹ بھی کسی کی نظروں میں نہ آسکیں۔ یہاں
کی سیکرٹ سروس بھی ہماری طرف ہاتھ نہ بڑھا سکے۔ اور
نہ ہمارا کیمپ ان کی نظروں میں آئے۔ اور ہم وہاں بیٹھ کر
اس سے ہی اپنے پلان پر عمل کر سکیں۔ ہمارے کام
سے پاکستان کی سیکرٹ سروس کو کسی کام کا شبہ نہ ہونا چاہیے۔
وہ ہماری طرف متوجہ ہونے کی بجائے منشیات اور پیروں
کی اسمگلنگ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور اس کے لیے لاشوں
کا پانی ہونا اور ملک میں جگہ جگہ دھماکے ہونا درد سر بن
جائے۔ ہماری طرف سے تحریری کاروائیاں اسے بوکھلا کر رکھ
دیں۔ اور اس کی بوکھاہٹ سے قائدہ اٹھا کر ہم کامیاب
ہو جائیں۔“ پھر اس نے پیٹر کو بغور دیکھ کر بولا ”میں
نے کچھ غلط تو نہیں کیا میرے پیٹر؟“
”بالکل نہیں سر۔“ پیٹر موڈب ہو کر بولا۔ ”میری سمجھ
نہیں آتا کہ ہم اس قسم کا کیمپ کہاں قائم کر سکتے ہیں؟“
”میرے پاس اس کے بارے میں ایک پلان ہے۔“
باس مسکرا کر بولا۔

”وہ کیا پلان ہے سر؟“ پیٹر سوالیہ لہجے میں بولا۔

”ایک ٹھوس پلان ہے — ایسا پلان کہ یہاں کی سیکورٹی سروسز ناپتی رہ جائے گی۔“ باس نے بڑے فخر سے کہا
 ”کیا واقعی سر“ پلیٹر نے حیرت سے پوچھا
 ”بالکل — مگر اس پلان پر ہمارے کچھ ایجنٹوں کو قربان ہونا پڑے گا۔“

”کچھ پانے کے لیے ہمیشہ قربانیاں دینی پڑتی ہیں“ پلیٹر
 سنجیدگی سے بولا — ”آپ پلان کے بارے میں بتائیے سر“
 پھر سب نے پلان کے بارے میں سننے پر اشتیاق اور
 دلچسپی کا اظہار کیا۔ اور اپنی اپنی کرسی پر غور آسا آگے جھک
 گئے۔ مناسب سے جسم والے نے کہا۔
 ”ہمیں پلان سے آگاہ کیجیے سر۔“

”ضرور — ضرور“ باس نے نرم آواز میں
 کہا۔ پھر اس نے اپنے پلان کے بارے میں بتانا شروع
 کیا۔ وہ اچھی خاصی شخصیت کا یاں لگ تھا — مگر اس
 کی آواز کتے کے بھونکنے کی آواز سے مشابہت تھی — وہ
 نرم اور دھیمے پن سے پلان کے بارے میں بتا رہا تھا۔
 مگر یوں ہی لگ رہا تھا کہ جیسے کتا بھونک رہا ہو۔
 وہ جیسے جیسے انہیں تفصیلات بتا رہا تھا۔ ویسے ویسا
 وہ سب حیرت زدہ ہو رہے تھے۔ اور پھر باس خاموش

ہو گیا — اور اس کی آنکھوں میں چمک بڑھتی چلی گئی
 وہ سمجھ گیا تھا۔ کہ وہ سب اس کے پلان سے متاثر ہو گئے
 ہیں۔

”وہی نائٹس باس — پلیٹر نے بوش سے چمکتی بڑی
 آنکھ سے دیکھ کر کہا۔

”اس طرح کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہمارا پلان کامیاب نہ ہو
 سکے۔ ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔“

”کیا اس پلان کو اپنے قیمتی ایجنٹ کی قربانی کے بغیر کامیاب
 نہیں بنایا جاسکتا باس“؟ مناسب تبسم والے نے پوچھا۔

”ایجنٹوں کو اس پلان میں ہر حال میں قربان ہونا پڑے گا“
 باس نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کے ساتھ ہی کمرے میں
 سکوت پھیل گیا۔

گہرا سناٹا چھا گیا — صرف ان کے سانسوں کی آوازیں
 تھیں۔ جو اس سناٹے میں موجود تھیں۔ ان کے علاوہ بالکل
 خاموشی تھی۔ پھر باس کی آواز نے اس سناٹے کو قطع کیا۔

”اس پلان میں زیادہ کام پلیٹر اور ماش کو ہی کرنا پڑے گا۔“
 ”ہم اپنی جان کی بازی لگا کر یہ کریں گے باس“ — پلیٹر
 نے پرجوش آواز میں کہا۔

باس کی آنکھوں میں مسرت کی چمک گہری ہوتی چلی گئی۔

”ہمیں آج کل میں ہی اس پلان پر عمل شروع کرنا ہے۔“
 ”ہم بالکل تیار ہیں باس۔“ اب کے بارش نے۔

جواب دیا۔ میں اس تعاون سے بے حد خوش
 ”ویری گڈ۔“ مگر پیٹر تم کوئی غلطی اور جھوٹ نہ کرنا اور شراب
 ہوں۔ کو ہاتھ نہ لگانا تو زیادہ بہتر ہے۔ تم اکثر غلطی کر رہے
 ہو۔

”مطمین رہیں باس۔“

پھر باس گہری نظروں سے اپنے ساتھیوں کا جائزہ

لینے لگا۔

ز

عمران ڈسٹریکٹ کو ڈرائیو کرتا ہوا پیو نیگم چار ہاتھ آیا
 کیس ختم ہو چکا تھا۔ اب عمران فارغ ہی تھا۔ اور وہ اُن
 لاشوں کے متعلق سوچ رہا تھا۔ جو پانی بن گئی تھیں۔ وہ اب
 معاملے کو سمجھ گیا تھا۔ انہیں ختم کرنے کیلئے نہایت ہی ہملہ
 زہر استعمال کیا تھا۔ وہ بہت ہی زود اثر زہر تھا۔ جبر۔
 جلد ہی لاشوں کو پانی بنا دیا تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو دشمن سبکد
 سردس کو ختم کرنے کیلئے اس قسم کا زہر استعمال کرے۔
 اس بار ان کا سامنا خطرناک دشمن سے تھا۔ جو لاشوں
 کو پانی بنا دیتا تھا۔ انتہائی خوفناک عزائم تھے اسے
 دشمن کے۔ کوئی بات نہیں اس سے بھی بڑ
 بیا بارے لگا۔

وہ جان گیا تھا کہ سرسلطان نے اسے کسی کیس کے ہی
سلسلے میں بلایا ہے۔ اب وہ تیزی سے ادھر ہی اڑا
چلا بارہا تھا۔ یکایک اس نے کار روک دی۔ اس
نے انجن کو سٹارٹ ہی نہ دیا۔ پھر اس نے وایٹ ٹرنسٹیٹ
کی ونڈر ڈک کو باہر کھینچا۔ اور بلیک زیرو کو کال کرنے لگا۔ عمر
نے اپنی ٹو سیٹر کو ایک فٹ پاتھ کے ساتھ کھڑا کر لیا تھا۔
”ہیلو۔۔۔ بلیک زیرو۔۔۔ عمران گالتک۔۔۔ اور
لیس۔۔۔ بلیک زیرو۔۔۔ لیبونک۔۔۔ اور
چند لمحوں کے بعد بلیک زیرو کی آواز ٹرانسمیٹر سے خارج ہوئی۔
”بلیک زیرو۔۔۔ عمران نے کہا۔ جیسا کہ تم جانتے
ہو کہ ایجنسی پر دو آدمیوں کا قتل ہو گیا ہے۔ لڑکی اور اس
کے باپ کی لاش پانی بن گئی ہے۔ اور صرف ان کے لباس
رہ گئے تھے۔ میرا خیال ہے اسی سلسلے میں سرسلطان نے
مجھے کال کیا ہے اور میں اسی طرف جا رہا ہوں۔ تمہیں اس
لیے مطلع کیا ہے تاکہ تم انہیں کھلی رکھو۔ اس بار ہمارا سامنا
ایک بہت ہی خطرناک دشمن سے ہوگا۔ جو لاشوں کو پانی بنا
دیتا ہے۔“

”بہت بہتر۔۔۔ بہت ہی خوفناک دشمن ہے۔ میرے
لیے کوئی پیغام ہے کیا؟“ بلیک زیرو کی آواز ابھری۔

”فی الحال کوئی خاص پیغام نہیں ہے۔ سرسلطان سے
بات کرنے کے بعد میں تم رابطہ قائم کر دوں گا۔“ اور اینڈ
آل۔“

اس نے یہ کہہ کر وایٹ ٹرنسٹیٹ کا ونڈر ڈک اندر کو دبایا
اور رابطہ ختم کر دیا۔ اس نے پھر انجن اسٹارٹ کیا۔ اور سرسلطان
کی کوئی طرف ٹو سیٹر کو تیزی سے جھگانے لگا۔

گیٹ پر موجود رہبان نے اسے سلام کر کے دروازہ کھولا
دیا۔ عمران نے اس کی طرف احمقانہ انداز میں مسکرا کر دیکھا
تب وہ بھی مسکرا دیا۔ عمران نے اس کو دانت پھاڑے
دیکھنے کی ضرورت نہ سمجھی اور ٹو سیٹر کو اندر لے آیا۔

وہ جلد ہی سرسلطان کے شاندار ڈرائیونگ روم میں آجھو
ہوا۔ اس نے زور سے ”اسلام علیکم“ کا پٹاٹہ چھوڑا۔ وہ بڑی
بے قراری سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

”تم وقت پر ہی پہنچ گئے ہو۔“ وہ عمران کو احمقانہ انداز
میں آگے قدم بڑھاتے دیکھ کر بولے۔

”جس طرح آندھی اور طوفان پہنچتے ہیں۔ اسی طرح میں
پہنچ جاتا ہوں۔“ وہ جلدی جلدی بولا۔ پھر اس کی نگاہیں
سرسلطان کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

”میرے چہرے پر کیا تلاش کر رہے ہو؟“ سرسلطان نے کہا۔

”کسی منتر مصیبت کو تلاش کر رہا ہوں۔“
 ”گھبراؤ نہیں۔۔۔۔۔ اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے۔
 میں منتر مصیبت سے دور ہی رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔“ سر
 سلطان ایک عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔
 عمران نے چیونگم کا پیکیٹ نکال کر اس میں سے ایک
 چیونگم نکالا اور اسے منہ میں رکھ کر جگالی کرنے لگا۔ وہ
 احمقانہ انداز میں چیونگم چاتا جا رہا تھا۔۔۔۔۔ چائے اگنی ملازم
 کو چائے کیلئے کہہ دیا گیا تھا۔ عمران نے صوفے پر لیٹ کر چائے
 بنائی۔ ایک پیالی سر سلطان کے سامنے میز پر رکھ دی۔ اور
 ایک اپنے سامنے رکھ لی۔ اس دوران میں گھرے میں سکوت
 رہا۔ چائے کا ایک گھونٹ بھرنے کے بعد سر سلطان نے گنگو
 کا سلسلہ شروع کیا۔

”عمران تم چونکہ اینجلیز پر موجد تھے۔ اور تم نے لاشوں
 کو پانی بٹتے دیکھا ہے۔ اس لیے تم خود بہتر جانتے ہو کہ
 دشمن کتنے خطرناک عزائم لے کر ہمارے ملک پاکستان میں داخل
 ہوا ہے۔۔۔۔۔ وہ ہمارے ملک میں خوف و وحشت پھیلا
 کر منشیات اور ہیروئن کی اسمگلنگ کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ اس
 کے علاوہ اس کا ایک بہت بڑا اور خوفناک مقصد بھی ہے
 جس کی وجہ سے ہمیں اس خطرناک دشمن سے بٹنے کے لیے

کہا گیا ہے۔“ یہ کہہ کر سر سلطان خاموش ہو گئے اور عمران
 کو بغور دیکھنے لگے۔
 ”شاید اس کا خوفناک مقصد یہاں شادی کرنا ہے۔“ عمران
 چائے کا گھونٹ پیپ کر کے بولا۔
 ”سیریس ہو کر میری بات سنو۔“ سر سلطان نے سخت
 آواز میں کہا۔

اور وہ متعجب ہو گیا۔ اسے خطرے کی گھنٹی سنائی دے گئی تھی۔
 ”خطرناک دشمن۔“ سر سلطان کی آواز خارج ہوئی۔ ہمارے
 ڈاکٹر افشار زیدی نے کینسر کے علاج کی تھموری دریافت کر لی
 ہے۔ اور اب وہ ایسی میڈیسن تیار کرنا چاہتا ہے۔ جس کے
 ذریعے پوری دنیا سے کینسر کی بیماری کو ختم کر دیا جائے گا۔ تم
 اس ڈاکٹر کے بارے میں جانتے ہی ہو گے۔ کیونکہ اس کے
 مضامین اکثر اخبارات اور میگزین میں چھپتے رہتے ہیں۔“ سر
 سلطان خاموش ہو گئے۔

عمران نے پیشانی پر زور سے ہاتھ مار کر بولا۔
 ”کہیں آپ اس ڈاکٹر کا ذکر تو نہیں کر رہے ہیں۔ جو
 ہمارے ملک کا باشندہ ہو کہ ایک بڑے ملک میں تجربہ بات
 کر رہا ہے۔؟“
 ”کہہ رہا نہیں۔۔۔۔۔ کر رہا تھا۔ وہ اسے گھور کر بولے۔

”اوہ۔ تو مر گیا بچارہ۔ اسے میرے خیال میں پاکشیا میں دفن کیا جائے گا۔“ عمران بڑے ہی احمقانہ انداز میں بچے افسوس کر رہا تھا۔

”پوری بات سن لیا کرو۔“ سرسلطان کی بھیلی آواز ابھی ”وہ مرا نہیں۔ زندہ ہے۔ اور اب ہمارے ہی ملک

ہی ہے۔“ چلو چھٹی ہوئی۔ بچ گیا بچارہ۔“ عمران ایک

گہرا سانس لے کر بولا۔ ”تم میری پوری بات نہیں سمجھتے سن کیا۔“ سرسلطان کی آنکھوں میں غصے کی چمک گہری ہو گئی اور چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس سرخ جھنڈی نے عمران کو خبردار کر دیا۔ اور عمران نے مسکین سی صورت بنالی۔ ان کی بھلاہٹ پر وہ اب احمقانہ انداز میں ہلکی ہلکی جھپک رہا تھا۔

”گویا بات ابھی ادھوری ہے۔“ سرسلطان کی پیشانی پر شکنیں اگئی تھیں اور وہ عمران کو قہر آلود نظروں سے گھورے جا رہے تھے۔ پھر انہوں نے ایک گہری سانس لے کر چائے کا گھونٹ بھرا۔ ”تم میرے بات سننا نہیں چاہتے تو اپنے غلیٹ پر ہی واپس چلے جاؤ تمہیں سرکاری پیغام مل جائے گا۔“ انہوں

”کون کبوت آپ کی بات نہیں سننا چاہتا۔“ فریٹے یو ہمہ تن خنہ گزشتی ہوں۔“ سرسلطان نے اسے کڑی نگاہوں سے گھورا۔ وہ بولہ

گیا۔ ”میرا مطلب ہے میں ہمہ تن گوش ہوں۔“ اس کی اس گڑبڑاٹ سے سرسلطان کے ہونٹوں پر ایک ہلکا سا تبسم آگیا۔

”چھو تم اب اپنا منہ بند رکھنا۔“ اپنے منہ کو لا کر کمر لوں گا سر۔“ اس نے لاچاری سے کہا۔ ”اب چائے کا گھونٹ بھی نہیں پھرے گا۔ لیجیے میں نے اپنا منہ بند کر دیا۔“ یہ کہہ کر اس نے ہونٹ سختی سے بھیج لیے۔ اس کے اس انداز سے سرسلطان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی چلی گئی۔

”چائے ضرور پیو۔“ چائے پینی منع نہیں ہے۔“ ”چائے پینے کے لیے منہ کھولنا ہی پڑے گا۔“ چلے جانے دیجیے۔“ آپ بات شروع کیجیے۔“ عمران بالکل الٹ ہو گیا۔

”ڈاکٹر زیدی نے سوچا کہ کینسر کے علاج کی مختصری جو

اس نے اپنے تجربات سے حاصل کی ہے۔ اسے اپنے ملک سے جاری کرے۔ تاکہ اس علاج کا سہرا اس کے ملک کے سر بندھے۔ کینسر کا علاج ایک بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔ اور اس طرح وہ اپنے وطن کی خدمت بھی کر سکے گا۔ مگر اس ملک کے سربراہ اسے نہ آنے دے رہے تھے۔ سمجھ لو اسے نظر بند کر دیا گیا تھا۔ مگر ایک روز اس نے وہاں سے فرار کا منصوبہ بنایا۔ اس کا اسسٹنٹ امیر زبیری بھی اس سے متفق تھا۔ چنانچہ وہ وہاں سے مریض پاکر فرار ہوئے۔ اور اپنے ملک میں آ گئے۔

عمران کو حیرت کا زبردست جھٹکا لگا۔ اردو اچل کر بولا۔
 "اب یقیناً ان دونوں کو اس ملک کے ایجنٹے پکڑ کر لے جانا چاہتے ہوں گے۔ یا انہیں ختم کرنے کیلئے تیار ہونگے۔ تاکہ ہمارا ملک اس پھپھوری سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔"
 لقب سے سرسلطان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔
 "لو اس کا مطلب ہے ہمیں سرکاری طور پر مطلع کر دیا گیا ہے۔؟ انہوں نے میجرانہ انداز میں عمران سے دریافت کیا۔
 "نہیں۔۔۔ مگر اس وقت ڈاکٹر کہاں ہے۔؟ عمران نے بے پوری طرح مستعد تھا۔ اور کافی سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔

"وہ اس وقت فوج کی تحویل میں ہے۔"
 "آپ کی اس سے ملاقات ہوئی۔؟"
 "ہاں میں اس سے ملی چکا ہوں۔"
 "یہ سب کچھ اس نے آپ کو بتایا ہوگا۔؟ عمران نے پوچھا۔

"میں ہی وہاں موجود تھا۔ سرسلطان کی نرم آواز گونجی۔ وزیر خارجہ کے علاوہ وزیر دفاع اور فوج کی صفیہ کا چیف بھی موجود تھا۔"

عمران نے ایک گہرا سانس لیا۔
 "بہت خوب۔ کیا اس کا اسسٹنٹ بھی اس کے ساتھ ہے؟"

"ہاں موجود ہی ہے۔"
 "وہ ڈاکٹر کتنی عمر کا ہے۔؟ عمران نے پوچھا۔
 "درمیانی عمر کا ہے۔"

عمران نے اس طرح مانس لی جلیے غبارہ پھٹ گیا۔
 "درمیانی عمر کے لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں۔ عمران جیسے پیٹری سے اترنے لگا تھا۔ سرسلطان نے اس کی بات کو نظر انداز کر دیا تھا۔
 "غور سے سنو۔"

اس نے زور سے ہنکارا بھرا۔
 ”غور سے سنو گامس“ مجھے سلیمان کی شادی اور اس کے ہونے والے بچوں نے پریشان کر رکھا ہے۔ کہیں میرا فلیٹ سرعنی خانہ نہ بن جائے۔ اب یہ درمیانی عمر کا ڈاکٹر بیسج میں آٹھکا ہے۔ خدا کی پناہ۔ میں تو پاگل دیوانہ ہو جاؤں گا۔ عمران نے زور سے سر پر ہاتھ مارا ”بہر حال سنائیے۔ وہ غور سے سننے والی بات کیا ہے۔ کنفیوشس نے کہا ہے۔ مہربان سنو ذرا بات میری کو غور سے۔“
 مہربان بنانے والی بات یہ ہے کہ ہماری حکومت اس ڈاکٹر کے تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے اس میں دلچسپی لے رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہمارے ملک کا ہی باشندہ تھا۔ اس لیے اس ملک کی حکومت اسے نہ رد نہ کر سکتی تھی۔ اس معاملے میں ہماری بات چیت ابھی شروع ہی ہوئی تھی کہ وہ ڈاکٹر اور اس کا نائب بھاگ کر یہاں آ گئے۔ انہوں نے ایک طویل سانس لے کر کہا ”میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ فوج کی صفیہ کے چیف نے اس ڈاکٹر کو پہچان کر اس کی کہانی سے متاثر ہو کر فوراً اس سے رابطہ قائم کیا جس کے ذریعے یہ بات صدر مملکت تک پہنچی۔ یہ ایک غیر متوقع سچویشن تھی۔ اس لیے فوراً ہی ایک

ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا ہے۔ جو کل رات درپے ختم ہوا تھا۔“

عمران اونگھ رہا تھا۔ اس نے آنکھیں نیم دا کی ہوئی تھیں۔ وہ ایک طویل سانس کھینچ کر بولے۔
 ”میدلسن تیار کرنے کیلئے اسے ڈاکٹر جمشید کی تجربہ گاہ میں کام کرنے دیا جائے گا۔ اور اس کی پوری طرح حفاظت کی جائے گی۔ اس طرح فوج کی صفیہ نے اس کی ذمہ داری لے لی ہے۔ اور ایک سو کر اس کا سربراہ مقرر کیا ہے۔ یہ اجلاس عجلت میں بلایا گیا تھا۔ اس لیے ہمیں مطلع نہ کیا جاسکا۔ پھر بھی یہ نہ تھا کہ حالات کیا ہوں گے۔ بہر حال اب ہمیں ڈاکٹر کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ بھی خیال رکھنا پڑے گا۔ کہ دشمن لاشوں کو پانی بنا کر لوگوں کو دہشت زدہ نہ کر سکے گا۔ عوام کو خوفزدہ کر کے ہماری توجہ اسمگلنگ اور ڈاکٹر کی حفاظت کی طرف ہٹا چاہتا ہے۔ بہت ہی عیار اور خطرناک دشمن ہے۔ اسمگلنگ ہمارا گیس نہیں ہے۔ مگر ڈاکٹر کی حفاظت کے لیے ہمیں اس کی طرف بھی توجہ دینا پڑے گی۔ عمران آنکھیں نیم دا کیے اونگھ رہا تھا۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر وہ جھلا گئے۔ اور انہوں نے اس منظر کو حلق سے اتار کر کہا۔“

”تم جانو عمران — ایسے ڈاکٹر کی پوری دنیا کہ ضرورت ہے کیٹسر کا علاج پوری دنیا کے لیے خوشی اور مسرت کا پیغام ہوگا۔ اور انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ لاکھوں انسان اس موزی مرض میں مبتلا ہو کر بے بسی، بے کسی اور لاچاری کی حالت میں مر جاتے ہیں۔“

اب عمران کی آنکھیں پوری طرح بند ہو چکی تھیں اور اس کے خزانے گونج رہے تھے۔ وہ اسے حالت میں دیکھ کر تھلا گئے۔ سٹپاٹے ہوئے انداز میں اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا۔ پھر وہ چلا آئے۔

”یہ کیا دہیات پن ہے؟“
ایک زبردست جھٹکے سے عمران نے ہر بڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ پھر ایک دم منہ بند کر لیا۔ پھر چند ہی چند ہی سی نظروں سے ارد گرد کا جائزہ لینے لگا۔ ہر چیز اپنی جگہ پر موجود تھی۔ پھر اس نے سر سلطان کو بھی خوابیں نظروں سے دیکھا۔

”یہاں تو کہیں بھی دہیات پن نہیں ہے۔“ ہر چیز درست حال حالت میں موجود ہے سر۔“
”اب تم فوراً یہاں سے دھج ہو جاؤ۔“ سر سلطان سانپ کی طرح پھنکارے۔ ”جلد ہی تمہیں سرکاری طور پر بھی مطلع

کر دیا جائے گا۔ اور تمہیں فوراً ان احکامات پر عمل شروع کرنا ہے۔ اب عمران اپنے آپ کو پوری طرح ہوش و حواس میں ظاہر کر رہا تھا۔ اس نے ایک جھابی لی۔ اور چوبیس گم میں دل بہلانے لگا۔

”آپ یہ تو بتائیے وہ ڈاکٹر خوفزدہ تو نہیں ہے؟“
انہوں نے عمران کو عجیب سی نظروں سے گھورا۔

”یقیناً خوفزدہ تھا۔ اس کا خوفزدہ ہونا اس صورت حال کے پیش نظر ایک نیچرل امر ہے۔“ سر سلطان کا لہجہ بے حد شک تھا۔ ان کے ماتھے پر شکنیں موجود تھیں۔ عمران کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ، رقص کرنے کی۔ وہ اس کی طرف سے غصے میں تھے۔ شبیہ ابلیس اسے یوں لگتا ہے آپ کا موڈ اس وقت خراب ہے۔“

وہ مسکرا کر بولا۔ اور صوفے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سر سلطان خاموش رہے۔ مگر ان کا ماتھا شکنوں سے مبرا ہو گیا۔ اور اب وہ نارمل حالت میں تھے۔ اور ان کے چہرے کی آنکھوں سے ظاہر تھا کہ ابھی وہ عمران کو روکنا چاہتے تھے۔ لیکن عمران انہیں گڈ بائی کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے نکل کر جانے کے بعد کچھ دیر تک وہ عجیب سی نظروں سے دروازے کو گھورتے رہے۔ اور پھر وہ بے ساختہ انداز

میں مسکرائے لگے۔ نکلی کر عمران اپنی ٹوسیٹر کی طرف بڑھتا
 دروازے سے چلا گیا۔

ز

سیمان کیپٹن بابہ کے ساتھ کھڑا تھا۔ مگر اس نے
 اس کی طرف توجہ ہی نہ دی تھی۔ جیسا کہ سیمان انتظار
 کرتا رہا۔ پھر کھنکھارے کیپٹن بابہ چونکا۔ اور سیمان کی
 طرف دیکھا۔ پھر مسکراتے لگا۔ اور سیمان کو دلچسپی سے دیکھنے
 لگا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ سیمان اس کے ساتھ اپنے اس
 عشق کی بات کرنا چاہتا ہے۔ بابہ نے اسے غور سے دیکھا
 ”کیا راتنی دیوار کے پیچھے کوئی لڑکی موجود ہے؟“
 ”سو فیصدی موجود ہے بناب۔“ وہ ایک آن بھر کر بولا
 ”لڑکی کیا ہے چورھویں کا چاند ہے۔“
 ”ہوں۔“ بابہ نے پورے سوچ انداز میں کہا۔ اچھا۔ کیا

”یہ بتاؤ سلیمان خاں — وہ لڑکی تمہارے طرف دیکھ رہی تھی۔“

”اس طرح دیکھ رہی تھی۔ جیسے پانہ اپنی چاندنی لٹا رہا ہو۔“
سلیمان نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔
”بس تو پھر ٹھیک ہے۔“ بابر نے ایک لمبی سانس لے کر کہا۔

”کیا ٹھیک ہے جناب۔“ سلیمان نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

سلیمان کی اس وقت کی حالت دیکھ کر بے اختیار اس کا دل قہقہے دگانے لگا مگر وہ سنجیدہ ہی رہا کیونکہ سلیمان نے کچھ سے اکھڑ جانے کا خطرہ تھا۔

”کیا اسے سلام کروں جناب۔“ سلیمان شرانے شرانے انداز میں سارگی سے بولا۔

”ایسی بھول نہ کرنا سلیمان خاں“ بابر نے اسے ہنسنے سے روک دیا۔

”مچھڑ کیا کروں جناب؟“ سلیمان لاپارگی سے بولا۔
”تم نے اندازہ لگایا کہ وہ پڑھی لکھی ہے؟“ بابر نے

یوچھا۔
”کالچ جاتی ہے جناب۔“ سلیمان جلدی سے بولا۔ کل

میں نے اسے ایک فائیل منجائے ہوئے رکھنے سے اترتے دیکھا تھا۔

”بس تو کام بن گیا۔“ بابر نے لغو مارا۔

”کیا بن گیا ہے بابر صاحب؟“ سلیمان گھبرا کر بولا۔

جب وہ نظر آئے دیوار کے قریب چلے جانا۔ اور اس سے کہنا۔ ہیلو۔ صوفیہ لورین۔ آئی ٹو کیو۔ وہ خوش

ہو جائے گی۔ اور تمہیں پڑھا لکھا سمجھ کر فوراً عشق کرنے لگی۔

جی۔

اسی لمحے عمران کمرے میں داخل ہوا۔

”وہ لڑکی فوراً دیوار پھلانگ کر میرے فلیٹ میں آجائے گی

اور مارزن کی محبوبہ کی طرح پاؤں سے سینڈل اتار کر سلیمان خاں

کے سر پر مارنے لگے گی۔ اتنے سینڈل پڑیں گے کہ سلیمان

سنگنی کا ناچ ناچنے لگے گا۔ ہو سکتا ہے کہ چونک کر ناچ ہی ناچنے

لگے۔ اور سلیمان کا عشق ٹھنڈا ہو جائے گا۔“ عمران نے

اسے سخت ننگا ہوں سے گھور کر بولا۔

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں صاحب!“ بکھانا تو ابھی

پک رہا ہے ٹھنڈا کیسے ہو جائے گا۔ آج تو میں نے کھانے

میں مہرے بھی شامل کیا ہے۔“ سلیمان اپنی بوکھلاہٹ پر قابو

پاتے ہوئے بولا۔

بابر ہنستے ہنستے بے حال ہو گیا تھا۔ مشکل اس نے اپنی ہنسی روکی۔

”کیا تم نے کہا ہے سلیمان — مرغا — عمران کا منہ تعجبانہ انداز میں کھل گیا۔ چند لمحے وہ حیرت زدہ رہا پھر آہستہ آہستہ اس نے اپنی حیرت پر تابلو پالیا۔ اور کہنے لگا ”مگر میں تو تمہیں مرغا بنانے کے متعلق سوچ رہا ہوں — ابے ار سلیمان خاں — کیا اب بڑسا پے میں مجھے پڑسیوں سے جوتے کھلائے گا؟“

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں صاحب —؟“ سلیمان گھبرا کر بولا ”میں تو آپ کو مرغا کھلانا چاہتا ہوں۔ آپ جوتے کھانے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔“

”یوں لگتا ہے — آج تم نے اس کی بھی دعوت کر ڈالی ہے۔؟“ عمران نے اسے غصیلی نگاہوں سے گھورا۔

”کس کی دعوت صاحب —؟“ سلیمان کا منہ ذہرست حیرت سے کھل گیا۔

”او سلیمان — مجھے احمق نانا ہے۔“

بابر کا زوردار قہقہہ ٹکرے میں گورخ پیدا کرتا چلا گیا۔ اور سلیمان نے عمران کی بات سمجھ کر منہ بنایا۔

”آپ کو لڑے ہر وقت میرے عشق کی ہی فکر رہتی ہے۔“

صاحب — وہ بوکھلا کر بولا۔

”تو کیا تم نے پڑوس کی چھو کر یا کی دعوت نہیں کی ہے؟“

”بالکل نہیں صاحب — میں تو صرف آپ لوگوں کیلئے“

کھانے میں سرخ شامل کیا ہے۔“ سلیمان منہ بنا کر بولا

”ہائیں — اب ہم لوگ ہو گئے۔؟“

”نہیں صاحب — نہیں — آپ تو میرے صاحب ہیں“

بھول ہو گئی۔“ وہ گھبرا گیا۔

بابر اور ہنسنے لگا۔ اسی لمحے گھنٹی گونجی۔ اور عمران چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ کال بیل گونج رہی تھی۔ سلیمان دروازے کی طرف بڑھا۔

چند لمحوں کے بعد صفدر اندر داخل ہوا۔

”اوہ — تو کیپٹن بابر بھی موجود ہے۔؟“ پھر وہ ادھر اور دیکھ کر بولا

”مگر یہ فلیٹ کی فضا بدلی بدلی سی کیوں ہے۔؟“ صفدر بابر کے سرخ چہرے کی طرف دیکھ کر بولا۔

ہنسنے کی وجہ سے بابر کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

”عمران صاحب ناراض ہوں تو فضا بدل ہی جاتی ہے۔“

ہنسانے ہی رہتے ہیں۔“ بابر نے مسکرا کر کہا

”واقعی عمران صاحب بہت ہنساتے ہیں۔“

عمران لا تعلق سا بیٹھا تھا۔ گویا یہ ظاہر کر رہا تھا کہ ابھی تک وہ صفدر کی آمد سے بے خبر ہے۔

”کیا لاشوں کا کیس حل کیا جا رہا ہے عمران صاحب۔“ اس نے عمران کو سوچوں میں ڈوبے دیکھ کر بولا۔

”اوہ۔۔۔ عمران آہستگی سے چونکا۔ کچھ کہا تم نے صفدر؟“

”میں پوچھ رہا تھا کہ کیا لاشوں کے کیس پر منظر بازی کی جا رہی ہے یا نہیں۔“

”یا مکمل۔۔۔ عمران دھیمے لہجے میں بولا۔ ”بڑا ہی عجیب و غریب کیس ہے۔“

”کچھ بتائیں گے آپ؟“ بجنور دیکھتے ہوئے صفدر نے اس سے کہا۔

”ہمارے سلیمان کو عشق کا زکام ہو گیا ہے۔۔۔ ہے نا یہ بتانے والی بات۔“

بابر نے زور سے قہقہہ لگایا اور ہنستا چلا گیا۔ صفدر بھی ہنسنے لگا۔ عمران سنجیدہ ہی رہا۔ سلیمان بے حد بوکھلا کر کچھ صفدر کو دیکھ رہا تھا اور کبھی بابر کو۔ مگر ان کی ہنسنے بڑھتی ہی چلی گئی۔

ذ

ڈاکٹر زیدی کی حفاظت اور لاشوں کے پانی بننے
جانے کی تحقیق کا کام سیکرٹ سر دس کے سپر کر دیا گیا تھا۔ مگر ڈاکٹر کی حفاظت فوج کی خفیہ بھی کر رہی تھی۔ اس لیے اسے اپنے نائب کے ساتھ ملٹری ہیڈ کوارٹر پہنچا دیا تھا۔

عمران ایچسٹو کے نمائندے کی حیثیت سے خفیہ کے دفتر میں ڈاکٹر افتخار زیدی سے ملاقات کرنے آیا تھا۔ اور وہ اس رقت فوج کی خفیہ کے دفتر میں تھا۔

ڈاکٹر افتخار زیدی واقعی ادھیڑ عمر شخص ہی تھا۔ اتنی زیادہ عمر نہ تھی۔ مگر سوچوں نے اسے درمیانی عمر کا بنا دیا تھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔

مگر اس کا نائب اسرار زیدی کچھ خوفزدہ رکھائی دے رہا تھا۔

دفتر میں عمران، افتخار زیدی اور اس کے نائب کے علاوہ فوج کی خفیہ کا چیف میجر جنرل احمد بھی موجود تھے۔ عمران اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ ملاقات کر چکا تھا۔ اردوہ بظاہر احمق سا نظر آنے والے عمران کی صلاحیتوں اور قابلیت سے بنے حد متاثر تھے وہ عمران کو دلچسپ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ عمران افتخار زیدی سے مخاطب تھا۔

”جس جہاز میں آپ سفر کر رہے تھے۔ اس میں آپ کو کوئی ایسا آدمی تو نظر نہیں آیا تھا۔ جو آپ کے تعاقب میں ہو۔؟“
 ”شاید نہیں۔“ وہ چند لمحے سوچنے کے بعد
 ”آپ کی نظر بندی کے کتنے نگران تھے وہاں۔؟“
 ”وہ تقریباً تیس کے قریب مسلح گارڈ موجود تھے۔ انہوں نے بتایا۔“

”کیا نگرانی شب و روز کی جاتی تھی۔ کیا ہر وقت ان کے تعداد تیس ہی رہتی تھی۔؟“
 ”جی ہاں۔“

”عمران کچھ دیر خاموشی سے کچھ سوچتا رہا۔ پھر زنگا ہوں میں گہرا بن لاکر بولا۔“

”آپ کی وہاں رہائش کسی جنگلے میں تھی یا تجربہ گاہ ہی آپ کی رہائش گاہ تھی۔؟“

”تجربہ گاہ ہی سمجھ لیجئے۔ کیونکہ تجربہ گاہ سے ملحق کمروں کو میری رہائش گاہ بنا دیا گیا تھا۔“

”آپ کے پاس ذاتی ملازم بھی ہوں گے۔؟“

”بالکل۔۔۔ میرے پاس باورچی کے علاوہ دو ملازم سودا وغیرہ لائے کیئے بھی تھے۔“

”کیا آپ شہر میں گھوم کر تعزیر کر سکتے تھے۔؟“ عمران نے پوچھا۔

”نہیں ڈاکٹر ہوں۔۔۔ گھوم پھر کر وقت ضائع کرنے کو مناسب نہیں سمجھتا۔ اس لیے تجربہ گاہ میں ہی گھوم پھر لیتا تھا۔ میرے ٹریڈ کے قریب قریب آدمی ایسا ہی کرتے ہیں۔ ویسے مجھے ٹھونٹے پھرنے کی پابندی نہ تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ لوگ میری نگرانی کرتے ہوں۔“

”کیا آپ بر ملا کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی نگرانی کی جاتی تھی۔؟“
 ”ہاں۔۔۔ مجھے دو چار مرتبہ اس قسم کا شک ہوا تھا۔ میں حیران ہوں۔“ وہ بولا۔

”آپ مجھ سے اس قسم کے سوالات کیوں پرچہ رہے ہیں۔؟“
 عمران دھیرے سے مسکرایا۔

”وقت گزارنے کیلئے کچھ نہ کچھ بات تو آپ سے کرنا ہی تھی۔“ عمران نے دستِ واپ کی طرف دیکھ کر کہا۔ اور پھر وہ میجر جنرل احمد سے مخاطب ہوا۔
”آپ کے آدمیوں کو اب تک یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔

انہوں نے کافی دیر لگا دی ہے۔“
”اب آتے ہی ہوں گے۔“ جنرل احمد نے سکارسلگا کر کہا۔ عمران نے چیونگم منہ میں ڈال لی۔ اور اسے جبانے لگا۔ اس نے ڈاکٹر زیدی اور اس کے نائب سے چیونگم کے لیے کہا۔ مگر اس نے شکریے کے ساتھ انکار کر دیا۔
”ان میں زہر نہیں ہے۔“ عمران نے کہا۔ ڈاکٹر زیدی نے اسے حیرت سے دیکھا۔ اس کا نائب بھی اسے متحیرانہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔ میجر جنرل احمد نے مسکراتے ہوئے چیونگم عمران سے لے کر منہ میں ڈال لیا۔

ڈاکٹر زیدی اسے عجیب سی نظروں سے گھور رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا اور دو نوجوان کمرے میں داخل ہوئے اور آگے بڑھنے لگے۔ عمران نے ان کی طرف غور سے دیکھا۔ اندر داخل ہونے والے دو نوجوانوں میں سے ایک موڈبانہ انداز میں میجر جنرل احمد سے مخاطب ہوا۔
”مر باہر گاڑی تیار ہے۔“

”کیا تجربہ گاہ کے گرد حفاظتی انتظامات مکمل ہیں۔“ میجر جنرل احمد نے ایک کش لگا کر دریافت کیا۔
”یس سر۔“

”عمران صاحب کیا آپ ساتھ جائیں گے۔“ میجر احمد نے عمران سے پوچھا۔

”جانا ہی پڑے گا۔“ عمران نے جواب دیا۔ پھر وہ اٹھ کر سب کھڑے ہو گئے۔ آفس سے باہر آکر دیکھا کہ بلٹ پروف وین اسٹارٹ کھڑی تھی۔ ڈاکٹر افتخار زیدی اور اس کا نائب اسرار زیدی سے میجر احمد نے ٹیک ہیمنڈ کیا۔

پھر وہ ڈاکٹر لپک کروین کے کچھ حصے میں بیٹھ گئے۔
”خوفزدہ بالکل نہ ہوں۔“ ذرا بھی ڈرنے اور گھبرانے کے ضرورت نہیں۔“ میجر احمد نے بشاش انداز میں ان کی طرف دیکھ کر حوصلہ دیا۔ آپ کو آپ نہ آئے گی۔ یہاں آپ کا کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ آپ کا بال بھی بیک نہ ہوگا۔ آپ تجربہ گاہ میں اطمینان اور سکون سے کام کر سکتے ہیں۔“
جنرل کے تسلی دینے پر ڈاکٹر زیدی مسکرا دیا۔ اور وہ کمرے بھی کیا سکتا تھا۔ عمران کے اندر بیٹھنے کے بعد وین کے دونوں دروازے بولٹ کر دیئے گئے۔ بلیس جوائنوں کی ایک وین ان کی وین کی حفاظت کے لیے موجود تھی۔ ڈاکٹر جمشید کی تجربہ گاہ

شہر سے تقریباً پندرہ میل دور تھی۔ ڈاکٹر جمشید کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور اس کی تجزیہ گاہ کو حکومت نے ڈاکٹر زیدی کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس فیصلے کو ڈاکٹر زیدی نے خوشی سے قبول کر لیا تھا۔ اب وہ مسلح وین کی حفاظت میں ادھر ہی جا رہے تھے۔

عمران سوچ رہا تھا کہ سفید فام ایجنٹ راستے میں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور کریں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے غیر ملکی ایجنٹ وین کو ہی اڑانا چاہیں۔ اس لیے بے حد خطرناک مشن تھا۔ مگر عمران الرٹ ہو کر بیٹھا تھا۔ وہ بہت زیادہ چوکنا تھا۔ اس نے سکورٹ سروس کے نمبروں کو ہدایت کو دی تھی کہ وہ شہر کے چھوٹے بڑے سب ہی ہوٹلوں کو اچھی طرح چیک کریں۔ اگر کوئی بھی مشتبہ غیر ملکی نظر آئے تو اس سے باز پرس کریں۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ڈاکٹر زیدی کا پیچھا کرتے ہوئے غیر ملکی ایجنٹ ملک میں داخل ہو گئے ہیں۔ اور وہ ڈاکٹر کو اڑانے یا پھر ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ ان کی تذلیل تھی کہ کینسر کے علاج کی تھموری پائیشیا کا ڈاکٹر تیار کرے۔ ہر بڑا ملک یہی چاہتا تھا کہ وہ ہی اس تھموری کا مالک بن جائے۔ مگر پائیشیا کا ڈاکٹر بازی لے گیا تھا۔ اس لیے وہ ٹاپتے رہ گئے تھے۔ اب ان کی کوشش یہی تھی کہ یا تو ڈاکٹر کو اغواء کر لیا جائے۔ یا پھر

اسے ختم کر دیا جائے۔
وین جیسے ہی گھنے درختوں سے گھری ہوئی ایک زرد رنگ کی عمارت کے سامنے پہنچی تو سامنے سڑک کے کنارے بلند جگہ پر آؤبنڈاں ایک بہت بڑے ڈیسٹرینس کے بورڈ کے پیچھے سے اسٹین گنوں سے وین پر فائرنگ شروع ہو کر رہ گئی۔
شعلے یکے بعد دیگرے چمکنے لگے۔ توڑ توڑ کی آوازوں سے وہاں جگل گوبخ اٹھا۔

پچھلی وین سے فوراً مسلح جوان اترے اور انہوں نے بورڈ کی طرف اسٹین گنیں کر کے فائر کھول دیا۔ دوسرے ہی لمحے پھر وہ جہازی سائٹ کا اشتہاری بورڈ گولیوں سے چھانی ہو چکا تھا۔ اور دھڑا دھڑا آواز سے دوسرے نقاب پوش کئے درخت کے طرح نیچے گرے تھے۔

عمران وین کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ وین بلٹ پرود تھی۔ اس لیے کسی قسم کا نقصان نہیں ہوا۔ وہ جھاگ کہ نقاب پوش لاشوں کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے فوراً ان کے چہروں سے نقاب نوح لے لئے۔ مگر وہ کوٹھے اندازہ نہ لگا سکا۔ کہ وہ دونوں کون تھے۔ کیونکہ گولیوں سے ان کے دماغ کے پرچے اڑ گئے تھے۔ اور چہرے تو بمیانک اور ناقابل شناخت ہو چکے تھے۔ عمران سمجھ گیا کہ دشمن

نے محض اپنی موجودگی ظاہر کرنے کے لیے یہ حملہ کیا ہے وہ جانتا تھا کہ وین ہلٹ پروف ہے۔ میجر بھی لپک کر عمران کے قریب آگیا تھا۔ اس کے حلق سے اواز خارج ہوئی۔
 ”ان کی شکلیں تو بہت زیادہ بگڑ گئی ہیں۔“
 عمران نے کوئی جواب نہ دیا۔ شکل و صورت تو پہچانی نہ جا سکتی تھیں۔ مگر لباس سے وہ مقامی ہی لگتے تھے۔ عمران نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔ اور انہیں غور سے دیکھتا چلا گیا۔

پھر — وہ ان کی سپورٹس کار کی طرف آگیا۔ جو بورڈ سے زرا نامعلوم پر کھڑی تھی۔ اس نے کھڑکی میں سے ہاتھ بڑھا کر ڈیش بورڈ کا خانہ کھولا۔ مگر وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ پھر اس نے واپس آکر لاشوں کی تلاشی لی۔ مگر سب کچھ بے سود رہا۔ کیونکہ کوئی بھی ایسی چیز نہ مل سکی جو ان کی شناخت میں مدد دے سکتی۔ عمران نے میجر کی طرف دیکھ کر کہا

”میجر — لیبارٹری کس طرف ہے؟“

میجر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”وہ سامنے درختوں میں گھری زرد رنگ کی عمارت لیبارٹری

یہ ہے۔“

”ہوں۔“ اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔ ”میجر آپ

یہاں سے لاشوں کے اٹھوانے کا بندوبست کریں۔“
 ”ٹھیک ہے۔ میں ایسا ہی کروں گا۔“ اس نے مودبانہ انداز میں کہا۔ عمران اس کے اس انداز سے خوش ہوگا پھر میجر عمران کی طرف بغور دیکھ کر بولا۔
 ”فی الحال تو میرا فرض ہے کہ میں ڈاکٹر زیدی اور اس کے نائب کو بحفاظت لیب میں پہنچا دوں۔“

”ٹھیک ہے۔“ عمران نے اثبات میں گردن ہلا دی۔
 عورتی دیر کے بعد دونوں ویلنیں آگے پیچھے گھٹنے درختوں کی طرف بڑھنے لگیں۔

مسلم فوجی عمارت کے ارد گرد گشت کرتے ہوئے لیب کی حفاظت پر مامور تھے۔ وین کا دروازہ کھول کر انہیں انتہائی حفاظت کے ساتھ مسلم فوجی ڈاکٹر زیدی اور اس کے نائب کو اندر لے آئے۔

ڈاکٹر جمشید کے انتقال کے بعد اس کے اسسٹنٹ نے لیب سنبھالی ہوئی تھی۔ وہ بھی ایک قابل ڈاکٹر تھا۔ اور مختلف امراض پر لیسرچ کرتا رہتا تھا۔ اسے ڈاکٹر کے آنے کی اطلاع پہلے ہی دے دی گئی تھی۔ اور وہ ڈاکٹر زیدی کے یہاں آکر تجربات کرنے سے بے حد خوش تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر زیدی ایک نہایت ذہین اور قابل ڈاکٹر ہے۔

یہ ڈاکٹر زیدری کا ایک بہت بڑا کارنامہ تھا کہ اس نے کینسر کے علاج کی تحقیقوری دریافت کر لی تھی۔ پوری دنیا میں ابھی تک کوئی ایسا ڈاکٹر نہ تھا جس نے کینسر کا علاج دریافت کر لیا ہو۔ پوری دنیا کی نظراب ڈاکٹر افتخار زیدری پر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ پوری عمارت کا چیمبرہ دیکھ ڈالا گیا۔ مگر کوئی ایسی مشین تیز نہ ملی جو ڈاکٹر زیدری کی ہلاکت کا باعث بن سکتی تھی۔

لیبارٹری جدید قسم کے ساز و سامان سے لیس تھی۔ اور کافی کشادہ تھی۔ اسے ڈاکٹر زیدری نے بے حد پسند کیا۔ لیب میں داخل ہونے کے دو راستے تھے۔ ایک وہ راستہ تھا جس سے وہ خود داخل ہوئے تھے۔ اور دوسرا راستہ لیب کی پشت پر موجود تھا۔ جو برسرِ کھیتوں کی طرف کھلتا تھا۔ وہاں سے کافی دور ایک آبادی موجود تھی۔ جس میں کسان ہی رہائش پذیر تھے۔ لیب کے ساتھ ہی ایک ایسا پورشن تھا۔ جسے رہائش گاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ جب وہ اس پورشن کا بھی جائیزہ لینے کیلئے اس طرف آئے تو انہوں نے لیب کے پشت والا دروازہ استعمال کیا۔ رہائشی پورشن کا مین گیٹ اور لیب کی پشت والا دروازہ بالکل آمنے سامنے تھے۔ اس کا مقصد تھا کہ شہر سے آنے والے کو پہلے لیب میں داخل

ہونا پڑتا تھا۔ اس کے بعد وہ پورشن کا رخ کرتا تھا۔ اور پھر پچھلے دروازے سے رہائشی پورشن میں آسکتا تھا۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ لیب میں داخل ہونے کی بجائے سیدھا رہائشی پورشن میں چلا جائے تو اسے دیہاتی بستوں کی طرف والا دروازہ استعمال کرنا پڑتا تھا۔

عمران نے یہ سب کچھ بڑے غور سے دیکھا تھا اور اطمینان اور سکون کا ایک طویل سانس خارج کیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ڈاکٹر کی حفاظت کا یہ بہت ہی شاندار بندوبست ہے۔ صرف ایک مین گیٹ تھا۔ جو ایک لمبی گیلری میں کھلتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ عمران نے فوراً آٹھ مسلح فوجی مین گیٹ کے آگے تعینات کر دیئے۔ جو ادھر ادھر پھیل گئے۔ وہ اسی طرح پھیلے تھے۔ کہ اب لیب کی پشت والا دروازہ بھی ان کی نگاہوں میں تھا۔ لیب کے دوسرے دروازے کے سامنے بھی آٹھ فوجی متعین کر دیئے گئے تھے۔ تاکہ وہ ہر وقت رہائشی پورشن کے ارد گرد گشت کرتے رہیں اور جیسے ہی انہیں کوئی خطرہ محسوس ہو تو فوراً پیڈل کوارٹر کو مطلع کر دیں۔

اس کام سے نپٹنے کے بعد عمران نے میجر عارف کی

طرف دیکھا جو حفاظتی فوجیوں کا کمانڈنگ آفیسر تھا۔

”میجر عارف — ایکٹو کا کارندہ پروقت یہاں موجود رہے گا۔ جو میرے یہاں جانے کے بعد آجائے گا۔ اس کے کام میں کوئی کسی قسم کا دخل نہ دے۔ اور یہ بھی نہایت ہی ضروری ہے کہ کوئی فوجی اس سے زیادہ تعلقات بڑھانے کی کوشش نہ کرے۔“

”ڈونٹ دری صاحب — میجر عارف نے موڈ بانہ انداز اختیار کیا۔“ آپ کو اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایکٹو کا آدمی اپنا شناختی کارڈ تو پیش کرے گا نا۔“

”جی ہاں —“ عمران نے جواب دیا۔ ”اسے آپ اچھی طرح چیک کریں۔ اس کے یہاں پچھنے کی اطلاع فوراً ایکٹو کو پہنچا دیں۔“

”ایکٹو کا فون نمبر کیا ہے۔“

عمران نے اسے ایکٹو کا فون نمبر بتا دیا۔ اور میجر کو گہری نظروں سے دیکھنے لگا۔

”جب بھی کوئی مشکوک شخص نظر آئے تو اسے زندہ ہی گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر وہ خطرناک قسم کے گڑبڑ کرے تو پھر اسے ختم کر دیا جائے۔ کسی قسم کا ہنگامہ

یہاں نہیں ہونا چاہیے۔“

”ایسا ہی ہو گا جناب۔“ میجر عارف نے جواب دیا۔

”کیونکہ یہاں شفٹیں بدلتی رہیں گی۔ اس لیے دوسرے کمانڈنگ آفیسرز کو بھی آپ یہی ہدایات دے دیں۔“ عمران نے کہا۔ اور وین کی طرف مڑ گیا۔

لیکن اس دفعہ وہ وین کے پچھلے حصے میں نہ بیٹھا تھا بلکہ اس نے ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ سنبھال لی تھی۔

فوجی ہیڈ کوارٹر میں پہنچنے کے بعد اس نے اپنی ٹوسیٹر لی اور شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے جیب سے پکیٹ کو نکالا اور ایک چیونگم کا ریسر اتار کر اسے منہ میں ڈال لیا اور اسے چبانے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اصل ہنگامہ تو اس وقت شروع ہو گا۔ جب ڈاکٹر زیدی میڈیسن تیار کر لے گا۔ اس طرح اس کی تھپوری اب مکمل ہو جائے گی۔ لیکن حملے تو اب ہی شروع ہو گئے تھے۔

راستے میں عمران نے ایک ٹیلی فون بوتھ کے سامنے کار روک لی۔ اور اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ پھر اس نے انسٹرومنٹ میں سکہ ڈال کر صفدر کے فلیٹ کے نمبر ڈائل کیے۔ ادھر سے آواز ابھری۔

”صفدر اسپیکنگ!“

لیکن عمران اب ان سے دور تھا۔ اس نے ایک درخت کی آڑے لی۔ اور ریوالور نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اور اس انتظار میں رہا کہ وہ باہر نکلیں اور وہ ان پر ایک کرے۔ لیکن کچھ دیر گزر جانے کے بعد بھی ان کی طرف سے کوئی ایکشن نہ ہوا۔ یہ سچویشن عمران کیلئے خطرناک تھی۔ یہاں سارا دن تو کھڑا نہ رہ سکتا تھا۔

اس نے فوراً ہاتھ درخت کی آڑ سے باہر نکالا اور دو فائر جھونک دینے۔ لیکن جواب میں فوراً اس پر شعلوں کی بارش ہو گئی۔ مگر وہ اپنا ہاتھ پیچھے کر چکا تھا۔ تمام کی تمام گولیاں درخت کے موٹے تنے میں آکر پیوست ہو گئیں۔ عمران نے خاموشی اختیار کر لی۔ دوسری طرف بھی محاذ بند ہو گیا۔ کچھ دیر گزرنے کے بعد عمران دوسرے تنے کی طرف اچھلا۔ کار کی کھڑکیوں سے پھر شعلے لپکے۔ مگر عمران اب دوسرے درخت کی آڑ میں تھا۔ شعلے پھر بند ہو گئے۔ عمران سوچ رہا تھا کہ وہ اسے ختم کر کے ہی جانا پڑتے ہیں۔ ان کا بھاگنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ عمران سخت جوش میں آ گیا۔

اب غصے کی شدت سے اس کے جڑے بھنچے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں وحشت اور درندگی تھی۔ دانت پروات

”ایکٹو وکس اینڈ“ عمران نے بھرائی آواز میں کہا۔ ”یس سر“ صفدر کا لہجہ ایک دم موڈ ہو گیا۔ ”صفدر فوراً ڈاکٹر جمشید کی لیبارٹری میں پہنچ جاؤ“ پھر اس نے سب کچھ بتا دیا۔ اور اسے وہاں کا جائزہ لینے کے

بارے میں بتا دیا۔ اس نے کہا۔ ”آٹھ گھنٹے میں کھول کر جائزہ لینا۔ اگر کوئی مشتبہ بات دیکھو تو فوراً مجھے واپس ٹرانسمیٹر پر مطلع کر دینا۔ میں تمہاری پوٹ کا انتظار کروں گا۔ رات کی ڈیوٹی چوہان کی لگا دو۔“ عمران باتیں بھی کرتا جا رہا تھا اور شیشے کی دیوار سے باہر بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا۔ کہ سرخ رنگ کی ایک ہلکی سی سپورٹس کار سڑک کے کنارے درختوں کے قریب آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ عمران کا ماتھا ٹھنکا۔ ڈرائیور نے سیگنل سلگا دیا۔ پیچھے دو آدمی بظاہر لا تعلق سے بیٹھے تھے۔ مگر عمران جانتا تھا کہ ان کی خاموشی میں عمران کی موت چھپی ہے۔

عمران فوراً دروازہ کھولنے کیلئے مشتد ہو گیا۔ اور ایک چھلکے کے ساتھ اس نے دروازہ کھولا۔ دوسرے لمحے وہ غوطہ لگا گیا۔ اور لڑھکتا ہوا درختوں کے قریب چلا گیا۔ کار سے شعلے لپکتے چلے گئے۔ تڑتڑ کی آوازیں گونجتی چلی گئیں۔

حفاظتی انتظامات سے مطمئن تھا۔ پھر بھی یہ خطرناک دشمن سب کچھ کر سکتا تھا۔

انہیں ختم کرنے کے بعد عمران تیزی سے دوبارہ ٹیلیفون بوجھ میں داخل ہوا۔ اور انسٹرمنٹ میں مناسب سکے ڈال کر سپرنٹنڈنٹ فیاض کے نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہونے پر دوسری طرف سے آواز گونجی۔

”سپرنٹنڈنٹ فیاض۔ فرام انٹیلی جنس بیورو۔“

”کیا حال ہے پیارے۔“ عمران آواز بدل کر بولا ”خوب وارے تیارے ہو رہے ہیں۔ ہولکوں ماجوئے خاتون اور فحاشی کے اڈوں سے مال کچھ زیادہ ہی مل رہا ہے۔ کیا خیال ہے۔ آج سعودیہ ہوٹل میں تمہارے ساقدار فوٹر ہو جائے۔“

”شد اپ۔ کون الو کے پٹھے بول رہے ہو۔ جو اس لہجے میں بات کر رہے ہو۔ میں تمہارے سر کے پرچھے اڑا دوں گا۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ مجھ سے اس لہجے میں بات کرو۔“ فیاض غصے سے پاگل ہو کر بولا۔

”بس۔ بس۔ سو پر فیاض میں سمجھ گیا۔ تم اس طرح مجھے جھاڑ پلا کر اپنی نئی سیکرٹری پر رعب ڈال رہے ہو۔ فکر مت کرو۔ وہ رات کو تمہارا بستر ضرور گرم کرے گی۔“

جھائے وہ کھڑا وہاں سے لپکنے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ سامنے سڑک پر ایک ٹرک تیزی سے آ رہا تھا۔ جیسے ہی ٹرک عمران کے قریب آنے لگا۔ اس نے فوراً ہی جھپٹا لگا لگا۔ ٹرک نے گذرتے ہوئے اسے چھپا لیا۔ اس نے بجلی کی سی تیزی سے جھپ کیا۔ ٹرک کے گذرتے ہی کار کے سامنے موجود تھا۔

وہ اسے اتنا قریب دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اور ان کی یہ حیرت ہی ان کی موت کا باعث بن گئی۔ اس نے اتنی تیزی سے فائر کیے کہ یوں لگا جیسے تینوں فائر ایک ساتھ آئے ہوں۔ تین شعلے لپکے تھے اور تینوں بدعاشوں کو چاٹ گئے تھے۔ تینوں کے سروں کے پرچھے اڑ گئے تھے۔ وہ تینوں مقامی باشندے تھے۔ عمران جانتا تھا کہ ان کے پاس سے بھی کچھ نہ ملے گا۔ لیکن پھر بھی اس کے کار کی آواز ان کی تلاش کی۔ مگر کچھ بھی شناختی مدد نہ مل سکی۔

اس کے بعد اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ دشمن کتنا چالاک اور خطرناک تھا۔ دو حملے ہو چکے تھے۔ وہ تیزی سے کام کر رہے تھے۔ اور ان کی انٹیلی جنس بھی خوب کام کر رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ دشمن جانتا ہے کہ ڈاکٹر زیدی اور اس کے نائب کو کہاں رکھا گیا تھا۔ مگر وہ

”یو۔ ڈرنی۔ نان کنس۔“ فیاض کی شعلے اگلی ہوئی آواز نے ایئر پیس میں دھماکہ کیا۔ اور عمران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ناپنے لگی۔

”نکمر مت کہہ دو سو پر۔“ اپنی نئی سیکر ٹری کو اینجن ریج لے جاؤ اور خوب گلچیر لے اڑاؤ۔ تمہیں چھٹی ہے۔ مگر پھر خطرناک دشمن سے خبردار رہنا کہیں ایسا نہ ہو تمہاری لاشیں بھی پانی میں تبدیل ہو جائیں۔“

”یو۔ سن آف ریج۔“ فیاض کی آواز شعلے اگلی رہی تھی۔

”یو۔ ڈرنی۔ سن آف ریج سلی سو پر فیاض۔“ اب عمران نے اپنی اصل آواز میں کہا۔ اور مسکرانے لگا۔

”نشٹ اپ۔“ تم نے مجھے ایسا کہنے کی جرأت کیسے کی۔ میں تمہیں ساری عمر کے لیے جیل میں بند کر دوں گا۔“

عمران نے نور سے تعجبتہ لگایا۔ ”یہ خواب تو تم برسوں سے دیکھ رہے ہو۔ پیارے سو پر سیکر ٹ۔ تمہاری اطلاع کیلئے عرض ہے کہ سٹریٹ روڈ پر ایک اسپورٹس کار میں تین لاشیں پڑی ہیں۔ پولیس کو فون کر کے اٹھوالینا۔ اس سے پہلے کہ فیاض گرجتا۔ عمران نے ریسور کبڈل پر رکھا۔ اور باہر آگیا۔ چند لمحوں میں اس کی ٹوسیٹر دانش منزل کی طرف دوڑ رہی تھی۔

ٹرٹیک کے سیلاب میں ایک سیاہ رنگ کی ٹویٹا دمیانی رفتار سے آگے بڑھتی چل جا رہی تھی۔ شام کی سنہری دھوپ نلک ہوس عمارتوں کی اوپری منزلوں پر اپنی آخری بوچھاڑ ڈال رہی تھی۔ اس کی اس بوچھاڑ سے منظر بہت خوبصورت ہو گیا تھا۔ فضا میں کافی خنکی تھی۔ کل ہونیوالی بارش کی وجہ سے موسم سرد ہو گیا تھا۔ یکایک ٹویٹا پر ہجوم اور رولنگ آئیز سڑک کو چھوڑ کر بجلی سڑک پر مڑ گئی۔ وہ سڑک ساحل سمندر پر پھیلے ہوئے مہاجر کیمپ کی طرف جاتی تھی۔

دفعۃً کار کی رفتار میں اضافہ ہو گیا۔ اور وہ کافی تیز رفتاری سے بھاگنے لگی۔ اس کا ڈرائیور ایک سفید تھا۔ اس کے خدوخال میں سختی کے اثرات تھے۔ وہ شکل و صورت سے ہی ایک چھٹا ہوا بدعاش اور غندہ لگتا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں نے مضبوطی سے اسپرنگ کو سینہال رکھا تھا۔

کوئی آٹھ میل دور آنے کے بعد کار درختوں سے گھری ہوئی ایک کچی سڑک کی طرف مڑ گئی۔ اور اس کچی سڑک پر قریب قریب دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک خستہ حال جنگلے کے گیٹ پر رُک گئی۔ جنگلے بے

کمرخت آواز سناٹی دی ۔
 ”رک کیوں گئے اندر آ جاؤ!“ لیجے بوجھل سخت اور کمرخت قسم کا تھا ۔
 جیسے کوئی کتا بھونکا ہو ۔

سفید فام کمرے میں داخل ہوتا گیا ۔ کمرے میں صرف ایک میز مٹی
 اور اس کے پیچھے پڑی ہوئی ایک کرسی مٹی ۔ جس پر ایک سفید فام موٹا براجمان
 تھا ۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ میز کی سطح پر مستعد انداز میں رکائے
 ہوتے تھے ۔ اور اس کی برے کی طرح چھید نہیں ہوئی نظریں اندر داخل
 ہوتے ہوئے سفید فام پرچی ہوئی تھیں ۔

”رپورٹ دو!“ سفید فام سے رکنے کے فوراً بعد پوچھا گیا ۔ اس کی
 آواز ایسی مٹی کہ جیسے کسی مشینی آدمی نے آہنی انداز میں صلیق سے آواز
 خارج کی ہو ۔

رکنے والے سفید فام کا انداز بہت موڈ بانہ تھا ۔
 ”ڈاکٹر“ اور اس کے نائب کو ڈاکٹر جمشید مرحوم کی بلیب میں منتقل کر دیا
 گیا ہے ۔ تاکہ ڈاکٹر فوج کی نگرانی میں میڈیسن تیار کر سکے ۔ فوج کے
 ساتھ ساتھ یہاں کی سیکرٹ سروس انکی نگرانی پر مامور ہے ۔
 ”تم کچھ نہ کر سکتے!“ کہتے کے بھونکنے کی آواز دی ۔ اس کی چھیدتی ہوئی
 نظروں سے اس کا رنگ ارٹ گیا ۔ اچانک ہی وہ کافی پریشان بے چین
 اور مضطرب نظر آنے لگا ۔

”ہمارے ایجنٹوں نے ملٹری وین پر اسٹین گنز سے فائرنگ کی مگر

لبے درختوں میں گھرا ہوا تھا ۔
 سفید فام ڈرائیور نے مارن بجایا ۔ فوراً ہی کہیں سے سار پر سرخ
 لائٹ آکر لہرنے لگی ۔ اس کے جواب میں سفید فام زور سے چلا آیا ۔
 ”آپریشن کلین اپ!“ یہ مشن کو ڈٹھا ۔ جو اس نے چلا کر بتایا تھا ۔ فوراً
 ہی گیٹ کھلتا چلا گیا ۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہی سرخ روشنی غائب
 ہو گئی ۔ سفید فام نے کار کو آگے بڑھا کر گیٹ میں داخل کیا ۔ اور اسے
 اندر لیتا چلا گیا ۔

شام کے اندھیروں میں بنگلہ کسی بہت بڑے عفریت کی مانند نظر
 آ رہا تھا ۔ جو اپنے شکار پر چھپنے کے لئے پوری طرح مستعد ہو ۔ اس
 خستہ حال بنگلے میں اندر داخل ہونے کا صرف ایک ہی راستہ تھا ۔ اس کی
 طرز تعمیر قدیم انداز پر مبنی تھا ۔

چہار دیواری کافی بلند مٹی ۔ جس کو پھلانگنا بہت مشکل تھا ۔
 کار سے اتر کر سفید فام بنگلے میں داخل ہوتا چلا گیا ۔
 اندر سے بنگلہ خستہ حال نہ دکھائی دے رہا تھا ۔ باہر کی سچوئیش کے
 کسے برعکس اندر جا بجا لگے ہوئے مکرری بلیب اپنی خوشگوار اور تیز روشنی
 لٹا رہے تھے ۔

طویل اور ذرا کشادہ گیلری میں کمروں کی قطاروں کے سامنے وہ
 سفید فام گمراہ ہوا تھا ۔ پھر اس کے قدم ایک دروازے پر جا کر رک گئے
 بھی وہ دستک بھی نہ دے پایا تھا کہ اسے کمرے کے اندر سے ایک

ملٹری کے حفاظتی جوازوں نے انہیں بورڈ کے پیچھے ہی جھون کر رکھ دیا۔ بہر حال آپ کے خیال کے مطابق ہم نے اپنی موجودگی ان پر ظاہر کر دی ہے۔“
”ہوں!“ اس کے حلق سے ایک خوف ناک آواز خارج ہوئی۔

”پھر۔“

”پھر ہم نے سیکرٹ سروس کے نمائندے عمران پر عزیز موٹر پر حملہ کیا۔ مگر وہ بھی تیس آدمیوں کو قتل کر کے چلا گیا۔ میں سڑک سے پرے درختوں کے پیچھے پہلے اس سے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ اور یہ تمام کاروائی دیکھ رہا تھا۔“

”ناکامی!“ وہ زخمی چیتے کے سے انداز میں بول رہے تھے کیسے پتہ چلا کہ وہ عمران ہی تھا۔“

”ایک مقامی آدمی اُسے اچھی طرح جانتا تھا وہ ہمارا ایجنٹ تھا۔ جواب ان تین ایجنٹوں میں ختم ہو چکا ہے۔ اس نے مجھے عمران کے بارے میں بتایا تھا۔“

”کیا تم اس کا حلیہ بتا سکتے ہو؟“ کتا بھونکا۔

”میں دُور دور رہا ہوں۔ اس لئے مکمل حلیہ نہیں بتا سکتا۔ میں نے اس کا نام آپ کو بتا دیا ہے۔ وہ عمران ہے اور بہت ہی خطرناک مشہور ہے۔ اس نے دنیا کے چفادری بدعاشوں کو گندے نالوں کا پانی پلویا ہے۔“ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

”کیا آپ اُسے جانتے ہیں باس؟“ پھر اُس نے پوچھا

”تم ابھی نئے آئے ہو۔ اس لئے تم اس قسم کا سوال کر رہے ہو۔ وہ واقعی بے حد خطرناک ہے مگر اس سے کہیں زیادہ میں خطرناک ہوں وہ مجھ سے بچ کر کہاں جاسکتا ہے۔ بہر حال تم نے اُسے ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے میں مطمئن ہوں۔ اب اپنے کام کی رپورٹ دو۔“

”سر!“ وہ مکارانہ مسکراہٹ ہونٹوں پر لا کر بولا۔ ہم نے ہیرن اور منشیات کی اسمگلنگ کو تیز کر دیا ہے۔ پورے ملک میں اوڈل پر ہیرن اور دوسری منشیات پہنچ رہی ہے۔ اور سمندری راستوں سے ہمارے ایجنٹ باہر بھیج رہے ہیں۔ ابھی تک ہمیں اس سلسلے میں کسی رپورٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

”ویری گڈ، ویری فائن، ویری نائس!“ میں تمہاری کارکردگی سے مطمئن ہوں“ پھر اس نے سوچ کر کہا۔ ”میرا خیال ہے مزید ایک دو لاسٹوں کو پانی بنا دیا جائے اور بموں کے دھماکے کرا دیئے جائیں تاکہ ملک خوف و ہراس اور دہشت کی زبردست لپیٹ میں آجائے اور ہمارے مشن کی طرف کوئی متوجہ نہ ہو سکے۔“
”اچھا منصوبہ ہے سر!“ اس نے جھپٹی آنکھوں سے کہا۔
”دفعۃً وہ ایک دم سے چوںکا۔“

”تمہیں یقین ہے کہ یہاں تک آتے ہوئے کسی نے تمہارا تعاقب تو نہیں کیا؟“

”نہیں!“ میں نے اس امر کا خاص خیال رکھا تھا۔

”ہوں!“ وہ اُسے گھور کر بولا۔ ممکن ہے تمہارا کہنا درست ہو مگر مجھے یقین نہیں آتا کہ تم چالاک چیتے عمان کی نظروں سے محفوظ رہ گئے ہو۔ اب تم جاؤ۔“

”بس سر!“ اس نے مؤدبانہ کہا۔ اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”اور ہاں!“ پیٹر کو میرے پاس فوراً بھیج دو۔“

مؤدبانہ انداز میں مڑا اور دروازہ کھول کر باہر نکلتا چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سفید فام نے ڈبے سے ایک سنگار

نکالا اور اس کا سر نیچے کرنے کے بعد اُسے سدکا لیا۔ اور ڈبہ دوبارہ

میز کی دراز میں رکھ دیا۔ اور ایک ٹویل کش لے کر دھواں کمرے کے تیز

روشن ماحول میں اگل دیا۔ دھواں لہراتا ہوا چھت کی طرف بلند ہونے لگا۔

وہ موٹا سفید فام درمیانی عمر کا تھا۔ کپٹیوں پر بال سفید تھے۔ مگر

اس کی صحت قابل رشک تھی۔ رنگ سرخ و سفید تھا، نیلی آنکھوں میں

وحشی پن اور کڑھنگی کے ساتھ ساتھ ہلکی چمک تھی۔ اور ہر وقت

چوکتا رہتی محفیں۔ اس کا چہرہ قدرے جادو، نظر تھا۔ مگر آواز کڑخت

سخت اور تکیہ تھی۔ جب وہ بات کرتا تھا تو گنتا تھا کہ جیسے کوئی

گنتا بھونک رہا ہو۔ وہ ایک بریم کمر سیٹ پہنے ہوئے تھا۔ اور سرخ

رنگ کی ٹائی تھی۔ اس کے گال پھولے پھولے تھے۔ وہ دوسرا کش

لینے کو تھا کہ اس لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک دراز قد سفید فام

اس کی میز کی جانب بڑھتا چلا گیا۔

”آپ نے مجھے کال کیا تھا باس!“ اس نے سنجیدہ مگر مودبانہ

انداز میں کہا۔ اس کے سانسوں سے شراب کی بو اڑ کر کمرے میں

پھیلنے لگی تھی۔ کرسی پر بیٹھے ہوئے سفید فام نے سنگار کا کش لینے کا

ارادہ ترک کر دیا۔ کیونکہ شراب کی بدبو نے اس کے چہرے پر ناگواری کے

تاثرات پیدا کر دیئے تھے۔ اس نے نکتوں کو بار بار سکوڑا اور اس

کی آنکھوں میں غصے کی چمک پیدا ہو گئی۔

”پیٹر!“ اس کا لہجہ بہت سخت تھا۔ جیسے پاگل کتا بھونک رہا ہو۔

میں نے نہیں کتنی ہی مرتبہ منع کیا ہے کہ ڈائن مت پیا کرو۔ مگر اس

دکے برعکس تم تیزی سے اس کا استعمال کرنے لگے ہو۔“

”کیا کر دل باس!“ وہ برا سا مٹہ بنا کر بولا۔ اس حینہ کی جدائی

مجھ سے برواشت نہیں ہوتی۔ دل اُسے ہر وقت سینے میں چھپائے رکھنے

پر مجبور کرتا رہتا ہے۔“

”سٹ اپ!“ وہ گرجا۔ اگر آئندہ تم نے ڈائن کو ہاتھ لگایا تو

میں تمہارے خلاف سخت ایکشن لوں گا۔ اور میرا ایکشن موت کی صورت

میں بھی ہو سکتا ہے۔

اس کے سخت اور سرد لہجے سے ایک لمحے کے لئے وہ کانپ

گیا۔ چونکہ کمرے کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

”اگر تم اب زیادہ نشے میں نہ ہو تو میں تم سے پلان کے بارے میں

بات کر سکتا ہوں؟ اب اس کی بھونکتی ہوئی آواز میں قدرے نرمی تھی۔
چونکا اور اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

”میں بالکل مستعد ہوں باس! میرے لائق خدمت بننا ہے۔“
”مارٹن نے وہ جگہ دیکھ لی ہے۔ جہاں ڈاکٹر زیدی اور اس کے نائب
کو رکھا گیا ہے۔ اس جگہ وہ مل کر میڈیٹیشن تیار کر لیا کریں گے؟ وہ
اُسے گہری نظروں سے اُسے دیکھ کر بولا۔

”دیری فائن!“ وہ ادب سے بولا۔ یہ ایجنٹ مارٹن بہت اچھا
جا رہا ہے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ وہ سخت آواز میں بولا۔ اُس نے عمران کو جو
سیکریٹ سروس کا ایک بہت ہی چالاک نمائندہ ہے ختم کرنے کی
کوشش بھی کی تھی مگر وہ اُس کوشش میں ناکام رہا۔ یہاں کی سیکریٹ
سروس فوج کی خفیہ سے مل کر ان دونوں کی حفاظت کر رہی ہے۔ عمران انہیں
اُس علاقے میں چھوڑنے گیا تھا۔

”یہ اچھا نہیں ہوا باس!“ پیٹر نے تشویش بھری نظروں سے اسکی
طرف دیکھا۔

”کیوں؟“ وہ اُسے گھور کر بولا۔

”عمران کی مداخلت اس مشن میں بہت خطرناک بات ہے۔“

”تو کیا تم یہ سمجھ رہے تھے کہ عمران اس کیس میں دخل انداز نہ ہوگا۔“
وہ اسے بغور دیکھ کر مھزونکا۔

وہ کڑی نظروں سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔
”نہیں! میرا یہ مقصد نہیں تھا باس!“

”میں تمہارے مقصد کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ شراب کی زیادتی نے تمہیں
نکما اور بزدل بنا دیا ہے۔ شراب اور رنت نہی لڑکیوں سے ہاتھ کھینچ لو۔ ورنہ
تمہارے یہ ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے۔“ وہ زخمی چیتے کی طرح غرایا۔
”کان کھول کر سن لو، میں اس اپریشن کو کلین اپ چاہتا ہوں۔ اگر اس میں
تم نے ذرا بھی کوتاہی یا غلطی کی تو تمہیں ختم کر کے تمہاری لاش کو بھی پانی بنا
دیا جائے گا۔ میں اس ملک سے ناکامی کا تیر کھا کر واپس جانا نہیں چاہتا!“

پیٹر خزاں رسیدہ پتے کی طرح لرز گیا۔ جسے معمولی سی ہوا لرزا دیتی ہے
سفید فام باس اس کے چہرے کو پھیرتی ہوئی نگاہوں سے دیکھ کر غرایا۔
اب اس کی بھونکتی ہوئی آواز میں غراہٹیں زیادہ بھئیں۔ ہمارے ایجنٹوں نے
عمران کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں۔ وہ کچھ زیادہ میالغہ آمیز ہیں۔
معلومات میں عمران کو اسٹیل کا بنا کر پیش کیا ہے۔ اگر وہ اسٹیل کا ہے
تو ہم اس سے بھی زیادہ سخت فولاد بن کر ٹکرائیں گے۔ اور ہمارا یہ بھیانک
ٹکراؤ ایٹم طاقت پر مبنی ہوگا۔ اپنے ذہن کو اس کے دباؤ سے آزاد کر لو۔ پھر
ہمارے تمام ایجنٹ اس کا سر کاٹ کر میرے سامنے پیش کر سکیں گے۔
سمجھ لو مجھے عمران کے سر کی ضرورت ہے۔ اب اس اپریشن میں ہمیں کھل کر
سیکریٹ سروس کے سامنے آنا پڑے گا۔ اس اپریشن سے ہم کروڑوں ڈالر
حاصل کر سکتے ہیں۔“

”میرا نام پیٹر ہے باس! میری صلاحیتوں سے آپ واقف ہی ہیں۔ پیٹر دشمنوں کے سامنے چٹان بن جاتا ہے۔ آپ بار بار اس چٹان کی مضبوطی پر کھچکے ہیں۔ پھر شکایت کیسی؟“ وہ مضبوط آواز میں بولا۔

”تم واقعی ایک چٹان ہو! میں تمہاری صلاحیتوں پر بھرپور سوچ رہا تھا۔ مگر یہ آپریشن ہماری زندگی کے بہت ہی اہم کارنامے میں شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ اس ملک سے کامیاب ہو کر شاید کوئی بھی نہیں لوٹا۔ اور پھر اول لگتا ہے کہ اب اس ملک کے ایجنٹ بھی اس تصویر کو اڑانے کے لئے یہاں پہنچ گئے ہیں۔ اس سچوائش کی وجہ سے ہمارا ان سے بھی ٹکراؤ ہو سکتا ہے اس ملک کے جاسوس ہم سے کسی بھی وقت ٹکرا سکتے ہیں۔ اب میں یہاں سے خالی ہاتھ لوٹنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر باس نے سگار کا ایک طویل کش لیا۔ اور پھر اس نے گاڑھا گاڑھا دھواں کمرے کے روشن ماحول میں اگل دیا۔

”اب میں ڈاکٹر زیدی کو ختم نہیں کروں گا۔ بلکہ تصوری ہی حاصل کروں گا۔ اگر تصوری حاصل نہ کر سکا تب اُسے ختم کر دوں گا۔ کیا تم کچھ خوف محسوس کر رہے ہو پیٹر؟“ اس نے اُسے گھور کر پوچھا۔

”خوف کیسا باس!“ وہ مسکرا دیا۔ ”میں سوچ رہا تھا کہ اس بار بھی میری ملاقات یقیناً شارٹن سے ہوگی۔ اور میں اُسے نیچا دکھاؤں گا۔ پھلے اپریشن میں وہ تجھے کافی زک دے گیا۔ میں اس کی طرف سے دی گئی زک کے نشانات کو بھلا نہیں سکتا ہوں۔

”مجھے یقین ہے کہ تم محض شارٹن کی وجہ سے ہمارے اس اہم اپریشن

کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچاؤ گے۔“ وہ اُسے گھور کر بولا۔ ”اور اب کھسک جاؤ۔ اور میٹنگ حال میں دوسرے ایجنٹوں کو جمع ہونے کا حکم دے دو۔ میں اس اپریشن کے بارے میں بات کرتے ہوئے ممبروں کو ہدایات دوں گا۔

پیٹر کسی رولوٹ کی طرح گھوم گیا اور پھر دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ سفید فام باس کی پیشانی پر بے شمار شکنیں موجود تھیں اور گہرے نیلے رنگ کی آنکھوں کی بے چینی اس کے سخت ذہنی خلفشار کی غمازی کر رہی تھیں۔ وہ کافی مضطرب تھا۔ اس کا چہرہ کسی بلب کی طرح جل اور بجھ رہا تھا۔ اور کبھی بہت ہی دھندلا ہو جاتا تھا۔ اس کے لبوں سے سگار کا کثیف دھواں پھیل رہا تھا۔ جیسے جیسے دھواں پھیل رہا تھا اسی تناسب سے اس کی پیشانی کی شکنوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ سگار ختم کرنے کے بعد وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس نے سگار کو رولٹ سے اس طرح کچلا جیسے پوری سیکرٹ سروس کو کھیل دیا ہو۔ وہ اُٹھ کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے درمیانے ہڈ کے گھٹے ہونے جسم کو حرکت دی۔ وہ گھوما اس کی شخصیت آواز کے علاوہ کافی دلکش تھی۔ پھر وہ دلکش شخصیت دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

نہیں تھا۔ شارٹن کافی جاذب نظر جوان تھا۔ اس کا جسم گٹھا ہوا اور مضبوط تھا۔ وہ آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

”کیئے باس! میرے لئے کیا خدمت ہے؟“

”ڈاکٹر زیدی اور اس کے نائب کو شہر سے باہر لیب میں بھیج دیا گیا ہے۔ اب ہمارے کام کا آغاز ہوتا ہے۔ دراز قد باس نے رگ کرشارٹن کے کلین شیو چہرے کی طرف دیکھا۔ اور پھر کہنے لگا۔

”لیب کے گر جہت زبردست حفاظتی پہرہ ہے؟ پھر اس نے نقشہ اس کے سامنے رکھ کر کہا۔

”پر لو۔ لیب کا نقشہ ہے۔“

شارٹن نقشہ لے کر اسے عور سے دیکھنے لگا۔ کمرے میں کچھ دیر کے لئے سکوت پھیل گیا۔ اس دوران اس نے ڈبے میں سے تمباکو نکالا پائپ میں بھرا۔ پھر اسے سدگانے لگا۔ اسی لمحے نقشے سے نگاہیں ہٹا کر شارٹن باس کی طرف دیکھا۔ وہ نقشے کا تفصیلی جائزہ لے چکا تھا۔

”اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ لیب اور ہالٹنی پوزیشن ملتی ہے؟ وہ باس کو دیکھ کر بولا۔

”بالکل! باس۔ نے پائپ کا کش لگایا اور دھواں اگلنے ہوتے کہا درست کہا تھا تم نے، لیب کے عقب میں ایک دروازہ ہے یہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے ہالٹنی پوزیشن میں جایا جاسکتا ہے۔ اس کا اور کوئی پشت والا دروازہ نہیں ہے۔“

شیطانوں کا ٹولہ ایک زرد بنگلے کے ہال میں جمع تھا۔ کشادہ حال کے وسط میں ایک چھاری سائیز کی میز بڑی تھی۔ اس کے پیچھے جو میز بڑھی تھی اس پر ایک دراز موٹا آدمی براجمان تھا۔ اس کے آگے میز پر ایک نقشہ پڑا تھا جو شہر شازینہ کا تھا۔ وہ اس نقشے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کشادہ حال میں داخل ہونے کا صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ سامنے تھا۔ پیشانی پر سلاٹیں موجود تھیں۔ اس کے موٹے ہونٹوں پر گھنی مونچھیں پھیلی ہوئی تھیں جو اس کی شخصیت کو بارعب بنا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں نیلے رنگ کی تھیں۔ وہ درمیانی عمر کا آدمی تھا۔ اور سفید فام تھا۔ ڈائن اس کا نام تھا۔

اس دراز قد آدمی نے اپنا بھاری بھر کم بازو نقشہ کے اوپر سے اٹھایا۔ اور پینل سے اس پر میز کے قریب آکر وہ موڈ بانہ انداز میں جھککا اور پھر تعظیم ٹھہرے انداز میں کھڑا ہو گیا۔

”آؤ بیٹو شارٹن! میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ اس آدمی نے اس سے کہا۔ اس کی آواز میں سختی تھی۔ اور اس کے جسم کی طرح بوجھل

” تو ظاہر ہے رہائش گاہ میں جانے کے لئے ہمیں لیب سے ہی گزرنا پڑے گا۔“ اس نے بے تابی سے کہا۔

” ایک اور راستہ بھی ہے۔“ وہ اُسے گھور کر بولا۔

” آپ کا مطلب ہے چور دروازہ؟“ شارٹن نے دریافت کیا۔
 ” چور دروازہ نہیں، عام راستہ ہے۔“ بنگلے کے عقب میں دور تک کھیتیں پھیلے ہوئے ہیں۔ کھیتوں سے پرے ایک بستی ہے۔ اُس بستی سے ایک راستہ کھیتوں کی طرف آتا ہے۔ اور راستہ لیب کی پشت تک چلا آتا ہے۔ وہاں لیب کا پچھلا دروازہ اور بنگلے کا مین گیٹ ہے۔“

” ہوں؟“ شارٹن نے ایک طویل سانس کھینچا اور اس کی آنکھوں میں چمکے پھیلتی چلی گئی، باس غور بین نگاہوں سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے ایک گہرا کش لگا کر پائپ کا دھواں اگلا، اس مقام پر آٹھ فوجیوں کا دن رات پہرہ ہوتا ہے۔“

” وہ کوئی بات نہیں سر! میں فوجیوں پر قابو پانا جانتا ہوں۔“
 ” قریب قریب اتنے ہی فوجی لیب کے مین گیٹ پر گارڈز کا کام کرتے ہیں اور سب کے سب اسٹین گنوں سے مسلح ہیں۔ اگر اس مشکل کو خاطر میں نہ لایا جائے تو ایک مصیبت اور ہے۔“

” وہ کیا مصیبت ہے باس؟“

” وہاں یہاں کی سیکرٹ سروس کا ایک ایجنٹ بھی ہر وقت موجود ہوتا

ہے۔ اس کے متعلق ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ کس جگہ ہوتا ہے اور کس جگہ نہیں ہے۔“

کمرے میں چند لمحوں کے لئے سکوت پھیل گیا۔ پھر باس نے کہا۔
 ” اس سیکرٹ ایجنٹ کی وہاں موجودگی اتنی خفیہ ہے کہ ڈاکٹر زیدی اور اس کے نائب کو بھی پتہ نہیں کہ وہ کس روپ میں ہے۔ وہ وہاں لیب میں ہے یا رہائش گاہ میں ہے یا شاید وہ کسی فوجی کے میک اپ میں ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے وہ لیب کے باہر ہی کہیں اپنے شکار پر پھیلنے کے لئے تیار بیٹھا ہو۔ یہ سچا پیش ہمارے لئے بے حد خطرناک ہے۔“

” ہوں! شارٹن نے بے اختیار کہا۔ ” سوچنا پڑے گا باس!“ دوسرے لمحے اس کی آنکھوں میں روشنی کے جھپکے ہونے لگے۔ اور اس کی آنکھوں میں چمک بڑھتی چلی گئی۔

پھر وہ بولا ہمیں سب سے پہلے اس سیکرٹ ایجنٹ کا پتہ لگانا ہوگا۔ درنہ ہمارا کام جان لیوا ہوگا۔

ہمیں اتنا تردد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ دونوں ڈاکٹروں کو قتل کر دیں۔ ہماری راہ میں ایک سیکرٹ ایجنٹ اور فوجی ہیں۔ یہیں ان کے بارے میں کچھ کرنا ہے۔ اور اس رکاوٹ کو ختم کر کے ہی ہم ڈاکٹروں کو قتل کر سکتے ہیں۔
 باس نے بہت غور سے شارٹن کے پرکشش چہرے کی طرف دیکھا۔

”شارٹن! تم اس پلان کی تفصیل نہیں جانتے، ہم اس وقت تک ڈاکٹروں کو قتل نہیں کر سکتے جب تک کہ ہم ان سے تھپوری حاصل نہیں کر لیتے۔ اگر ہم نے انہیں قتل کر دیا تو ہمارا مقصد فنا ہو جائے گا۔ ہمیں تھپوری کی سخت ضرورت ہے۔“

”کیا وہ تھپوری اب مکمل حالت میں ہے؟“ شارٹن نے پوچھا۔
 ”بالکل مکمل حالت میں ہے۔ اب دونوں ڈاکٹر مل کر میڈلین تیار کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے پہلے ہی ہم اگر تھپوری لے اڑیں تو بہت ہی مناسب ہے۔ اگر میڈلین بازار میں آگئیں تو ہمارا یہ آپریشن کامیابی کی بجائے فنا ہو جائے گا۔ اور پاکیشیا پوری دنیا پر فوقیت لے جائے گا۔ اور اس کی برتری دنیا پر مسلم ہو جائے گی۔“

”اس کا مطلب یہ ہے کہ میڈلین کی تیاری میں کچھ وقت لگے گا۔ اور ہم اس دوران میں تھپوری اڑا لیں گے۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ شارٹن پر اعتماد آواز میں بولا۔“

”بہت مشکل کام ہے۔ یہ سب کچھ بڑی ہوشیاری سے اور جان کی بازی لگا کر کرنا پڑے گا۔ پھر باس نے ایک کینٹ سائز کی تصویر میز کے دراز سے نکال کر شارٹن کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔“

”اسے جانتے ہو؟“

”یہی تو ڈاکٹر زیدی ہے۔“ وہ جلدی سے بولا۔
 ”بس تو پھر جاؤ، اب تم اپنے مشن پر روانہ ہو جاؤ۔ تمہارا مشن تھپوری

کو ہر حال میں حاصل کرنا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میک اپ میں جاؤ۔“ بہت بہتر باس! اس نے ناگواری سے کہا۔ کیونکہ میک اپ کرنا اس کے لئے ایک دشوار گزار مرحلہ تھا جسے وہ سخت ناپسند کرتا تھا، مگر وہ اپنے چیف کا حکم بھی نہ ٹال سکتا تھا۔ اس لئے وہ صرف ناگواری سے بڑا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

”اب تمہارا جانا ہی بہتر ہے۔“ باس نے سختی سے کہا۔

شارٹن نے کچھ کہے بغیر خاموشی سے ہیٹ کو سر پر جھپٹا۔ اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دروازے سے باہر نکلتا چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی سفید فام نے اپنے بھاری مہر کم وجود سے کرسی کو آزاد کر دیا۔ وہ طویل قد شخص تھا۔ چھ فٹ سے زیادہ ہی قامت تھی اس کی۔

وہ چلتا ہوا ایک گوشے میں آگیا۔ وہاں ایک چھوٹی سی میز پر ایک سیاہ رنگ کا سگریٹ کیس پڑا تھا۔ باس نے اس کو اٹھایا۔ وہ ایک جدید قسم کا بہت ہی طاقتور ٹرانسمیٹر تھا۔ اس نے ایک بٹن دبایا۔ کوئل کی کوک پیدا ہوئی۔ اور سگریٹ کیس میں سے ایک تار ابھر آئی۔ وہ ایرل کی طرح تھی۔ پھر اس میں ایک چھوٹا سا خانہ بھی پیدا ہو گیا۔ اس میں چند بٹن اور ایک چھوٹا سا ڈائل نصب تھا۔

سفید فام باس نے بٹن دبا کر فریکوئنسی سیٹ کی کوئل کوک رہی تھی۔ دوسرے لمحے کوئل کی آواز بند ہو گئی۔ اور ایک بوجھل مردانہ آواز ابھری۔

باس نے منہ خانے کے ساتھ لگا دیا۔

”پھر وہ کچھ ہدایت دینا چلا گیا۔ اس

کے بعد اس نے کہا۔

”اور اینڈ آل۔“ اس کے ساتھ اس نے سگریٹ کیس ٹرانسمیٹر
آف کر دیا۔

صبح کا سورج ابھر کر اونچا ہوتا جا رہا تھا۔ دھوپ میں خاصی نمازت
تھقی۔ ٹیلے کے پیچھے ایک آدمی چھپا ہوا تھا۔ اور دیک کر بیٹھا تھا۔ اس
نے موٹے کپڑے کا ایک چپت لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ وہ چونکتی
نظروں سے گشت کرتے ہوئے فوجیوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ تعداد میں
سات آٹھ کے قریب تھے۔ اور سب ہی مسلح تھے۔ ٹیلے کے پیچھے
چھپا ہوا آدمی مقامی باشندہ تھا۔ وہ شکل و صورت سے ایک غنڈہ
دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے کلائی گھڑی سے بے چینی سے وقت
دیکھا۔ پھر وہ مضطرب نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر وہ فوراً
ہی بے تابی کے عالم میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے چھلانگ لگائی اور ٹیلے کی اوٹ سے باہر نکل آیا۔ دوسرے
لحے فوجی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مگر اس نے ان کی پرواہ نہ کر کے
ایک لمبی جست لگائی اور نہایت تیزی سے ڈاکٹر جمشید کی لاٹری
کی طرف بھاگا۔

”ہالٹ!“ فوجیوں کی کمرخت آواز کی گونج نے اس کا پیچھا کیا۔ مگر

اس کے قدم نہ رکے اور وہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہ لیب کے ساتھ ساتھ بھاگ رہا تھا۔ فوجی اُسے رکتا نہ دیکھ کر اس کے پیچھے بھاگے۔

اس آدمی کے قدموں میں جیسے کرنٹ تھا۔ وہ نہایت تیز رفتاری سے بھاگ رہا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا لیب کے ساتھ گھوم گیا۔ اُسے اس طرح گھومتے دیکھ کر فوجی بھی گھوم گئے۔ چند لمحوں کے بعد ایک اور شخص ٹیلے کے پیچھے سے نکلا۔ اس نے چونکنا نظروں سے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ پھر میدان صاف دیکھ کر تیزی سے لیب کے عقبی دروازے کی طرف قدم اٹھانے لگا۔

قریب آکر اس کا رخ پشتی دروازے کی بجائے رہائش گاہ کے صدر دروازے کی طرف ہو گیا۔ اس پوزیشن کی دیوار بارہ فٹ اونچی تھی۔ اور گیٹ لاک تھا۔ وہ آدمی چند لمحوں کے لئے گیٹ کے قریب ہی رکا۔ اس کے قفل کو ٹٹول رہے تھے۔ جانے اس کے ہاتھوں میں جادو تھا کہ کچھ لمحات کے بعد قفل کھل گیا۔ اس نے بڑے مستعد انداز میں ادھر ادھر دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں گہرا تجسس تھا۔ دور دور تک اب خاموشی تھی۔ اس کے ہونٹوں سے بے اختیار سیٹی کی سی آواز سنی۔ دوسرے لمحے وہ اندر داخل ہوتا چلا گیا۔

اسی وقت ایک درخت کی اوٹ سے صفدر باہر نکل آیا۔ اس نے تیز تیز قدم اٹھائے اور گیٹ کے قریب آگیا۔ اس شخص کی معمولی

سی جھٹک اس نے پورچ میں دیکھی تھی۔ پھر وہ اس کی نظروں سے غائب ہو گیا تھا۔ صفدر نے چند لمحے سوچا۔ پھر وہ اندر داخل ہوتا چلا گیا۔

ڈاکٹر افتخار زیدی اور اس کا نائب اسرار زیدی لیب میں موجود تھے۔ اس لئے رہائشی پوزیشن میں نوکر ہی موجود تھے۔ مگر سکوت ظاہر کر رہا تھا کہ زیدی کے دو تین نوکر بھی شاید اندر موجود نہیں ہیں۔ پورچ کے قریب ہی وہ دروازہ تھا جس سے بنگلے میں داخل ہوتے تھے۔

چند لمحوں کے لئے صفدر نے سوچا اور مٹی خیز انداز میں بڑھتا چلا گیا۔ وہ اپنی جائزہ لیتی نگاہوں کو ادھر ادھر گھما رہا تھا۔ پھر وہ گیلری میں آگیا۔ یعنی ہوسٹری سے اس نے بھاری ریوالور نکالا اور ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ لیا۔ وہ سائینسر لگا ریوالور تھا۔ گیلری میں دو لون سمت میں کمرے بنے ہوئے تھے۔ اسی وقت گیلری کے گوشے پر دروں کی چاپ بھرتے لگی۔

صفدر حیرت انگیز بھرتی سے اچھلا دوسرے لمحے وہ ایک ستون کی اوٹ میں ہوتا چلا گیا۔ قدموں کی آواز ابھرنے کے بعد معدوم ہو گئی۔ مگر صفدر نے اس آہٹ سے اندازہ لگا لیا تھا کہ قدم کس طرف گئے ہیں۔ اس بنگلے کو صفدر نے وہاں پہنچتا چھی طرح دیکھ لیا تھا۔ اور سب کچھ اپنے دماغ میں محفوظ کر لیا تھا۔ صفدر ستون کی آڑ سے نکلا اور دبے پاؤں کچھ دور تک چلا۔ پھر وہ رُک گیا۔ دوسری طرف ایک چھوٹی سی گیلری نکل رہی تھی۔ صفدر اس طرف ہویا۔ وہ محتاط قدم اٹھا رہا تھا

اس کے قدموں سے ذرا سی بھی آہٹ نہ پیدا ہو رہی تھی۔ اس گیلری کے اختتام پر ایک اور گیلری تھی۔ صفدر اس طرف بڑھ گیا۔ اس نے چند قدم اٹھائے اور ٹوک گیا۔ اس کی نظروں کے سامنے وہ کمرہ تھا جو ڈاکٹر زیدی کی خواب گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس نے دور سے اندازہ لگایا کہ خواب گاہ کا دروازہ لاک نہیں ہے۔ ریوالور کے ٹریگر پر صفدر کی انگلی پھسلنے لگی۔ تڑپنے لگی۔ اور ٹریگر دبانے کے لئے بے چین ہونے لگی۔ پھر وہ دبے قدموں آگے بڑھتا چلا گیا۔

دروازے کے پٹ پر آہستگی سے ہاتھ رکھ دیا۔ آواز پیدا کئے بغیر دروازے کے پٹ کھتے چلے گئے۔ وہ الماری کے قریب کھڑا تھا۔ اندر جھانکتے ہی صفدر نے اس کی پشت دیکھ لی۔ الماری میں وہ اجنبی کچھ تلاش کر رہا تھا۔ وہ اس قدر اس تلاش میں مصروف و محو تھا کہ اسے صفدر کے اندر آنے کا شائبہ تک نہ ہوا۔ وہ تو اس وقت چونکا جب صفدر نے ریوالور کی نال اس کی پسلیوں سے لگا کر تھوڑی سی دبائی۔ "ہینڈل اپ مسٹر تم اپنا کام ختم کر چکے؟" صفدر کی سرد اور موت کی طرح بھیانک آواز کمرے کے سکوت کو درہم برہم کر کے گونجی۔ اجنبی اس طرح اچھلا۔ جیسے اس کے قدموں میں لم کا خوفناک دھماکہ ہو گیا ہو۔ مگر فوراً ہی سنبھل کر اس نے صفدر کے ریوالور والے ہاتھ پر ہاتھ ڈال دیا۔ اجنبی نے بے حد جرات اور دلیری کا مظاہرہ کیا تھا۔ صفدر

کو اس کی ذرا سی بھی امید نہ تھی۔ ریوالور صفدر کے ہاتھ سے نکل کر اڑتا چلا گیا۔ مگر صفدر نے فوراً ایک زوردار گھونسہ اس کے جبرے پر نہ جایا۔ صفدر سیکرٹ سرس کا سپر ایجنٹ تھا۔ اس میں بلا کی پھرتی تھی۔ گھونسہ کھا کر وہ الماری سے ٹکرایا۔

وہ بھی بلا کا پھر تیلہ تھا۔ اس نے ریوالور نکال کر گولی چلائی۔ اور گولی دیوار کا پلستر اکھارتی ہوئی اندر جا گھسی۔ دھماکے کی آواز سے گونج کمرہ گیا۔ اجنبی کا ریوالور سائینسر سے بے نیاز تھا۔ اس لئے دھماکہ ہوا تھا۔

دوسری گولی چلانے کی صفدر نے اسے مہلت نہ دی۔ اس نے اس کی کلائی کو پکڑ کر ایک زبردست جھٹکا دیا۔ ری ایکشن میں ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرنا چلا گیا۔ دوسرے لمحے صفدر کی زبردست لالت اس کے کولے پر پڑی۔ ایک ہلکی سی کراہ اس کے ہونٹوں سے خارج ہوئی۔ اور وہ سامنے پڑی میز سے ایک چٹان کی طرح ٹکرایا۔ صفدر فوراً پستول کی طرف چھپٹا۔

فوراً اسی وقت اس شخص نے اپنی ٹانگ کو حرکت دی۔ ٹانگ کھاتے ہی صفدر موندھے منہ فرش پر آ رہا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے صفدر پر چھلانگ لگائی۔

صفدر زخمی پیٹے کی طرح غرایا اور کروٹ بدل کر دوڑ ہو گیا۔ وہ شخص صفدر کے قریب فرش پر گر آیا۔ یہ صفدر کی بد قسمتی تھی کہ وہ پستول

کے بالکل قریب گرا تھا۔ اس نے ریوالور پر ہاتھ چپکایا۔ لیکن صفدر اسی اشارہ میں اپنے قدموں پر کھڑا ہو چکا تھا۔
اس نے اپنے پاؤں کی ایک زوردار ٹھوکر اس آدمی کی پسلیوں پر جمائی۔ وہ کراہ کر رہ گیا۔ دوسری ٹھوکر صفدر نے اسے ذرا بھی سہلے کاموقع نہ دیا۔ اور اس پر گھونسوں کی بارش کر دی۔ اس لمحے کمرے میں ایک آواز خارج ہوئی۔
”یہ کیا ہنگامہ ہے؟“

صفدر چوڑکا اور بے اختیار اس کی نگاہیں دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ وہاں مستند ہو کر ڈاکٹر زیدی کا نائب اسرار زیدی ہاتھ میں مضبوطی سے ریوالور تھا جسے کھڑا تھا۔ اور کھا جانے والی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے صفدر نے نائب کی طرف دیکھا۔ اس ایک لمحے سے اس آدمی نے فائدہ اٹھایا اور صفدر کو اس نے اپنے اوپر سے اچھال دیا۔

حیرت انگیز بھرتی اور برق رفتاری سے وہ کھڑکی کی طرف اچھلا اور بجلی کی سی تیزی سے کوارٹر کھول کر باہر کودنا چلا گیا۔
صفدر اس کے تعاقب میں بھاگا۔ مگر اسی لمحے نائب اس کے پیچھے لپکا۔ قبل اس کے کہ صفدر کھڑکی کے قریب پہنچتا۔ نائب نے اس کی ٹانگ پکڑ کر اسے اپنی طرف گھسیٹ لیا۔ صفدر اوندھے منہ نیچے آ رہا۔ وہ جھنجھلا گیا پھر وہ ایک دم اٹھ کر نائب کی طرف گھوما۔ اس

کے سامنے نائب ریوالور تانے کھڑا تھا اور اسے تہ آلود نگاہوں سے گھور رہا تھا۔
”خبردار!“ دفعتاً اس کی سخت آواز گونجی۔ ”بھاگنے کی کوشش بیکار ہوگی۔ تمہارا سینہ گولیوں سے چھلنی کر دوں گا۔ بھاگنے والا کون تھا؟“
”اب وہ یہاں آئے گا تو پوچھ لوں گا۔ اس کی آواز میں طنز اور زہریلا پن تھا۔

”نم کون ہو؟“ اس نے غصے بھری آواز میں کڑک کر پوچھا۔
صفدر نے ایک طویل سانس کھینچی اور فوراً شناختی شکار ڈنگل کر اس کے حوالے کر دیا۔ اس نے غور سے شناختی کارڈ کو دیکھا۔ پھر وہ چونک پڑا۔ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔
”سیکڑے سروں!“ اس نے صفدر کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”ادہ مگر وہ کون تھا؟“

”میں کیا جانوں؟“ اس نے کندھے اچکاتے۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو پرسکون کر سکا۔ پھر وہ اسے بغور دیکھ کر بولا۔
”ڈاکٹر صاحب! محض آپ کی مداخلت کی وجہ سے وہ فرار ہو گیا۔ اور ایک شکار ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ اگر وہ ہمارے ہاتھ آجاتا تو ہم بہت کچھ معلوم کر سکتے تھے۔“

نائب کا مٹھنہ کی وجہ سے چہرہ مہر خ ہو گیا۔
”بہت ہی افسوس ہے آفسر! میں یہ نہیں جان سکا کہ آپ کا تعاقب

سیکڑٹ سروں سے ہے، ہمیں لا علم رکھا گیا ہے۔ دھماکے کی آواز مجھے اس طرف لے آئی تھی۔“

”چھوڑ بیٹے اب انسوؤں و منسوؤں؟ وہ تو نکل گیا۔“ صفدر نے بے صبری سے ہاتھ اٹاکر کے کہا۔ اور پھر فرش پر سے لپٹ کر اٹھا کر بغلی ہوسٹر میں رکھ دیا۔

”کیا اس الماری میں کوئی ایسی چیز تھی جو آپ کے لئے بہت ہی اہم ہو، صفدر نائب کو بغور دیکھ کر بولا۔ نائب زور سے چونکا۔ اس کے چہرے پر حیرت پھیل گئی اب وہ سمجھا کہ وہ جو بھاگا ہے اس نے الماری کو کھولا تھا۔

”میں سمجھ گیا۔“ وہ ایک گہرا سانس کر بولا۔ ”وہ الماری کی تلاشی لے کر گیا ہے مگر الماری میں کوئی اہم چیز نہ تھی۔ جس سے وہ اجنبی فائدہ اٹھا سکے۔

”آپ ادھر آئیے اور الماری کو دیکھ لیجئے۔“ صفدر اس سے مخاطب ہوا۔ ممکن ہے وہ کوئی چیز لے ہی نہ اڑا ہو۔“

اسرار زیدی کے قدم الماری کی طرف اٹھتے ہی چلے گئے۔ پھر وہ الماری کے سامنے کھڑا۔ الماری کی چیزوں کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس کے چہرے پر اطمینان کے تاثرات پھیلنے چلے گئے۔

”نہیں۔ وہ کچھ نہیں لے گیا۔ سب کچھ اپنی جگہ موجود ہے۔“ نائب نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔

معلوم ہوتا ہے، ڈاکٹر افتخار صاحب یہاں سوتے ہیں؟ صفدر کمرے کا اچھی طرح جائزہ لے رہا تھا۔

”بالکل!“ نائب المجھ کر بولا۔ ”مگر بات کیا ہے۔“

”ایسی کوئی بات نہیں؟“ صفدر دھیمی آوازیں بولا۔ ”میں حیران ہوں وہ اجنبی دن میں کیوں آیا۔ حالانکہ رات کو..... مگر جیسے اسے فوراً ہی کچھ یاد آگیا ہو۔ وہ چونکتے ہوئے بولا۔ ڈاکٹر صاحب تمہارے نوکر آج چھٹی پر ہیں؟“

”ڈاکٹر زیدی صاحب نے انہیں چھٹی دے دی تھی۔“ نائب نے اسے بتایا۔

صفدر کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی اور وہ سمجھ گیا کہ بدعاش کو معلوم تھا کہ نوکر چھٹی پر ہیں۔ اس لئے وہ دن میں اپنے آپریشن کے لئے آوارہ ہوا تھا۔ اس کا مطلب ہے بدعاش بہت چالاک اور مستعد تھے۔ ان کی انٹیلی جنس بھی بہت مضبوط تھی جس نے نوکر کی چھٹی کے بارے میں پتہ چلا لیا تھا۔ اور وہ بدعاش تو بہت ہی چالاک سے یہاں داخل ہوا تھا۔ محض اس وجہ سے بچ گیا۔ کہ نائب بیچ میں آکر داتا تھا۔ وہ لوگ بے حد ذہین تھے اور ذہانت استعمال کر رہے تھے۔ ایک شخص نے فوجیوں کو اپنے پیچھے بھگایا۔ جب فوجی اس کے پیچھے بھاگتے چلے گئے تب وہ خود موقع پا کر یہاں آگیا۔ کتنا شاندار پلان تھا صفدر دل ہی دل میں تعریف کرنے لگا۔

وہ چلتے ہوئے دروازے تک آگئے۔
 "کوئی خطرے والی بات تو نہیں ہے آنیسر؟" نائب نے صفر سے دریافت کیا۔

"بے فکر رہیے اور آرام سے اپنا کام کیجئے۔ ہم ایسے غنڈے بد معاشوں سے پنشنا خوب جانتے ہیں۔"

"نائب نے کوئی جواب نہ دیا۔ مگر اس کے چہرے پر الجھن پھیلی چلی گئی۔ دوسرے لمحے وہ کچھ خوف زدہ اور سہما سہما سا نظر آنے لگا۔ صفر نے اسے غور سے دیکھا۔ اور اسے پوری تسلی دی جب نائب لیبارٹری میں چلا گیا۔ تو پھر صفر کے تیز تیز قدم آگے بڑھتے چلے گئے۔ لیب کے پشتی دروازے پر نگرانی کرنے والے فوجی موجود نہ تھے اس سچوئیش سے صفر کا مٹہ بن گیا۔ اور اس کے ہونٹ سختی سے بیٹھنے لگے۔ وہ جانتا تھا کہ اگر فوجی اپنی جگہ موجود ہوتے تو وہ اجنبی کھرکی سے کود کر فرار نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ کھرکی فوجیوں کی نگاہوں میں تھی۔

دل ہی دل میں کھولتا ہوا صفر مین گیٹ پر آگیا۔ تو اسے سارے فوجی جوان نظر آگئے۔ ان کے پیچ میں فرار ہونے والا آدمی گھبرا گھبرا یا اور خوف زدہ کھڑا تھا۔ یہ وہی آدمی تھا۔ جو فوجیوں کو اپنے پیچھے جھکا کر لے گیا تھا۔ صفر اسے اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ ایک مقامی بد معاش تھا۔ صفر اس سے کچھ پوچھنے کی بجائے ایک طرف آگیا۔

پھر اس نے واپس ٹرانسمیٹر کا ونڈا باہر کی طرف کھینچا۔ اور عمران سے رابطہ قائم کیا۔

"ہیلو عمران صاحب! صفر کا رنگ لیو۔"

"عمران اٹینڈنگ۔ اور!"

"ایک مقامی غنڈہ ہاتھ لگا ہے ایک بھاگ گیا صفر نے کہا۔"

"جو غنڈہ تمہارے ہاتھ لگا ہے۔ اسے لے کر فوراً دانش منزل پہنچ جاؤ۔"

"بہت بہتر عمران صاحب!"

"اور اینڈ آل!" عمران نے کہا۔ پھر فوراً ہی رابطہ ختم ہو گیا۔ اور

اور صفر نے یٹن انڈر کو دبا کر ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔

پھر صفر غنڈے کی طرف آیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھ دیئے گئے۔ پھر وہ اسے کار میں ڈال کر باہر نکلی آیا۔ اور اس نے رفتار تیز کر دی۔ پھر اس کی کار دانش منزل کی طرف جانے والی سڑک پر اڑتی چلی گئی۔

رہائشی پورشن ہے میں دیکھ رہا تھا کہ اچانک ہی ایک آدمی بھاگتا ہوا
لیب کی طرف آیا۔ فوجی اس کے پیچھے پیچھے بھاگے اور دُور چلے گئے۔
پھر ایک آدمی تیزی سے آیا اور اندر چلا گیا۔

”ہوں! اس کے بعد کیا ہوا؟“

”تقریباً بیس منٹ کے بعد وہ آدمی بھاگتا ہوا بنگلے سے باہر نکلا
اور ایک سیاہ مزڈا میں بیٹھ کر جانے کو دھڑک چلا گیا۔ میں نے اس کا تعاقب
کیا۔ مگر وہ تیز رفتاری سے نکل گیا تھا۔ میں اس وقت لیب کے سامنے
ہوں۔ اب میرے لئے کیا حکم ہے۔“

”ویری گڈ مارٹن!“ باس خوشی سے چہک کر بولا۔ تمہاری کارکردگی
اچھی ہے۔ امید ہے تمہیں جلد ہی کوئی نمایاں اور امتیازی مقام مل
جائے گا۔

”مقینکس سر!“ پھر ایک دم اس کی چونکتی ہوئی آواز باس کو
سنائی دی۔ ”اوہ باس!“ کالی مزڈا پھر واپس آگئی۔ میں دیکھ رہا ہوں
وہی آدمی گاڑی سے نیچے اتر رہا تھا۔ غالباً اس نے کوئی چیز زمین
سے اٹھائی ہے اور اسے جیب میں رکھ لیا ہے۔ شاید وہ اس کی
شناختی چیز تھی جس سے وہ پکڑا جاسکتا تھا۔ وہ اطمینان سے
اسٹریٹنگ میٹ پر بیٹھ گیا ہے۔ میں اس کے تعاقب میں جا رہا ہوں۔“
اس نے فوراً رابطہ ختم کر دیا۔

باس پھر بے چینی سے کمرے میں ٹپکنے لگا۔ تقریباً پندرہ منٹ

”دفعاً کمرے میں شیر کی دھاڑ سنائی دی۔ اور سفید نام موڑنے کے
قالبین کو روندتے ہوئے قدم رُک گئے۔ وہ کمرہ جدید طرز پر آراستہ
تھا۔ جس میں سفید نام ٹہل رہا تھا۔ اس کا چہل قدمی کا انداز بے چین
اور مضطرب تھا۔

سامنے مشینوں پر رکھے سینر کے جھمکے سے دھاڑ کی آواز خارج

ہوتی۔

”باس مارٹن کالنگ اور!“

”باس اینڈنگ!“ رپورٹ دو! اور!“ بالکل سپاٹ لہجے
میں کہا گیا۔ جیسے کتا غرایا ہو۔

”کچھ دیر پہلے ایک شخص بنگلے میں داخل ہوا تھا۔ اس کے تعاقب
میں میرا اندازہ ہے پاکیشیا کی سیکرٹ سروس کا نمائندہ تھا۔

”تفصیل سے بتاؤ۔ کتنا سختی سے جھوڑا۔“

”میری نگرانی میں بنگلہ تھا۔ پہلے پورشن میں لیب ہے۔ دوسرا

کے بعد شیر کی دھاڑ کی آواز کمرے میں گونجی۔ باس لپک کر ادھر آ گیا اور بٹن دبایا جب راڈ پشانی پر ہاتھ لگا کر دیکھا۔ تب اسے آواز سنائی دی۔
”باس! مارٹن کانگ اور!“

”باس! اینڈنگ اور!“

”باس میں نے اس شخص کا تعاقب کیا۔ اور وہ شخص مختلف سڑکوں سے ہوتا ہوا ایک بنگلے میں جا کر غائب ہو گیا۔ اب میں اس بنگلے کے سامنے موجود ہوں۔“

”دیری ناس!“ باس بہت زیادہ خوش ہو گیا۔ ”تم نے بہت ہی شاندار کام سر انجام دیا ہے۔۔۔ رٹن اس شخص کا حلیہ بتاؤ۔“
اس نے باس کو اس کا حلیہ بتایا۔ مگر اس کے پہلے کچھ نہ پڑا۔ وہ اس شخص کے متعلق نہ جان سکا۔ پھر اس نے کہا۔

”مارٹن! تم وہیں موجود ہو۔ میں پیٹر کو بھیج رہا ہوں۔ تم اپنے سگریٹ لائٹ ٹرانسمیٹر پر یہی فریکوئنسی بہنے دو۔ اور ٹرانسمیٹر کو کھلا رہنے دو۔ اس کی وجہ سے پیٹر خود بخود تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔ اور جب پیٹر تمہارے پاس آجائے تو تم فوراً لیب کی طرف جا کر اپنی نگرانی کی جگہ سنبھال لینا۔“
”بہت بہتر باس!“ اس نے مودبانہ انداز میں کہا۔

”موٹے سفید نام نے کہا۔“

”اور در اینڈ آل!“

اس نے شیر کی گردن پر لگا بٹن دبایا اور راڈ شیر کی پشانی میں چلی گئی۔

اور رابطہ قائم ہو گیا۔ دیکھنے والا یہی سمجھتا کہ یہ شیر کا خوبصورت محض ڈیکوریشن پیس ہے۔ مگر وہ ایک زبردست طاقت والا جدید ساخت کا ٹرانسمیٹر تھا۔ جس کی کارکردگی ایک وسیع عمل تھا۔

باس کے قدم میز کے قریب آ کر رُک گئے۔ میز کے پاس کے ساتھ لگے ہوئے بٹن کو اس نے پیش کیا اور دُور کہیں گھنٹی بجتی چلی گئی۔

چند لمحوں کے بعد ایک آدمی دروازے میں نمودار ہوا۔ اور باس کی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اور قریب پہنچ کر رُک گیا۔ مودبانہ انداز میں اس نے سر جھکا لیا۔ اسی لمحے باس کی بھونچتی ہوئی آواز کمرے میں گونج گئی۔

”پیٹر کو میرے پاس بھیج دو۔“

”وہ آدمی مودبانہ انداز میں گھوما اور اس طرح سر جھکاتے دروازے سے باہر نکلتا چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پیٹر اندر داخل ہوا۔ باس اُسے دیکھ کر گھوما۔

”آپ نے مجھے بلایا ہے باس!“ وہ باس کو استفہامیہ نظروں سے دیکھ کر بولا۔

”بے شک بلایا ہے!“ باس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”مارٹن نے رپورٹ دی ہے کہ لیب کی نگرانی کرتے ہوئے اس نے ایک شخص کو بنگلے میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔“

”کوئی بنگلے میں داخل ہوا ہے؟“ پیٹر بے ساختہ بولا۔ وہ بہت حیران

تھا۔

”بالکل، مارٹن کی رپورٹ یہی ہے۔ مارٹن نے بتایا ہے کہ سکرٹ سروس کے نمائندے کی بروقت مداخلت کی وجہ سے اُسے بھاگنے پر مجبور ہونا پڑا۔ مارٹن نے اس کا تناقب کیا اور اب وہ اس ہنگامے کے سامنے موجود ہے جس میں وہ دشمن داخل ہوا ہے۔“

”ہوں!“ پیٹر نے دانت پر دانت جھلکے۔ ”تو ہنگامہ شروع ہو چکا ہے۔“

باس نے اُسے بغور دیکھا۔

”ہاں! یوں لگتا ہے کہ وہ ڈائن کا آدمی ہے۔“

”ہوں۔“ پیٹر نے کہا۔ ”میں سوچ رہا ہوں کہ ڈائن کا آدمی شاید لیب سے کامیاب لوٹا ہو۔“

”ہو سکتا ہے۔“ باس سنجیدگی سے بولا۔

”اگر تھیوری نہ ملے گی تو ہم ڈاکٹر استخار زیدی کو اغوا کر لیں گے شاید ڈائن کے آدمی ہی اس منصوبے پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔“

”غور سے سنو پیٹر! یہ آخری حربہ ہو گا۔ یہ ضروری نہیں باس کہ ڈاکٹر اغوا ہو کر جس ملک پر، ہمارے اس کے لئے کام کرے۔ وہ انکار کر کے موت کی آغوش میں بھی جاسکتا ہے۔ اس لئے ہر ملک کی ہی کوشش ہے کہ وہ کسی طرح تھیوری حاصل کر کے غائب ہو جائیں۔“

”ہوں ٹھیک ہی ہے باس! وہ الجھن بھری آواز میں بولا۔ ”میں حیران ہوں ڈائن کا آدمی دن کے وقت کیوں ہنگامے میں داخل ہوا۔ کیا اتنا ہی

طاقت ور اور بے خوف ہو گیا ہے ڈائن۔“

باس مسکرایا۔ پھر اس نے مارٹن کو مکمل رپورٹ سنائی کہ کس طرح دوسرے آدمی نے بھاگ کر اُسے اندر داخل ہونے کا موقع فراہم کیا تھا۔

”سگر اس طرح تو ان کا بھاگنے والا آدمی فوجیوں کے قبضے میں ہو گا۔ پیٹر حیرت سے بولا۔“

”یوں لگتا ہے تم نے پھر شراب چڑھالی۔“ باس نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔ وہ بوکھلا گیا۔

”نن... نہیں سر!“

”پھر تم اتنی سی بات نہیں سمجھتے؟“

”کیسی بات، باس؟“

”یہ تو ایک معمولی بات ہے کہ ڈائن نے کسی مقامی غنڈے کی خدمات اس مقصد کے لئے خریدی ہوں گی۔ پکڑے جانے پر بھی وہ ان کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔“

پیٹر نے اس طرح سانس لیا جیسے غدارے میں سے ہوا خارج ہوئی ہو۔

”مارٹن نے اس شخص کا حلیہ بتایا تھا سر؟“

”یہ تم کیا احمقوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔“ حلیے کا کیا فائدہ وہ یقیناً میک اپ میں ہو گا۔“ باس نے اُسے سخت نظروں سے گھور کر کہا۔

پیٹر نے پریشان ہو کر پیشانی پر ہاتھ مارا۔ ”یہ آج میری عقل کو کیا ہو گیا۔“

پھر وہ الجھن بھرے انداز میں سر کھانے لگا۔

”شراب نے تیری صلاحیتوں کو زنگ آلود کرنا شروع کر دیا ہے۔“
باس اسے گھور کر بولا۔

”میں اب شراب نہیں پیتا سیر“ وہ مثرم سے سرخ ہو کر بولا۔ پھر وہ
کچھ سوچ کر کہنے لگا۔

”یوں لگتا ہے ڈاين درست نہیں لگتا۔ ورنہ وہ یوں سیکرٹ ہروس
والوں کی نظروں میں آنے کی کوشش نہ کرتا۔ مگر باس! مارٹن کو کیسے معلوم
ہوا کہ اس کے پیچھے سیکرٹ ہروس کا نمائندہ ہی لگا۔“

”تمہاری طرح وہ شراب میں غرق نہیں رہتا۔“ باس غزایا۔ ”اس میں
آہنی شعل موجود ہے کہ اندازے لگا سکے۔ سفید خام کا لہجہ بہت ہی
خشک اور سخت تھا۔“ ”مقام وقت ضائع نہ کرو۔ فوراً چل دو اگر وہ بنگلہ
حقیقت میں ڈاين کا ہے تو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف خاموش
رہ کر اس کی نگرانی کرتے رہنا۔“

”مارٹن کیا کرے گا باس۔“

”تمہارے پہنچنے کے بعد وہ پھر لیب چلا جائے گا۔ باس نے کسی
سانپ کی طرح چھٹکار کر کہا۔ اور پیڑنے وہاں سے فرار ہونے میں ہی
عافیت سمجھی۔ وہ تیزی سے گھوما اور دروازے کی سمت قدم اٹھائے
باس کی سخت آواز گونجی۔ وہ باس کی طرف گھوما۔

”سگریٹ لائٹر کی فریکوئنسی مارٹن کی فریکوئنسی سے سیٹ کر لو۔“

ٹرانسمیٹر کے اشاروں کے ذریعے تم مارٹن کے پاس پہنچ جاؤ۔
”بہت بہتر باس!“ پھر ڈرنے ڈرتے بولا۔ ”لیب جا کر مارٹن کہیں سیکرٹ
سروں کی نظروں میں نہ آجائے۔“

”یہ تمہارا سرور ذہنیں۔ میں بہتر سمجھتا ہوں!“ باس کی بہت غصیلی آواز
ابھری۔

”اب تم نکل جاؤ۔“ پیڑ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر باس کو گیارہ سوواٹ کرن
میں دیکھ کر خاموش رہتا ہی بہتر سمجھا۔ اور تیزی سے گھوم کر دروازے
سے باہر نکلتا چلا گیا۔

”اجنٹی بے وقوف۔“

سفید نام باس نے بڑبڑا ہٹ بھری آواز میں کہا۔ ”میری نظروں سے
اپنے مقام کو کچھ زیادہ بلند سمجھنے لگا ہے۔“ وہ پھر بے چینی سے
کمرے میں ٹپکنے لگا۔ اور اس کے قدیم دبیز قالین کو روندنے لگا۔ اس
کے چہرے پر کئی رنگ ابھارے تھے۔ جو اس بات کی غمازی کر رہے
تھے کہ وہ پریشانیوں میں ڈوبا ہوا اپریشن کلین اپ کرنے کے بارے میں

سوچ رہا ہے۔

”فقتاً“ عمران کی کھائی کو ایک جھٹکا لگا۔ وہ چونکا۔ پھر اسے وای
ٹرانسمیٹر کی مخصوص آواز سنائی دی۔ وہ اس آواز کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔
اس نے اپنی ٹو سیٹر آگے بڑھائی۔ پھر اس نے اسے ایک یوٹرن دیا۔ اور
واپس ہو گیا۔ وہ مخصوص زپ زپ کی آواز تیز ہونے لگی عمران سمجھ گیا

کہ اُسے اب کسی کا تعاقب کرنا ہے۔ کیونکہ واپچ ٹرانسمیٹر اس قسم کا اشارہ تعاقب کے لئے دیتا تھا۔ اور تعاقب کے وقت اس پوزیشن کو سمجھنے میں آسانی ہوتی تھی کہ آگے جانے والا کھرہا ہے۔ اس کا رخ کس سمت میں ہے۔ عمران کا واپچ ٹرانسمیٹر بے شک بہت زیادہ طاقت ور تھا۔

لیکن اس وقت اس کی خوش قسمتی میں کوئی شبہ نہ تھا کہ اس کے واپچ ٹرانسمیٹر نے کسی ٹرانسمیٹر کے اشارے کو کیج کر کے خود اشارہ دینا شروع کر دیا تھا۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ اُسے اس قسم کا اشارہ مل رہا تھا۔ زپ کی آواز تیز ہو رہی تھی۔

ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ کو تھامے عمران نے دوسرا ہاتھ جیب میں ڈالا اور چیونٹیم کا پکیٹ نکال لیا۔ پھر ایک چیونٹیم کو ٹمہ میں ڈال کر جلدی جلدی چبانے لگا۔ پکیٹ پھر اس کی جیب میں پہنچ گیا۔ وہ چیونٹیم کچتا جا رہا تھا۔ اور اشاروں کی زبان سمجھ کر گاڑی کو بھگانے کے لئے جا رہا تھا۔

عمران نے اس شخص کے بارے میں سوچا۔ جس نے ہنگامے میں داخل ہو کر امدادی کے کاغذات چیک کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ صرف کرائے کا گھوڑا ہو گا۔ اُسے روپیہ دے کر استعمال کیا گیا تھا۔

اشارے اب صاف ہو گئے تھے۔ زپ کی آواز تیز ہوتی جا رہی تھی عمران سمجھ گیا کہ اب ہنگامہ شروع ہو چکا ہے۔ عمران نے صفر

اس آدمی کو دالٹس منزل پہنچانے کے لئے کہا تھا۔ اور وہ خود بھی دالٹس منزل جانا چاہتا تھا مگر راستے میں اُسے تعاقب کا موقع مل گیا تھا اس کی گاڑی اب سمندر کی طرف جانے والی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ اب منزل کے قریب پہنچنے والا ہے۔ اس نے ٹوسٹر کی رفتار دھیمی کر لی۔ کار چلاتے ہوئے مستعد انداز میں عمران کی نظریں گرد و نواح کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ کیونکہ ٹرانسمیٹر کے اشاروں سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ جگہ ہی کہیں ہے۔

دفعاً وہ ایک زرد ہنگے کے سامنے سے گزرا تو اشاروں نے اپنی زبان بدل لی۔ عمران سمجھ گیا کہ اس کی مطلوبہ جگہ پر ہی ہنگہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کا ایکسیلیٹر سے ہٹا چلا گیا۔

اس نے ایک کار کو سڑک کے کنارے کھڑی دیکھا۔ ایک آدمی ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا۔ اس کی نگاہیں زرد ہنگے کی طرف مرکوز تھیں۔ اس نے پیشانی پر سیٹ جھکوا رکھا تھا۔ جس سے وہ پہچانا نہ جاسکے۔ عمران اب سب سمجھ گیا تھا۔ ٹرانسمیٹر کے اشارے اسے بتا چکے تھے کہ سُرخ رنگ کی کار سے اس قسم کے اشارے ابھر رہے تھے۔ عمران ٹوسٹر کو کچھ آگے نکال لے گیا۔ پھر اس نے کار کو درختوں کے نیچے جا کر روک دیا۔ اور واپچ ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔

پھر وہ کار سے اتر آیا۔ اور اس طرح ٹھٹھنے لگا۔ کہ جیسے اس کے پاس نصرت ہی فرصت ہو۔ وہ سڑک پر چھلقدی کر رہا تھا۔ موسم کافی ٹھنڈا تھا۔

ابھی عمران کو ٹہلتے ہوئے کچھ دیر بچی ہوئی تھی کہ اس کی نگاہیں اس ٹیکسی پر جم گئیں جو کار کے قریب رُک رہی تھی۔

کار میں سے ایک آدمی نیچے اتر آیا۔ اس نے کرایہ ادا کیا۔ جب ٹیکسی چلی گئی، تو وہ ایک گہرا سانس لے کر ٹہلنے کے سے انداز میں کار کے قریب آگیا۔ عمران غور سے ادھر دیکھ رہا تھا۔ اُس آدمی نے کار کے اندر جھانکا۔ دھڑلے سے اس کار کے ڈرائیور نے اشارہ کر کے اسے زرد بنگلے کے متعلق بتایا۔ اس کے لب ہلے تھے۔ عمران سُن تو آیا تھا۔ اس لئے اندازہ لگا رہا تھا۔

عمران ایک درخت کی آڑے کھڑا تھا۔ وہ ان سے کسی قدر فاصلے پر تھا۔ اور ان کے چہرے اُسے واضح اور صاف نہ دکھائی دے رہے تھے۔ آنے والے آدمی نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ اس کے بعد وہ یوٹرن لے کر شہر کی طرف جانے والی سڑک پر بھاگنے لگی۔ نوادر شخص اسی جگہ پر کھڑا تھا۔ عمران نے مسکرا کر گردن کو جھٹکا دیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ زپ زپ کے اشارے اسی سفید نام کے لئے تھے۔ اور یہاں پہنچنا مقصد تھا۔ اتفاق سے عمران کے وارچ ٹرائسمیٹر نے وہ اشارے حاصل کر لئے تھے۔

عمران یہ جان گیا تھا وہ لوگ اس بنگلے کی نگرانی کر رہے تھے۔ مگر اُسے اصل جکر کا پتہ نہ تھا۔ سفید نام کچھ دیر وہیں کھڑا رہا پھر چہل قدمی کرتا ہوا بنگلے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

صدر دروازے کے قریب پہنچ کر نہیں رُکا صرف ایک سرسری نگاہ ڈال کر اُسے ہی آگے قدم اٹھانے لگا۔ کچھ دُور جا کر وہ گھومنا دوبارہ پھر اس کا رخ بنگلے کی طرف تھا۔ اب وہ پھر بنگلے کے روازے کے سامنے سے گزرتا ہوا آگے آگیا۔

پھر وہ زور سے چوڑکا۔ کیونکہ وہ عمران کی ٹورسٹ دیکھ چکا تھا۔ وہ ٹھٹھک کر اسی جگہ رُک گیا تھا۔ اُس نے مشتبہ انداز میں گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ پھر وہ درختوں کی طرف دیکھنے لگا۔ سڑک ویران پڑی تھی۔ ابھی تک کوئی سڑک یا کار وہاں سے نہ گزری تھی۔

عمران نے اطمینان سے ایک چیونٹیم پیٹ۔ سے نکل کر منہ میں ڈال لی اور اُسے چلنے لگا۔ اس کی نگاہیں سفید نام کا جائزہ لے رہی تھیں۔ سفید نام کار کی طرف بڑھنے لگا۔ پھر وہ فوراً ہی رُک گیا۔ اور گھوما پھر بنگلے کی طرف آنے لگا۔ دروازے سے آگے گزر کر وہ بڑھتا چلا گیا۔ کچھ فاصلے پر ایک ٹیلیفون بوتھ تھا۔ وہ شاید رنگ کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس نے ارادہ منسوی کر دیا۔ اور گھنے درختوں کی طرف نکل گیا۔

عمران لپک کر درخت کی اوٹ سے نکل آیا۔ سفید نام غائب تھا۔ دُور دور تک اس کا نشان نظر نہ آ رہا تھا۔ عمران تیز تیز قدم اٹھاتا ٹیلیفون بوتھ کی طرف آگیا۔ دروازہ کھول کر تیزی سے اندر داخل ہوا۔ سب سکنے انٹرومنٹ میں ڈال کر تنویر کے نمبر گھمانے لگا۔ پھر سلسلہ ملنے پر اس نے آکسیٹو کی مخصوص بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”بیس دکانیں تیار ہو گئی ہیں دوسو افراد لقمہ اجل بن گئے ہیں۔ پولیس بے حد پریشان ہے۔ گنبدِ پاسبان کھار دیئے گئے ہیں۔ ریوے پٹرول کو آگ لگا دی گئی ہے۔“

”ادھر بہت چمک رہے ہو!“

یہ سب اتنے بہت حسین اور سازگار موسم کا اثر ہے سر! اس موسم کا جو ذوق پر کچھ زیادہ ہی اثر ہوا ہے۔ اس نے مطالبہ کیا ہے کہ اُسے اب دس بوتلیں شراب کی دی جائیں۔ وہ پی پی کی کرافٹ کے جنگلوں میں گونجنے والے ڈھول اور تاشوں کی آواز سن رہا ہے۔
”تو آج گلستان میں پرندوں کی چہکار ہیں زیادہ ہے۔ اس شب تاریکی اولاد کو سنبھال کر رکھو۔ ورنہ تمہیں افریقہ یا آرم خوروں کے حوالے کر دے گا۔“

”اس وقت تو مجھے جو ذوق خور نظر آ رہا ہے۔ وہ شوخی سے بولا۔ پھر بلیک زیرو ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ اور کہا میرے لئے کیا خدمت ہے سر؟“

”تم سب کو چھوڑ چھا کر یاد اللہ میں مصروف ہو جاؤ!“

”ہو جاؤ گی کا سر! مگر اس وقت میرے لئے کیا حکم ہے؟“ وہ مسکرا کر بولا۔

”حکم چلانے والے بادشاہ کبھی کے لد گئے۔ اب تو ان کی یادوں کے کھنڈرات باقی ہیں۔ جنہیں لوگ تفریح کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔“

”ایکسٹو!“

”تنویر اسپیکنگ سر! اس کی مودبانہ آواز گونجی۔“

”تنویر تم فوراً سمندر کی طرف جانے والے سڑک پر پہنچ جاؤ۔ وہاں سے کچھ دور ہاجر کیسپ ہے۔ تمہیں وہاں نہیں جانا ہے۔ سڑک پر ہی ایک زرد بنگلہ ہے اس کی ایک سفید نام لکرائی کر رہا ہے۔ وہاں فوراً پہنچ کر تم اس کی نگرانی کرو۔ اس سڑک کا نام شہلا مود ہے۔“
”بیس سر! تنویر کی مودبانہ آواز ابھری۔“ سفید نام کا حلیہ لیا ہے سر!“

عمران نے حلیہ بتایا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ ایک بار پھر اس نے مناسب سکے انسرومنٹ میں ڈالے۔ اب اس نے بلیک زیرو کے لئے نمبر ڈائل کئے۔ سلسلہ قائم ہوتے ہی بلیک زیرو کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

”ہیلو۔ ایکسٹو دس سائیڈ!“

”کیسے مزاج ہیں جانی ایکسٹو!“ عمران نے چیونٹم چبانے پوچھا۔ بلیک زیرو نے عمران کی آواز پہچان لی عمران نے اُسے اصلی آواز میں مخاطب کیا تھا۔

”خیریت ہی خیریت ہے موسم خوشگوار ہے۔ چڑیلوں کی چہکار زیادہ ہی بڑھ گئی ہے۔ گولڈن سنٹر کیفے میں موحین لڑکیوں کی لاشوں کو پانی دیا گیا ہے۔ بموں کے چار دھماکے سور بازار میں ہوئے ہیں۔“

پھر اس نے آدمی کے پکڑے جانے کا قصہ بلیک زیر و کو سنا دیا
بھڑ بولا۔

”اگر لاری کی تلاشی لینے والا شخص ہاتھ لگ جاتا تو کچھ بات بنتی
یہ تو کرائے کا گھوڑا ہو گا۔ اس پر سواری سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔
”ہوں!“ بلیک زیر و نے کہا۔
”تم معلومات فوراً حاصل کرو“ عمران بولا۔ ”میں دانش منزل آ رہا
ہوں۔“

عمران نے ریسورکر یڈل پر بٹھا اور پھر جیب سے ریڈ میڈ
میک اپ نکال کر چمک رہا ہوا۔ بڑی بڑی گھٹی سیاہ مونچھوں پر
ہاتھ پھیرتا ہوا وہ ٹیلیفون بوتھ سے باہر آ گیا۔ چلتے چلتے اس نے
زرد رنگ کے بنگلے پر سرسری نظر ڈالی۔ اُسے اب وہ سفید نام نظر
آ گیا۔ جو ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا اخبار کے
مطالعے میں غرق تھا۔ عمران سکرکر لڑ سڑکی طرف بڑھتا چلا گیا۔
چند لمحوں کے بعد وہ کار کو ایسٹر کر رہا تھا۔ اور کار میٹرک پر
آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ غیر ملکی لگا ہیں اس کی
کار کی نمبر پلیٹ پر منہمک انداز میں جھی ہوئی تھیں۔

وہ سفید نام بڑے غور سے نمبر داغ میں محفوظ کر لیا تھا۔ مگر
عمران کو اس کی کیا پروا تھی۔ اس نے شانے اچکائے۔ وہ سمجھ
گیا تھا کہ غیر ملکی سفید نام اس کی طرف سے شائبہ ہو گیا تھا۔ اس

اب بلیک زیر و عمران کی لمبی چوڑی بکواس سے گھبرا گیا تھا۔ وہ
جلدی سے بولا۔

”آپ مجھ سے کچھ کہنے والے تھے!“
”تو کیا اب تک میں بکواس ہی کرتا رہا ہوں؟“ عمران نے کہا اور
گہرا سانس لیا۔

”سمندر کے ساحل پر پھیلے ہوئے مہاجر کیمپ سے کچھ فاصلے کے
کنارے ایک زرد رنگ کا بنگلہ ہے۔ اس کا نمبر تین سو اے ہے۔
اس کے متعلق معلومات حاصل کرنا ہیں۔“

”یہ جگہ تو پاتال میں واقع ہے؟“ بلیک زیر و شوخی سے بولا۔
”تو فوراً پاتال میں چلے جاؤ۔ وہاں کی مخلوق کے بارے میں
مجھے معلومات درکار ہیں۔“

”سینج جاتا ہوں سر۔ مگر کیا یہ گڑ بڑ ڈاکٹر زیدی سے متعلق تو
نہیں ہے؟“

”ابھی کیا کہہ سکتا ہوں۔ عمران گہرا سانس کر بولا۔ تو ایک آدمی بڑا
ہے جس نے بنگلے میں اپنے آدمی کے داخلے کے لئے راہ ہموار کی
تھی۔ صفدر اسے لے کر دانش منزل پہنچ رہا ہے۔“

”اس کا مطلب ہے راہیں کچھ زیادہ ہی ہموار ہونے لگی ہیں۔“
بلیک زیر و ہنس کر بولا۔

”فکرمات کرو عنقریب ٹیڑھی ہو جائیں گی۔“

کے ساتھ ہی عمران نے کار کی رفتار میں اضافہ کر دیا۔ اور تیزی سے آگے بڑھنا چلا گیا۔

اُسے سفید فام کی طرف سے کوئی خدشہ نہ تھا۔ کیونکہ تنویر کی بوڑھا سا بیکل زرد رنگ کے قریب پہنچ رہی تھی۔ تنویر کو وہاں دیکھ کر اب عمران مطمئن تھا۔

کار اسٹپر کرتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ پاکیشیا کا ڈاکٹر زبیدی کتنا عظیم ہے۔ اس نے ایک شاندار تصویر اپنے تجربات سے حاصل کی۔ اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر وہ اپنے نائب ڈاکٹر کے ساتھ پاکیشیا پہنچا تھا۔ اس کی اس تصویر سے پوری دنیا کو نادمہ پہنچے گا۔ مگر یہ کتنے ظالم لوگ ہیں محض اس لئے کہ وہ اس تصویر کو حاصل کر کے کروڑوں کا نادمہ حاصل کر سکیں۔ ڈاکٹر کو اغوا کرنا چاہتے ہیں یا اُسے ختم کرنا چاہتے ہیں۔

عمران کا چہرہ سخت ہلکیا۔ اس نے دانت پر دانت جما لئے اس نے غم کر لیا۔ کہ وہ ڈاکٹر اور اس کے نائب کی اپنی جان دے کر بھی حفاظت کرے گا۔ ڈاکٹر ان نہیں فرشتہ ہے۔ جو کروڑوں انسانوں کی بھلائی کے لئے جیڈلین تیار کر رہا ہے۔ انسانیت کی زبردست خدمت میں مصروف ہے وہ ڈاکٹر کے سر پر منڈلاتے ہوئے مقام خطروں کو مٹا دے گا۔

ان ہی سوچوں میں ڈوبا ہوا وہ دانش منزل پہنچ گیا۔ اور ریڈی میڈ

میک اپ کو اتار کر اس نے جیب میں میں رکھ لیا۔ کیا ونڈ میں جوڑت تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

”باس! حقدرا اس تصویر کو لے آیا ہے!“
شب تار کی اولاد شرابی بلیک زیرو پر شراب کا خرچہ بڑھا رہا ہے۔ اس نے یہ سن کر محسوس ہی صورت بنالی۔

”کیا کروں باس! نہ پیوں تو نیند آنے لگتی ہے۔“

عمران کا رسے اتر کر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

”نیند آنے لگے تو اپنی فیملی کی روحوں کو بلا کر اس کے ساتھ ناچنا شروع کر دیا کرو۔“

پھر اس کے قدم اندر کی طرف اٹھتے چلے گئے۔ اور جوڑت کے سیاہ چہرے پر اندھیرے پھیلتے چلے گئے۔

سیکڑٹ سروس کا ممبر تھا۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا۔
 ورنہ آپ نے تو مجھے پکڑوانے کا منصوبہ بنا ہی لیا تھا۔
 ”جان کی بازی لگا کر ہی کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ شارٹن“
 دراز قد سختی سے بولا۔ اس کے ہونٹوں پر پراسرار اور عجیب سی
 مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ اس نے اسے سمیٹا اور بولا۔
 ”تمہارا تعاقب تو نہیں کیا گیا؟“
 ”ممکن نہیں! میں نے اس کا خاص خیال رکھا
 تھا۔“ شارٹن کی آواز پر اعتماد تھی۔

”ممکن نہیں!۔۔۔“ دراز قد بڑبڑایا۔ ہر بے اختیار اس
 کے قدم کھڑکی کی طرف اٹھتے چلے گئے۔ وہ کھڑکی باہر کھلتی تھی۔
 اس نے سگارا کا کش لگا کر دھواں کھڑکی سے باہر کی طرف اگلا۔
 اور پھر اشارے سے شارٹن کو اپنے قریب بلایا۔

”کیا ہے سر؟“ وہ حیرت زدہ تھا۔
 ”ادھر دیکھو۔۔۔ درخت سے ٹیک لگائے کوئی شخص
 اخبار کے مطالعے میں مصروف ہے۔ ایذا ہر بھی نظر آتا ہے۔“
 پھر وہ اسے بلوا کر بولا۔ ”دیکھ رہے ہو!“
 ”لیس سر!۔۔۔ مجھے نظر آ رہا ہے۔“

”تمہیں کچھ نظر نہیں آیا تم اندھے ہو۔“ وہ سحوت
 باز میں غمزایا۔ ”وہ شخص اخبار پڑھنے کے چکر میں بنگلے کی نگرانی

کمرے کا دروازہ کھلا اور شارٹن اندر داخل ہوتا چلا گیا۔
 دراز قد نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا اور سگارا کا کش لگا کر دھواں
 فضا میں اگلا۔ وہ اب پائپ کی بجائے سگار پی رہا تھا۔
 ”رپورٹ دو!“ اس نے عزائی ہوئی آواز میں کہا۔
 ”میرا سمجھی پکڑا گیا ہے۔“ شارٹن نے کہا۔
 ”مرد سے بھوڑ دو جائے جہنم میں۔ تم بتاؤ مٹس کو کسی مداخلت
 کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔“

”سامنا کرنا پڑا تھا میرا۔۔۔ جب میں الماری کی تلاشی
 لے رہا تھا۔ تو کسی نے رلیو الوب سے مجھے کور کیا میرا خیال ہے وہ

میں مصروف ہے۔ یہ تمہارے تعاقب میں یہاں تک پہنچا ہے۔“

”دشش شاید میرا۔ مگر میں نے تو بے حد خیال رکھا تھا۔“ وہ بہت زیادہ بوکھلا گیا۔ سٹپٹا گیا۔

”شارٹن!۔“ دراز قد کا لہجہ بے حد مدد تھا۔ ”غور سے سنو۔ میں کہہ چکا ہوں کہ بس مشن کو ہر حال میں پورا ہونا ہے۔ ذرا سی غلطی یا کوتاہی بھی مجھ سے برداشت نہ ہوگی۔“

”سرس سرے“ اس پر زیادہ ہی بوکھلاہٹ طاری ہو گئی۔ ”سیکڑ سروس سے تمہارا ٹکراؤ ہو چکا ہے۔“

”تمہیں خاص دھیان رکھنا چاہیے تھا۔ تم اس جاگڑ میں اپنے پیچھے لگا لائے ہو۔ تم دیوانہ وار یہاں ددڑے چلے آئے۔ یہ تمہاری بہت فاش غلطی اور کوتاہی ہے۔“

اب بوکھلاہٹ کی جگہ شارٹن کے چہرے پر ناگواری سے بزمیز کے تاثرات پھیل گئے۔ اسے دراز قد کی یہ نکتہ چینی بہت بری محسوس ہوئی تھی۔ وہ اب خشک لہجے میں بولا۔

”یہ کیسے کہا جاسکتا ہے۔ کہ وہ میسر ہی تعاقب میں یہاں آیا ہو۔ ہو سکتا ہے وہ پہلے سے یہاں موجود ہو۔“

”شارٹن!۔“ دراز قد چیتے کی طرح غصا کر اس کی طرف

گھوما۔ اس کی آنکھوں میں غصے کی انتہائی چمک پیدا ہو گئی۔ وہ شعلہ بارنگا ہوں سے چند لمحوں تک اسے گھورتا رہا۔ یکایک شارٹن کے چہرے پر نفوت بھرے اثرات آ گئے۔ مگر پھر آہستہ آہستہ دراز قد کا چہرہ پرسکون ہوتا چلا گیا اور جب چند لمحے گزر جانے کے بعد وہ اس سے مخاطب ہوا۔ تو اس کی آواز میں بھی سکون تھا۔

”ہوں! غور سے سنو! میں اب اس آدمی کو نیگلے میں دیکھنے کا خواہش مند ہوں۔“

”بہت بہتر سرے“ اس نے الرٹ ہو کر کہا اور جانے کے لئے گھوما۔ دراز قد بولا۔

”جانتے جاتے ماش سے کہنا عامان اٹھا لے۔ ہم اس نیگلے کو چھوڑ رہے ہیں۔“

”لیں سر!۔“ شارٹن نے جواب دیا اور وہ تیزی سے دروازے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

دراز قد کھڑکی میں ہی کھڑا رہا۔ اس کی نگاہیں اخبار پڑھتے ہوئے آدمی پر جمی ہوئی تھیں۔ فاصلہ کافی تھا اس لئے وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا تھا۔ کیونکہ اس نے چہرے کے آگے اخبار کر رکھا تھا۔

ادھر سے نگاہیں ہٹا کر دراز قد نے گردن و اوج کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ شارٹن کو اس آدمی کی فٹ چھپٹنا اور دیکھنا چاہتا تھا۔ دفعتاً اس کی نگاہوں نے ایک اور خطرناک منظر دیکھا۔

دراز قد کی نگاہوں نے شارٹن کو دیکھا۔ وہ ایک درخت کے عقب میں کھڑا تھا اور کافی بوکھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

تو اس کا مقصد تھا اخبار پڑھنے والا شارٹن کے پہنچنے سے پہلے ہی غائب ہو گیا۔ دراز قد نے دانت پر دانت جھانے اور ادھر ادھر کا جائزہ لینے لگا۔ اس کی نظریں جھٹک رہی تھیں۔ مگر وہ ان دونوں کو کہیں بھی نہ دیکھ سکا۔ شارٹن نیلے کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے قدم اس طرح اٹھ رہے تھے کہ جیسے وہ اپنی اس ناکامی پر سخت پریشان ہے۔

مختصری دیر میں ہی شارٹن اس کمرے میں داخل ہوتا چلا گیا جہاں کھڑکی کے سامنے دراز قد کھڑا تھا۔ شارٹن کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار تھے۔

”وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ سرورہ غائب ہو گیا۔ جب میں وہاں“
”میں دیکھ چکا ہوں۔“ اس نے سختی سے اس کی بات قطع کر کے کہا۔ ”تم اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر بیگ در سے باہر نکل جاؤ۔ ہیڈ کوارٹر نمبر دو میں نارمن تمہارا انتظار کر رہا ہے۔“

”بہت بہتر!“ وہ قدرے مطمئن ہو کر بولا۔ ”آپ نہیں جائیں گے سر۔“

”میرا اسی جگہ رہنا ضروری ہے۔“ دراز قد کے ہونٹوں پر ایک پُر اسرار مسکراہٹ پھیلی گئی۔ شارٹن فوراً گھوما اور باہر نکلتا چلا گیا۔

اخبار پڑھنے والے سے کچھ فاصلے پر ایک اور شخص موٹر سائیکل سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور وہ غور بنی نگاہوں سے اخبار پڑھنے والے کو دیکھ رہا تھا۔ اخبار پڑھنے والا اسے نہ دیکھ سکتا تھا۔ کیونکہ موٹر سائیکل والے نے اپنے آپ کو درختوں کی آڑ میں چھپا رکھا تھا۔ موٹر سائیکل والے کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اخبار والے کی نگرانی کر رہا ہے۔ یہ سچو ایشن دراز قامت کے لئے بے حد خطرناک تھی۔

”عجیب چکر ہے!“ دراز قامت بڑبڑایا۔

دراز قد چونکہ سیکنڈ فلور کے ایک کمرے میں تھا۔ اس لئے وہ دونوں اس کی نگاہوں میں آ گئے تھے۔ اگر وہ نیچے کے منزل کے کمرے میں ہوتا تو شاید انہیں نہ دیکھ سکتا۔

دراز قد کے جبرے سختی سے بچھنچ گئے۔ سگارش کر کے اس نے کھڑکی سے باہر بھینک دیا اور گاڑھا گاڑھا دھواں اُگل دیا۔ اچانک ہی وہ چونک پڑا۔ اب اس کی نگاہوں کے سامنے سے وہ آدمی جو اخبار پڑھ رہا تھا غائب تھا۔ پھر اس نے لمبڑی پر پورا آگے جھک کر دیکھا۔ موٹر سائیکل والا بھی غائب تھا۔ اس کے ہونٹوں سے ایک بطول ترین سانس خارج ہو کر اسے زرد کر گئی۔ موٹر سائیکل اس جگہ کھڑی تھی مگر وہ خود غائب تھا۔

چند لمحوں ہی میں دونوں غائب ہو گئے تھے۔ اسی وقت

اس کے جانے کے بعد دراز قامت کمر کے وسط میں آگیا اور کچھ دیر وہاں کھڑا رہا۔ پھر اس نے لپک کر میز کی دراز سے ایک نیا سگار نکال کر سلگایا۔ — اس کے قدم دوبارہ کھڑکی کی طرف اٹھتے چلے گئے۔ اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ باہر ابھی تک مطلع صاف تھا۔ دونوں میں سے کوئی بھی وہاں نہ تھا۔ اس دوران میں موٹر سائیکل اپنی جگہ سے غائب ہو چکی تھی۔ — دراز قد کے ہونٹ ایک پھیپے سے تلبسم میں ڈوب گئے۔ سگار کے دو تین کش لگانے کے بعد وہ کھڑکی سے پلٹ آیا۔ دوسری طرف آ کر دراز قد نے کھڑکی کھولی اور باہر جھانکا۔ اس کے سامنے بنگلے کا عقبی گیٹ تھا۔ جس کے باہر اسے ایک سرخ رنگ کی دیگی کھڑی نظر آرہی تھی۔ دراز قد نے شارٹن اور اس کے دوسرے ساتھیوں کو اس میں بیٹھتے دیکھا۔ دیگی اسٹارٹ ہوئی، ڈولتی، ہچکولے لگاتی اور بڑھکھڑاتی کچے راستے پر آگے بڑھنے لگی۔ دراز قد اس وقت تک کھڑا رہا جب تک کہ وہ دیگی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گئی۔ اس نے پُر سکون انداز میں سر ہلایا۔ کھڑکی کے پٹ بند کئے اور کھوا۔ پھر اس کے قدم کرسی کی طرف برہتے چلے گئے۔ اب وہ کافی حد تک مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ کرسی کے قریب پہنچ کر وہ روک گیا پھر جانے کس خیال کے تحت وہ کرسی پر بیٹھنے کا ارادہ ترک کر کے وہ دروازے کی طرف لپکا اور باہر نکلتا چلا گیا۔

عمران نے دانش منزل کے آپریشن روم میں بلیک زبرد سے ملاقات کی۔ بلیک زبرد سے مل کر وہ لاک اپ میں آگیا۔ وہاں وہ غنڈہ موجود تھا۔ جس نے اپنے ساتھی کی مدد کی تھی اور اسے ڈاکٹر زیدی کی الماری تک پہنچایا تھا۔ عمران کو اس سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ تین ہزار روپے کے عوض اس کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ اس سے عمران اور کچھ بھی معلوم نہ کر سکا۔ پھر اس نے غنڈے کو چھوڑ دیا تھا اور صغدر کو دوبارہ اس کی ڈیوٹی پر بھیجنے کے بعد اپنے فلیٹ آگیا۔

”تویر کو میں نے ایک سفید فام کی نگرانی کے لئے متعین کیا تھا۔ وہ سفید فام اخبار پڑھتے ہوئے اس بنگلے کی نگرانی میں مصروف تھا اور تویر اس کی نگرانی پر مقرر تھا۔“ عمران نے غرایا۔

”آپ ٹھیک کہتے ہیں سر! اے اس نگرانی کی وجہ سے تویر کو بیک کا علم ہوا۔ دراصل بات یہ ہوئی تھی کہ سفید فام اچانک ہی اٹھ کر لپشتی دروازے کی طرف چلا گیا تھا۔ وہاں اس نے ٹرانسمیٹر کے ذریعے کسی شخص سے بات کی۔ تویر اس کے پیچھے تھا اور ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں سے اس نے چند آدمیوں کو بنگلے سے فرار ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ تویر کی رپورٹ لے کر سفید فام انہیں نہیں دیکھ سکا ہے۔ اور نہ اسے بیک کا علم ہے۔“ تویر نے ان آدمیوں کے ٹھیلے بیان کئے ہیں۔ ایک آدمی کا ٹھیلہ بالکل ایسا ہی ہے جو لیبارٹری میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ اور جس نے ہماری میں کچھ تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔“ وہ اسے عمران چونکا۔ ”آج تو زبردست انکشافات کر رہے ہو بلیک زیرو۔“

”آج انکشافات کا دن ہے! بلیک زیرو چمکا۔“ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ وہ سفید فام ٹرانسمیٹر پر کسی سے بات کر کے ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر وہاں سے نو دو گیارہ ہو گیا تھا۔“

فلپٹ آکر اسے سلیمان کے عشق کی خرافات سننے کو ملیں۔ پھر کہیں جا کر سلیمان نے اسے ایک کپ چلے بنا کر دیا۔ وہ چائے پی کر فارغ ہی ہوا تھا کہ فون کی گھنٹی بڑبڑانے لگی۔ عمران نے گھورتی ہوئی نظروں سے ادھر دیکھا اور کریڈل سے ریسپونڈ اٹھا لیا۔

”کیا تکلیف ہے؟“ اس نے منہ چڑا کر کہا۔ ”صرف آپ کی خدمت کرنے کی تکلیف ہے عمران صاحب! دوسری طرف جیسے بلیک زیرو کی کھنکتی ہوئی آواز ابھری۔“ میں نے نہ دہ بنگلے کے متعلق معلومات حاصل کر لی ہیں۔ وہ کسی جنرل کی ملکیت ہے۔ اور وہ جنرل آج کل ریٹائر ہے۔ یہ پتہ نہیں کہ وہ خود کہاں رہتا ہے۔ پہلے وہ اس بنگلے میں رہتا تھا۔ مگر پھر وہ اچانک ہی کہیں چلا گیا۔“

”اس کے بارے میں معلوم کرو کہ وہ کہاں ہے اور بنگلے کی نگرانی کے لئے خاور کو بھیج دو۔“ عمران نے کہا۔

”اب اس کی ضرورت نہیں رہی!“ بلیک زیرو بولا۔ ”کیوں آخر؟“ عمران زور سے چونکا۔

”تویر نے رپورٹ دی ہے کہ وہ بنگلہ خالی کر گئے ہیں۔ تویر نے عقبی گیت سے انہیں ایک ویگن میں فرار ہوتے دیکھا تھا چونکہ اس کی موٹر سائیکل ڈور کھڑی تھی اس لئے وہ ان کا تعاقب نہ کر سکا۔“

صوفیہ لاریں غائب ہو گئی تھیں اور وہ ایک گہرا سالن
حلق سے خارج کر کے کچن کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

”پھر تنویر نے کیا کیا؟“ عمران نے فوراً پوچھا۔

”وہ اس کے تعاقب میں ہے!“

دوبری نائٹ۔ عمران کے حلق سے تقریبی آواز
خارج ہوئی۔ کبھی کبھار تنویر بھی ذہانت کا استعمال کرنے
لگتا ہے۔ مہر حال تم جتنی جلدی ہو سکتے جنرل کا پتہ
لگاؤ اور صفدر کو چھٹی دے کر غاؤر کو وہاں بھیج دو۔ اس
نے کہا میک اپ میں جائے۔“

”دلیس سر!“

اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع کر کے عمران نے ریسپونڈ
کر ٹیل پر رکھ دیا۔ پھر اس کے ہونٹوں سے ایک طویل سالن
خارج ہوئی اور اس نے سلیمان کو پکار کر کہا۔

”چائے لے آؤ سلیمان!“

سلیمان دوسری مرتبہ اس کے لئے چائے بنا کر لے آیا۔ سلیمان
بڑا بچھا بچھا سا نظر آ رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر پھر کچھ
سوچ کر بلیٹ گیا۔ صحن میں آکر بے اختیار اس کی نگاہیں
دیوار کی طرف اٹھ گئیں۔ اسے پھر وہ خوبصورت چہرہ نظر
آ گیا۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

”چودھویں کا چاند؟“ نہیں۔ صوفیہ لاریں۔“

اور چودھویں کا چاند فولادی دیوار کے پیچھے غائب ہو گیا۔

نے ایک بٹن دبایا اور میز کا اوپر کا حصہ کھلتا چلا گیا۔ اب وہاں ایک بڑا سا خانہ تھا۔ اس میں سے اس نے ایک نیلے رنگ کا ایک برقع کیس نکالا اور بٹن دبا کر میز کے اوپر کے حصے کو برابر کر دیا۔ اب خانہ بند ہو گیا اور میز اپنی اصلی حالت میں تھا۔ اس نے برقع کیس کھول اس میں سے ایک ہیڈ فونز برآمد کیا اور اسے کانوں پر لگا لیا پھر اس نے برقع کیس میں نصب ایک بٹن کو دبایا۔

دوسرے لمحے ایک پتلی سی راڈ باہر نکلتی چلی گئی۔ وہ راڈ ایریل کا کام دیتی تھی۔ راڈ ایک مخصوص مقام پر آ کر رُک گئی۔ اور خانہ نمودار ہو گیا۔ جس کے اندر کتنے ہی بٹن نصب تھے۔ دراز قد نے ایک بٹن کو دبایا۔ جھجھک کر آواز بلند ہونے لگی۔ دوسرے لمحے وہ آواز معدوم ہو گئی۔ پھر ایک مردانہ آواز اُبھر۔

”جیمز اسپیکنگ ! اور۔۔۔“

”باس ڈارن۔“ آواز میں ذرا سی سختی تھی۔ ”جیمز فور سے سنو یہاں گڑ بڑ ہو گئی ہے۔ میں نے تمام آدمیوں کو ہیڈ کوارٹر بندرو میں بھیج دیا ہے۔“

”کیسی گڑ بڑ۔“ دوسری طرف سے چونکی ہوئی آواز میرے پوچھا گیا۔

”ایک آدمی بنکے کی نگرانی کر رہا تھا۔“

دراز قد سیڑھیاں چڑھا۔ پھر وہ ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ پھر وہ سیڑھیوں کے نیچے اُتر آیا۔ اس کے قدم ایک راہداری کی طرف اٹھتے چلے گئے۔ پھر وہ دائیں جانب ایک گیلری میں گھوم گیا اور سب سے پہلے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتا چلا گیا۔

کمرے میں ایک میز بڑی تھی اور اس کے پیچھے ایک کرسی تھی۔ دراز قد میز کے قریب آ گیا اور دراز کھول کر اس میں ہاتھ ڈال دیا۔ جانے اس میں وہ کیا تلاش کر رہا تھا۔ یکایک اس

”اوہ! —“ دوسری طرف جمیز نے ایک گہرا سانس لیا۔
 ”وہ کیسے بنگلہ کی طرف آگیا۔“
 ”دیولوں لگتی ہے۔ وہ شخص شارٹن کا پیچھا کرتا ہوا آیا تھا۔
 شارٹن کو میں نے مشن کے پہلے مرحلے کے لئے بھیجا تھا۔“
 ”جی ہاں مجھے علم ہے۔ ہمارے ایک اور نگران آدمی
 کا کہنا ہے کہ اگر بے وقت مداخلت نہ ہوئی ہوتی تو وہ پکڑا گیا ہوتا۔“
 ”اگر شارٹن پکڑا بھی جاتا تو کوئی بات نہ تھی۔ وہ ہمارے
 مشن کے متعلق پوری طرح کچھ نہیں جانتا تھا۔“
 ”دراز قد بغیر کسی تاثر کے بولا۔“ پکڑا جاتا تو بہتر تھا۔ نہ ہمارا
 تعاقب ہوتا اور نہ ہم یہ بنگلہ چھوڑنے پر مجبور ہوتے۔ علاوہ ازیں
 ہمارا مشن اس طرح زیادہ مستحکم ہو جاتا۔“
 ”مجھے آگاہ کر دیتے باس! —“ جمیز نے کہا۔
 ”دو خیر کوئی بات نہیں ہے۔ تم اپنا کام کئے جاؤ۔
 میں ہوٹل میں منتقل ہو رہا ہوں۔ شو برا ہوٹل میں ڈائین کے نام
 سے سمجھ گئے۔“
 ”ٹھیک ہے۔“ جمیز بولا۔ ”ابھی میرا آدمی ہوٹل سے
 پہنچ جائے گا۔“
 ”کیا اس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟“ ڈائین نے
 دراز قد نے پوچھا۔

”میری نظریں آدمی کو پرکھنے میں بھی دھوکہ نہیں کھا سکتیں۔
 میں معمولی ایجنٹ نہیں اسے دن ایجنٹ ہوں۔ میرے کارنامے
 تم دیکھ ہی چکے ہو باس۔ اور خدمت —“
 ”بس تم اپنا کام ہوشیاری سے کئے جاؤ۔ منشیات
 اور ہیروئن کی اسمگلنگ رکھنی چاہتے اور منشیات کسے
 سیلانی قریب قریب ہر ہوٹل اور مناسبت جگہوں پر ہونی
 چاہیے۔“

”ایسا ہی ہو رہا ہے باس! —“
 ”ہوں! —“ دراز قد نے کہا۔ ”اور اینیڈ آل۔ اس
 کے ساتھ ہی بٹن دبا کر اس نے ٹرانسمیٹر آف کر دیا بریف
 کیس کو اچھی طرح بند کر کے اس نے خانے میں رکھنے کے
 بجائے اسے ہاتھ میں پکڑ لیا اور باہر نکلتا چلا گیا۔
 اس نے بنگلے سے باہر آنے کے لئے بیک ٹور استعمال
 کیا تھا۔ پھر وہ بنگلے کے سامنے آکر ادھر ادھر نظریں ڈالنے
 لگا۔ وہ گہری نظروں سے گرد و پیش کا جائزہ لے رہا
 تھا۔ وہ دراصل دوسرے نگرانوں کو تلاش کر رہا تھا۔ مگر اب
 وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ وہ تقریباً دس منٹ وہاں کھڑا رہا۔
 جب وہ اسے کسی سمت بھی نظر نہ آئے تو سڑک پر پیدل چلا۔
 بنگلے سے کچھ فاصلے پر آنے کے بعد اس نے سڑک پر سامنے سے

آتی ہوئی ایک ٹیکسی روکی اور اس میں سوار ہو گیا۔ پچھلی نشست کا دروازہ بند کر کے اس نے ڈرائیور سے شوبرا ہوٹل چلنے کیلئے کہا۔ ٹیکسی تیزی سے شوبرا ہوٹل کی سمت میں بھاگنے لگی اور وہ اس عظیم آپریشن کے متعلق سوچوں میں غرق ہو گیا۔

”صاحب! شوبرا ہوٹل! ٹیکسی ڈرائیور کی آواز پر وہ چونکا اور اسے کرایہ دے کر کار ریڈر کی طرف پکا۔ وہ دراز قد اور فربہ ہونے کی وجہ سے ایک باوقار شخصیت نظر آ رہا تھا۔ اس کی چال میں رعب اور دبہہ تھا۔

شوبرا ہوٹل کے مین گیٹ سے گزر کر وہ کونٹر پر آ گیا اور سپاٹ لہجے میں کونٹر مین سے کہا۔

”میں نے ایک کمرہ بک کرایا تھا۔ میرا نام ڈاؤن ہے۔“

”مسٹر ڈاؤن! —“ کونٹر مین نے آہستہ سے کہا۔ ”ایک منٹ صاحب! ابھی دیکھت ہوں!“ یہ کہہ کر اس نے رجسٹر کی ورق گردانی کی اور دوسرے صفحے پر ہی وہ چونکا۔ پھر اس نے کاروباری انداز میں ایک دلکش مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر بکھیری۔

”جی سر! —“ یہ رہا۔ آپ کا کمرہ — آٹھویں منزل پر آٹھواں کمرہ ہے۔“ اس نے کی بورڈ سے چابی اٹھائی اور دراز قد کی طرف بڑھادی۔ ہوٹل کے ایک باوردی ملازم نے اس کا بریف کیس ہتھ منا چاہا مگر اس نے ہتھانے سے انکار کر دیا۔

اور اس کی راہنمائی میں لفٹ تک آیا۔ پھر لفٹ نے دونوں کو آٹھویں منزل پر پہنچا دیا اور ملازم نے اسے کمرہ بتا دیا اور وہ خود واپس ہوتا چلا گیا۔

کمرہ آراستہ پیراستہ تھا۔ جدید سہولتوں کے ساتھ ساتھ ٹیلیفون کی سہولت بھی موجود تھی جو ایسے ہوٹلوں میں ناگزیر ہے۔ اس نے چمکتی ہوئی میز کی طرف آکر سگارجیب سے نکالا اور اسے سلگا کر لمبے لمبے کش لگانے لگا۔ نیلا بریف کیس اس نے میز پر ہی رکھ دیا تھا۔

پھر وہ کرسی پر بیٹھ گیا اور سگار پیتا ہوا سوچوں میں غرق ہو گیا۔ تقریباً بیس منٹ کے بعد کسی نے دروازے پر صوب کال بیل دہائی۔ وہ چوڑیوں کی طرح چہرہ کی دوسرے لمحے اندر کے میں ڈاؤن کو آواز سنائی دی۔

”سرمیں ویٹر ہوں! — آپ کئے یہ ایک لفافہ کوئی صاحب دے گئے ہیں۔“

دراز قد نے ایک طویل سانس کھینچا اور — اس کا ہاتھ کوٹ کی جیب میں رکھے ریوالت پر چلا گیا اور اس نے جا کر آہستگی سے دروازہ کھول دیا۔ اس نے ویٹر سے لفافہ لے لیا اور واپس میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ پھر اس نے میز کے گرد پڑھی کرسی پر بیٹھ کر بریف کیس کا بٹن دبا کر ایک خانہ کھولا۔ اس

کہ تصویری حاصل کی جائے۔

جیگر اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کا پڑوسی ملک فرانس خاموش نہ بیٹھا تھا۔ اس کے ایجنٹ بھی یہاں پہنچ گئے تھے۔ سب سے ذہن اور قابل اعتماد ایجنٹ فرانس کا ڈکین تھا۔ جو یہاں پہنچ کر ایک کارنامہ دکھا چکا تھا یہ الگ بات تھی کہ اس کا کارکن الماری کی تلاشی نہ لے سکا تھا اور ناکام ہو گیا تھا۔ مگر اس نے جیگر سے سبقت نہ لی تھی۔ جیگر کو اس بات کا ملال تھا کہ وہ اپنے ملک کی سیکرٹ سروس کا ایک بیدار مخبر چیف تھا۔

وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے اس آپریشن کو کلین اپ کر لیا تو اس کے لئے باریطانیہ میں ہر طرح ترقی اور کامرانی کے راستے ہموار ہو جائیں گے۔ ڈکین اور جیگر ایک دوسرے کے جاننے دشمن تھے۔ اپنے اپنے ملک کی اجازت پر دونوں نے پاکیشیا میں آکر منشیات اور ہیروئن کی اسمگلنگ کا دھندہ شروع کر دیا تھا اور قتل و غارت، ڈاکوئی اور چوربازاری اور بھوکے دھمکے شروع کر دیئے تھے۔ ان تخریبی کارروائیوں کی آڑ میں دراصل وہ تصویری حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ان دونوں ایجنٹوں کا اصل مقصد یہاں سے تصویری لے کر فرار ہونا تھا۔ منشیات کی اسمگلنگ اور تخریبی کارروائیاں محض پولیس اور انٹیلیجنس

ہے کہ تم نے اسے کھڑکی میں کھڑے ہوئے دیکھ کر مچپان لیا۔“ پیٹر ابھی اتنا بے بس نہیں ہو گیا کہ اپنی صلاحیتوں سے کام نہ لے سکے باس! یقین کیجئے۔ وہ ڈاکین ہی تھا۔ اس کی آواز شکایت بھری تھی۔ میں اس کی ایک جھلک دیکھ کر پہچان سکتا ہوں!“

جیگر نے ایک طویل سانس کھینچی۔ اس کی آنکھوں کی چمک میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ”پتہ بتاؤ میں ابھی وہاں پہنچ جاتا ہوں“ پیٹر اسے ہنگامے کا پتہ بتانے لگا۔ جیگر نے پتہ ذہن میں محفوظ کرنے کے بعد کہا۔

”تم چھ منٹ کے بعد اپنی جگہ چھوڑ کے چلے جانا۔ میں خود معاملات کو سنبھال لوں گا۔“

”بہت بہتر سر! اور کوئی خدمت!“ پیٹر بولا۔

”اور اینڈ ال!“

باس نے ٹرانسپیئر آف کر دیا۔ اب شیر کا مجسمہ محض ایک خوبصورت رنگین ڈیکوریشن پیس تھا۔ جو ٹیبل پیس پر پڑا نہایت شاندار لگ رہا تھا۔ جیگر ایک قابل اعتماد ایجنٹ تھا۔ اسی لئے باریطانیہ کی حکومت نے اسے پاکیشیا بھیجا تھا۔ کہ ڈاکٹر نے اس سے تصویری حاصل کرے۔ اگر تصویری حاصل نہ کر سکے تو زیدی اور اس کے نائب کو ختم کر دے۔ لیکن اسے تاکید ملی

کو ادھر مصروف رکھنے کے لئے تمہیں اور ادھر سیکرٹ سروس کی توجہ مبذول کرانا اس کا مقصد تھا۔ مگر کسی حد تک وہ اپنے اس مقصد میں کامیابی بھی حاصل کر چکے تھے اور اب سیکرٹ سروس کو اسمگلنگ اور مخفی کارروائیوں کو ختم کرنے کیلئے کہہ دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ سیکرٹ سروس کا سب سے زیادہ اہم مقصد ڈاکٹر زیدی۔ اس کی تصویری اور اس کے نائب کی حفاظت کرنا تھا اور سیکرٹ سروس نے ان کی حفاظت کا عزم کر لیا تھا۔ وہ کسی حال میں بھی دشمن کو کامیاب ہونے کا موقع نہ دے سکتے تھے۔ چاہے وہ سب اپنی جان سے ہی ہاتھ کیوں نہ دھو بیٹھیں۔

باس جیگر سفید فام موٹے نے زرد بنگلے کے سامنے کارروائی وہ بنگلے سے ابھی کافی دور تھا۔ اس نے فوراً جیب سے ریڈیو میڈ میک اپ نکالا اور کار کے بیک ویو مرر میں دیکھ کر اسے پہلے سر پر چپکانے لگا۔ اب اس کے ہونٹوں پر لمبی لمبی مونچھیں تھیں اور آنکھوں میں کنٹیک لینز چپاں ہو گیا تھا۔ اس کی نیلی آنکھیں اب مجبوری نظر آنے لگی تھیں۔ پھر اس نے بگلی ہولسٹر میں ریو لور کی موجودگی کا احساس کیا۔ اس طرح اسے قدر سکون ملا۔

پھر وہ کار پہ اتر آیا۔ اس کی کار درختوں کی اوٹ میں

کھڑی تھی۔ اور دھمکتا انداز میں زرد بنگلے کی طرف قدم اٹھا رہا تھا۔

اس نے دیکھا بنگلے کا گیٹ کھلا ہوا تھا۔ پھر اس نے دو سری منزل کی طرف نگاہیں اٹھائیں۔ سیکنڈ فلور کی تمام کھڑکیاں اور روشندان بند تھے۔ اس نے کچھ سوچا اور پھر کھلے دروازے کے اندر داخل ہوتا چلا گیا۔

بنگلہ دیران اور سمنان پڑا تھا۔ مین گیٹ بھی کھلا ہوا تھا۔ بیگرنے چوکس نگاہوں سے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ پھر وہ بنگلے کی طرف گھورنے لگا۔ اسے اندر بھی زندگی دکھائی نہ دی۔ پتھری اڑ گیا۔ ڈائین شاید بنگلہ چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ تو اس کے چوٹ ہو گئی۔

اس نے چند کمرے میں جھانک کر دیکھا مگر کسے خالی تھے۔ اس کی مجبوری آنکھوں کی چپک کی دم ماند پڑ گئی۔ محض ڈائین کی وجہ سے وہ اس آپریشن کو اب تک کلین اپ نہ کر سکا تھا۔ ڈائین اس کے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ اس رکاوٹ کو تم کرنا اس کے لئے بے حد ضروری تھا۔ مگر یہ رکاوٹ تو ہر لمحے مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی تھی۔ ادھر اسے پاکیشیا لی سیکرٹ سروس کا بھی خوف تھا۔ احمق نظر آنے والا عمرانے بالاک اور ذہین تھا۔ اس نے خوفناک غنڈوں کو فٹا کر کے

رکھ دیا تھا۔ جس طرح وہ چوینگم چباتا تھا۔ اسی طرح خطرناک
برداشت کو بھی چبا ڈالتا تھا۔

جیگر سوچوں میں غرق گیلری میں کھڑا رہا۔ مگر اس وقت ایک
مرد ہم سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ وہ زور سے چونکا۔
وہ بیڑھیوں کی طرے بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ ٹھٹھک کر گر گیا۔
وہ دھیمی دھیمی آواز سامنے کمرے میں سے آرہی تھی۔ وہ گریہ پا
کمرے کے دروازے کے قریب آکر ٹوک گیا۔ پھر اس نے دروازے
سے کان لگا دیا۔ گیٹ لاکر نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے آواز
واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔ اس نے ڈالین کی آواز پہچان
لی تھی۔ جیگر کے چہرے پر جوش کی جھلک اور مرنخی آگئی۔

اس نے فوراً اندر جھانکا۔ اسے ایک دراز قد کی پشت دکھائی
دی۔ وہ کسی چیز پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے اپریل راڈ دیکھ لی اور
جیگر سمجھ گیا کہ دراز قد ٹرانسمیٹر پر کسی سے مخوف گفتگو ہے۔ اب وہ
پورے انہماک اور غور سے ڈالین کی آواز سننے لگا۔

جیسے جیسے وہ اس کی بات سن رہا تھا۔ اسی تناسب سے
اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں اور اس کے چہرے کے جوش بھر
تاثرات میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ کچھ دیر وہ اسی حالت میں
ایستادہ رہا۔ وہ اس وقت تک کھڑا رہا جب تک کہ ڈالین نے
اپنی بات مکمل نہ کر لی۔

دوسرے لمحے جیگر دروازے سے ایک دم دُور ہٹ گیا۔
کیونکہ دراز قد ڈالین کے قدم اب دروازے کی طرف بڑھ
رہے تھے۔ بنگلے سے باہر نکل کر جیگر اپنی کار تک پہنچا۔
اور ایک درخت کی اوٹ لے کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر کے
بعد اس نے ڈالین کو بنگلے کے سامنے دیکھا۔ وہ اس وقت
بغیر میک اپ کے تھا۔ اور چوکنی نظروں سے ادھر ادھر گھور
رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک وہاں ہی کھڑا رہا۔

پھر اس کے قدم جیگر کی سمت میں اٹھتے چلے گئے۔
جیگر یہ سچو الین دیکھ کر فوراً اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ اور
فیلٹ ہیلٹ کو ماتحتے پر جھکا لیا۔

لیکن ڈالین اس کی کار کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔
محض ایک سہری نظر سے اس نے جیگر کی کار کی طرف دیکھا
تھا۔ اس کے علاوہ اس کی طرف سے اور کوئی رمی ایکشن
نہ ہوا تھا۔ کچھ دُور آگے سڑک پر جا کر اس نے ایک ٹیکسی
روکی اور اس میں بیٹھ گیا۔

چند لمحوں کے بعد جیگر کی کار کا انجن بھی اسٹارٹ ہو گیا۔
اور وہ اس کے پیچھے کچھ فاصلہ رکھ کر بڑھتی چلی گئی۔ اس
طرح تعاقب شروع ہو گیا۔ پھر یہ تعاقب شوہر اہوٹل
پر اختتام پذیر ہوا۔ جیگر بدستور اسٹیرنگ سیٹ پر ہی

براجمان رہا۔ اور وہ ڈاؤن کوٹیکسی سے اترتے دیکھتا رہا۔
پھر ڈاؤن ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ جیگر نے جیب سے ایک
ٹرانسمیٹر نکالا جو سگریٹ کیس کی طرح تھا۔ ایک چھوٹے
سی راڈ باہر کھینچی۔ دوسرے لمحے اس نے ایک بٹن دبا دیا۔
جھجھک کی آواز کے بعد صرف سہراہٹ کی آواز سنائی گئی۔ اور
جیگر نے منہ ذرا سا اس کے قریب کر لیا۔

”جیگر کالنگ۔ اور۔“

”باس پیٹر اسپیکنگ اور۔“

”پیٹر!۔۔۔ ون ٹو لے کر اسی لمحے ہوٹل شو براہینچ جاؤ۔
میں پارکنگ پلاٹ کے باہر کار میں ہوتا رہا منتظر ہوں۔“
”ون ٹو!۔۔۔“ اس کی حیرت بھری آواز ابھری۔ ”مگر

اس کی ایسی ہی کیا ضرورت ہے۔“

”فغول بات چھوڑو!۔۔۔ وہ غرایا۔ ضرورت کا تمہیں
یہاں آکر پتہ لگ جائے گا۔ جلدی آؤ۔ اور اینڈ آل!۔“

اس کے ساتھ ہی اس نے ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔ پھر
اس کے ہونٹوں پر ایک اسرار آمیز مسکراہٹ پھیلنے چلی گئی۔
بٹن منٹ کے بعد پیٹر شو براہینچ ہوٹل سا منے ٹیکسی سے اتر۔
جیگر کی کار کی طرف وہ فوراً لپکا۔ ٹیکسی جا چکی تھی۔

”میں کچھ سمجھ نہیں سکا سمر!۔“ وہ اس کے قریب

”رک کر بے چینی سے بولا۔
”ون ٹو لے آئے ٹیکسا، اس نے اس کی بات کو نظر انداز
کر کے سخت آواز میں بولا۔“

”ایس سہرا!۔۔۔“ وہ اس کی غراہٹ سے بول کھلا گیا تھا۔
پھر اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی پن نکال کر جیگر کی
طرف بڑھا دی۔ جیگر نے ایک لفاظہ جیب سے نکالا۔ اور
اس پن کو اس میں رکھ دیا۔ وہ پن جسے ون ٹو کہہ کر پکارا گیا
تھا۔ ایک موٹر کمپیوٹر ٹائٹیم تھا۔ جس کی کارکردگی بے حد
مختصر دائرے میں تھی۔ ایک آدمی کو ختم کیا جاسکتا تھا۔
جیگر نے اوپر سے پن کو مروڑا۔ اس طرح اس نے ٹائٹیم سیٹ
کر دیا تھا۔ اس نے اپنے قیاس سے ٹائٹیم سیٹ کیا تھا۔
یہ ایک تیر تھا جو وہ اندھیرے میں چھوڑ رہا تھا۔ تیر نشانے
پر لگ سکتا تھا۔ اور نہیں بھی لگ سکتا تھا۔ اس نے
پھر اس پن کو لفاظے میں بند کر دیا۔ پھر اس نے اس لفاظے
کو اپنی آغوش میں رکھ لیا۔ اس نے پیٹر کو گھورا۔

”ابھی ایک آدمی ہوٹل میں رہائش پذیر ڈاؤن کے لئے
لفافہ لے کر آئے گا۔ تم کسی بھی طرح اس سے ٹکرا کر
وہ لفاظہ اپنے اس لفاظے سے بدل لینا۔ اس لفاظے کا
رنگ بالکل ویسا ہی ہے۔ اس طرح یہ لفاظہ ویٹر کے

ذریعے ڈالیں تک پہنچ جائے گا۔ اور پھر آگے۔۔۔“
وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

پیٹر کی آنکھیں سخت حیرت سے پھیل گئیں۔ اس کے
چہرے پر خوف آمیز تاثرات تھے۔ وہ جیگر کو اس طرح
دیکھ رہا تھا کہ جیسے وہ کوئی آسمانی مخلوق ہو۔ اور
جیگر کے چہرے پر سفاک مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ ایسی
مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر اس وقت پھیلتی تھی کہ جب
وہ اپنے کسی انسانی شکار کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا
تھا۔۔۔ پھر پیٹر نے لفافہ اس سے لے لیا۔۔۔

ڈالین کے ہاتھوں میں اگر ہم چھٹ جاتا تو شاید وہ بہت
زیادہ زخمی ہو جاتا۔ وہ دھماکے کی وجہ سے فرش پر گر
گیا تھا۔ اس کا سر فرش سے ٹکرایا تھا۔ اسی لئے اس
کے حواس گھم سے ہو گئے تھے۔ وہ برانس کی سیکرٹ سروس
کا چیف تھا۔ وہ بہت ہی ذہین، نڈر، بے باک اور دلیر
شخص تھا۔ اسے محکمے کی ریڑھ کی ہڈی سمجھا جاتا تھا۔
چند لمحوں کے بعد ہی اس نے اپنے ڈوبتے ذہن پر قابو پا
لیا۔ اور حواس مجتمع کر کے اٹھ کھڑا اور اس نے اٹھنے میں
سر کا سہارا لیا۔

اس کا لباس جگہ جگہ سے چھٹ گیا تھا اور خراشوں سے

خون بہنے کی وجہ سے خون کے دھبے پڑ گئے تھے۔ اور پھیلتے جا
رہے تھے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ فرش پر پڑا بریف کیس
مل گیا۔ اس نے بمشکل اسے اٹھایا۔ ابھی اس کا جسم اچھی
طرح کام نہ کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں دھندلی دھندلی
سی تھیں۔ چند لمحوں کے بعد اسے کچھ طاقت سی ملی۔ دروازے
پر اب لوگوں کی آوازوں کا شور تیز ہونے لگا تھا۔ وہ جان گیا
اگر وہ فوراً یہاں سے نہ نکلا تو اسے جواب دینا مشکل ہو جائے
گا۔ وہ سوال و جواب کے چکر میں نہ پڑنا چاہتا تھا۔ یہاں
سے وہ جتنی بھی جلدی ہو سکے نکل جانا چاہتا تھا۔ اس نے
بڑھکڑاتے ہوئے انداز میں بریف کیس کھولا اور اس میں
سے شراب کی بوتل نکالی۔ کارک کھولا۔ پھر اسے منہ سے لگالیا۔
پوری بوتل پی جانے کے بعد اسے کچھ سکون ملا اور اسے
اپنے جسم میں طاقت دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگی اور
اس کی دھندلی دھندلی آنکھوں میں چمک آگئی اور اس کی
آنکھوں کے سامنے سے اندھیرا سا بھی چھٹ گیا۔ وہ جلدی
سے کھڑکی کی طرف آیا۔ اس کے پٹ کھولے۔ اس نے فوراً
گندے پانی کی نکاسی کرنے والے پائپ کو نیچے جاتے ہوئے
دیکھ لیا۔ اس نے فوراً اس کے ذریعے نیچے اترنے کا
فیصلہ کر لیا۔

اب دروازے پر دستک ہونے لگی تھی۔ پھر دوسرے دروازے کو پیٹ جانے لگا۔ وہ فوراً کھڑکی پر چڑھ گیا اور ہاتھوں سے پائپ کی مضبوطی کا اندازہ لگایا۔ اور اس کی مضبوطی دیکھ کر وہ خوش ہو گیا۔ دروازہ شاید اب توڑا جانے لگا تھا۔ ہم کے دھکے سے لوگ پریشان ہو کر دروازہ توڑنے لگے تھے۔ اس نے بڑبڑا کر دروازہ توڑنے والوں کو برا بھلا کہا۔

پھر۔۔۔ اس نے ہمت کر کے پائپ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور نیچے پھسلنے لگا۔ اسی وقت دروازہ چرچرایا مگر اب اسے کوئی پرواہ نہ تھی۔ وہ پائپ سے پھسلتا ہوا آخر کار نیچے آگیا۔ اس کی حالت بہت خستہ تھی۔ وہ جانتا تھا کہ پولیس اسے دیکھ کر پکڑے گی۔ دوسرے کوئی ٹیکسی والا بھی سے اس حالت میں ٹیکسی میں نہ بٹھائے گا۔ اس سچو الیشن نے اسے پریشان کر دیا۔ مگر اس نے حوصلہ نہ ہارا۔ وہ حوصلہ ارنہا جانتا ہی نہ تھا۔ خراشوں سے خون بہہ جانے کی وجہ سے ہ کچھ کمزوری سی بھی محسوس کر رہا تھا۔

جہاں وہ پائپ سے اتر اٹھا۔ وہاں کوڑا کرکٹ اور غلط کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ وہ جگہ سنسان اور دیران تھی۔ اس نے بریف کیس کو بغل میں دبایا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔ جب جگہ آکر نیم اندھیرے میں سڑک پر اس کے سامنے ایک کار

آکر ٹکی۔ اس نے غور سے دیکھا۔ وہ ایک ٹیکسی تھی۔ اور کوئی سواری اس سے اتر رہی تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ پھر اس کے لبوں سے آواز بلند ہوئی۔ سواری نے آگے قدم بڑھا دیئے تھے۔

”ٹیکسی والے!۔“

ٹیکسی ڈرائیور نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور چونک کر اسے حیرت بھری آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ نیم اندھیرے میں ڈائین اسے کسی مجھوت کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی حالت بہت خستہ تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ ڈرائیور ٹیکسی آگے بڑھاتا۔ وہ اس کے قریب پہنچ گیا۔

ڈرائیور کو الجھن اور تذبذب میں دیکھ کر ڈائین نے فوراً اپنی جیب سے کتنے ہی بڑے نوٹ نکالے اور انہیں ڈرائیور کی آنکھوں کے سامنے کر دیا۔

”ماربل روڈ چلو گے؟“ وہ دھیمی اور خستہ آواز میں بولا۔ نوٹ دیکھ کر ڈرائیور کی آنکھوں میں لالچ آمیز چمک لہرانے لگی اور اس نے موقع سے فائدہ اٹھانے کا سوچ لیا۔ ایک نظر اس نے ڈائین کی خستہ حالت کو دیکھا اور الجھن بھرے لہجے میں کہا۔

”سر!۔۔۔ آپ کی یہ حالت!۔۔۔ آپ کافی زخمی ہیں۔“

ڈالین نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔ اس نے پچھلا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا۔
 ”پر دواہ نہ محروم“ ڈالین آہستگی سے نزار آداز میں بولا۔
 ”جس طرح میری حالت بہت خستہ ہے۔ اسی طرح یہ نوٹ بہت زیادہ ہیں۔“

ڈالین نے نوٹ اس کی طرف بڑھا دیئے۔ اس نے نوٹ جھپٹ کر جلدی سے جیب میں بٹھولنے اور انجن اسٹارٹ کر دیا اور ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

لہانے کا تصور کرتے ہی ڈالین کے ذہن میں شدید غصے کی لہریں شعل بن کر جلانے لگیں۔ ٹیکسی ایک سنسان سڑک پر پہنچی ہی تھی کہ ڈالین نے جیب سے ریوالور نکال کر ڈرائیور کی پشت سے لگا دیا اور غڑایا۔

”گاڑی سڑک سے ذرا پرے ہٹ کر روک۔“

ڈرائیور نے لپتول کی سر د اور سخت نالی کو اپنی پشت میں دیتے محسوس کر لیا تھا۔ اس کے ہاتھ اسپرنگ پر لرز گئے۔ مگر اس نے دوسرے لمحے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ پھر اس نے بلا کسی تردد کے گاڑی سڑک سے ہٹ کر روک لی۔ دور دور تک خاموشی تھی۔

”جلدی کرو اپنے یہ کپڑے اتار کر مجھے دے دو!۔“

ڈالین نے اسے سخت آداز میں حکم دیا۔

”کپڑے!۔“ اس کی آنکھیں گہری حیرت سے پھیل گئیں۔ پھر اس نے چونک کر اطمینان کا سانس لیا۔ وہ سمجھ گیا۔ کہ اسے محض کپڑوں کی ضرورت ہے۔ قدرے پرسکون آداز میں اس نے کہا۔

”میکر پاس ایک جوڑا کپڑوں کا اور بھی ہے۔“

”چلو وہی دے دو۔ کوئی چالاکی مت کرنا۔ ورنہ تمہاری دے لاش اسپرنگ گیٹ پر نظر آئے گی۔“

ڈرائیور نے ادھر ادھر طرطول کر اسے کپڑوں کا جوڑا دے دیا۔ اس نے کار میں بیٹھے بیٹھے ہی خون آلود کپڑوں کو بدلا اور ان کی جگہ ڈرائیور کا دیا ہوا جوڑا پہن لیا۔ پھر اس نے کہا۔

”چلو گاڑی کو آگے بڑھاؤ۔ مجھے بہت جلدی ماربل روڈ پہنچنا ہے۔“

ڈرائیور نے کچھ کہے بغیر گاڑی آگے بڑھا دی اور گاڑی پھر تیز رفتاری سے بھاگتی چلی گئی۔ ماربل روڈ پر آکر ڈرائیور نے ٹیکسی روک لی۔ ڈالین نے نیچے اتر کر ڈرائیور کو مزید نوٹ دیئے۔ اور ایک طرف کوجھل دیا۔ چند قدم چل کر اس نے چہرہ کھماتے ہوئے دیکھا۔ تو ٹیکسی تیزی سے مڑ کر دوسری سڑک پر غائب ہو چکی تھی۔ اس نے چہرے سے میک اپ اتار کر اسے

ایک طرف پھینک دیا۔ اور پھر وہ ایک پتلی سی گلی میں داخل ہو گیا۔ دُور سے سمندر کا دھیمہ دھیمہ شور وہاں آ رہا تھا۔ بستی دُور تک ساحل سمندر پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس بستی کو مہاجر کیمپ کہتے تھے۔ بریف کیس اس نے دوسرے ہاتھ میں لے لیا۔ بمشکل وہ گلی ختم ہوئی۔ پھر وہ ایک مکان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے دروازے پر دھیمے انداز میں دستک دی۔ پھر دروازہ کھول کر اس کے سامنے شاؤن آ کھڑا ہوا۔

”ادہ! — آپ! —“ اس نے حیرت بھرے انداز میں ڈائین کو دیکھا۔

ڈائین نے اسے کوئی جواب دینے بغیر ایک ہاتھ سے پرے ہٹایا اور اندر آ گیا۔ کمرے میں چار آدمی موجود تھے۔ ڈائین کو دیکھ کر وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ڈائین نے زہریلی نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور سامنے کا دروازہ کھول کر ایک گیلری میں آ گیا۔ محو طرزی دُور چلنے کے بعد وہ ایک کمرے کے قریب رُک گیا۔ پھر اس نے چابی نکال کر دروازے کے قفل میں گھمائی۔ اس نے پچھلے کپڑوں سے تمام چیزیں نکال کر اس لباس میں رکھ لی تھیں۔

قفل کھل گیا تھا۔ اور ڈائین دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتا

چلا گیا۔ کمرہ جدید طرز کے فرنیچر اور دوسرے سامان سے آراستہ پیراستہ تھا۔ اس کمرے کی ہر چیز قیمتی تھی۔ سامنے سنہری ٹیپائی پر ٹیلیفون سیٹ رکھا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک بڑی ہماری الٹادہ تھی۔ ڈائین نے بریف کیس کو میز پر رکھا اور ایک گہرا سالنس لے کر اسے کھولا اور ڈائین سمیٹر آن کر لیا۔

”لیس — جیمز اسپیکنگ! — دوسری طرف سے آواز اُبھری۔“

”ڈائین! — ادور! —“ اس کی آواز میں چلتے کی سی غراہٹ تھی۔

”کیا بات ہے یہ غراہٹ کیسی؟“ دوسری طرف سے حیرت بھری آواز میں پوچھا گیا۔

”مرنے سے بال بال بچا ہوں۔“ اس کی غراہٹ اور بڑھ گئی۔

”تم نے تو مجھے اپنی طرف سے ختم ہی کر دیا تھا۔“

”کیا — میں نے تمہیں ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں کچھ سمجھا نہیں۔“ دوسری طرف سے چونکی ہوئی آواز اُبھری۔

”کیا تمہارے ہو؟“

”غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ تم سب کچھ سمجھ رہے ہو۔ مجھے براؤنس میں ہیڈ کوارٹر سے بات کرنا پڑے گی۔“

ڈالین کی آواز تلخ اور زہریلی تھی۔

دوسری طرف چند لمحے سکوت طاری رہا پھر ایک بھاری آواز گونجی۔

”شاید تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہو۔ ذرا تفصیلاً بتاؤ تمہارے ساتھ کیا ہوا؟“

یہ سن کر ڈالین شدید اشتعال میں آگیا۔ اگر اس وقت شارٹن اس کے سامنے ہوتا تو وہ اسے کچا ہی چبا ڈالتا۔ مگر وہ سامنے نہیں تھا۔ اس لئے اس نے جبڑے بھینچ کر سخت لہجے میں کہا۔

”تم نے لفافے میں جو ٹائم بم بھیجا تھا وہ میرے ہاتھوں میز پر گرتے ہی پھٹ گیا تھا۔“

”میں ایسا کیوں کرتا بھلا۔ ذرا تفصیل سے کچھ بتاؤ۔ دوسری طرف سے متعجبانہ آواز سنائی دی“ عجیب بات کی ہے تم نے۔

جواب میں ڈالین اپنے غصے کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر اس نے تفصیل سے بم کے پھٹنے کا تمام واقعہ اس کے گوش گزار دیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد جمیز کی بھاری آواز ابھری۔

”مجھے لفافے میں بم رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ تم بھی کسی

وقت احمقانہ بات کر دیتے ہو۔“

”وہ لفافہ تم نے ہی بھیجا تھا۔ پھر اس قسم کی حرکت کوئی کر سکتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے تمہارے قابل اعتماد آدمی نے لفافے میں بم رکھ دیا تھا۔“

”نہیں!“ وہ احتجاج بھری آواز میں بولا۔ ”وہ بہت بھروسے کا آدمی ہے۔ تمہارے بنگلے کی نگرانی والا آدمی غائب ہو گیا تھا۔ یہ سب کچھ تم نے ہی بتایا تھا۔ اسی کے خوف سے تم نے بنگلہ چھوڑ دیا تھا۔ لیکن ہے۔ اسی کی یہ حرکت ہو۔ شاید کونٹر مین کے قریب کسی بھیس میں کھڑے ہو کر اس نے تمہارے نام بھیجنے والے لفافے کے بارے میں میرے آدمی کی بات سن لی ہو۔“

ڈالین چونکا اور پھر اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”اوہ!۔۔۔ یہ ہو سکتا ہے۔“

پھر اس کا غصہ سمندر کی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور وہ نرم سا رہا ہو کر بولا۔ ”در اصل بات یہ ہے۔ دھماکے کی وجہ سے میرے اپنے دماغ میں دھماکے ہو رہے ہیں۔ بمشکل ہوٹل سے نکل کر یہاں پہنچنے میں کامیاب ہوا ہوں۔“

”ہوٹل سے نکل کر تم نے بہت ہی ذہانت سے کام لیا ہے۔ ورنہ تم کمرے میں دھماکے کی وجہ سے بہت سی الجھنوں

میں پھنس سکتے تھے۔ میں حیران ہوں یہ لغافے کی تبدیلی کس نے کی ہے۔“

”شاید یہاں کی سیکرٹ سروس نے یہ کام دکھایا ہو۔“ ڈائین المجہد کر بولا۔

”بالکل نہیں۔ وہ آسانی سے ہتھیں گرفتار کر سکتی تھی۔ یا ہتھاری نگرانی کر سکتی تھی۔“

”دہوں! ڈائین نے ایک گہرا سانس لیا۔ آخر یہ کس کی حرکت ہے؟“

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد جینے کہا۔

”یہ کسی دوسری پارٹی کا کارنامہ بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے۔ جو پارٹی اس ملک میں دھماکے کر رہی ہے اور لاشوں کو پانی بنا رہی ہے۔ یہ اسی کی حرکت ہے۔ ہمارے آدمیوں نے بتایا ہے کہ ایک اور سفید فام پارٹی ہیرا اور منشیات کا کاروبار تیزی سے پھیلا رہی ہے۔ وہ اسمگلنگ کے دھندے میں بھی بڑی تیزی دکھا رہی ہے۔ ان جیسی تیزی سے ہمارے آدمی یہ دھندا نہیں کر رہے ہیں۔“

”یہ تو کوئی زبردست پارٹی ہے۔“ ڈائین فکر مندی سے بولا۔ ”اس کا فوراً پتہ کرو ورنہ ہمارا کام بگڑ سکتا ہے۔“

”فکرت کرو۔ میں جلد ہی اس پارٹی کا پتہ معلوم کر دوں گا۔“

جینے نے پُر عزم آواز میں کہا۔
”اب تم آرام کرو۔“

”ٹھیک ہے اور اینڈ آف!۔“ یہ کہہ کر ڈائین نے ٹرانسمیٹر آف کر دیا اور بریف کیس کو بند کر کے آہنی الماری میں رکھ دیا۔ پھر اس نے الماری میں سے ایک شراب کی بوتل نکالی اور اسے غٹا غٹ پی گئی اور خالی بوتل کو ایک طشہ پھینک دیا۔ پھر اس نے صوفے پر آرام سے لیٹ کر ایک سنگار سلگایا اور لمبے لمبے کش لینے لگا۔
لمحوں بعد دروازے پر دستک کی آواز گونجی۔ ڈائین چونکا اور اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات پھیلنے لگے۔ اس نے غصیلے انداز میں اٹھ کر دروازہ کھولا۔ ایک آدمی اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں مرہم پٹی کا سامان تھا۔

”مجھے شارٹن نے کہا تھا آپ کو مرہم پٹی کی ضرورت ہے سو میں آگیا۔“ وہ مؤدبانہ بولا۔

ڈائین لودار کو چند لمحے گھورنے کے بعد مسکرا دیا اور نرمی سے کہا۔

”میں واقعی مرہم پٹی کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔ تار من آؤ بیٹھو!۔“ یہ کہہ کر وہ صوفے پر آ بیٹھا اور تار من کسی

ماہر ڈاکٹر کی طرح اس کی مرہم پٹی کرنے لگا۔ اس اثناء
میں آنکھیں موند کر ڈھین ہونٹوں سے سگار کا دھواں
اُگلتا چلا گیا۔

پاکستانی پوائنٹس
عظیم

نے سلیمان کی بنائی ہوئی چائے کا آخری گھونٹ
پیا ہی تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی ٹرٹرائی۔ اس نے بے بسی
اٹھا کر غرائے ہوئے کہا
”کسے تکلیف ہے“
”بیک زیرو اینڈ“ بیک زیرو مسکر کر بولا۔
”سفید پرندوں کا کیا حال ہے“ عمران چہرہ کا۔ ”اور تمہاری کالی
محبوبہ کس حال میں ہے پیارے۔ بیک زیرو“
”یہ کام میں نے تنویر کو سونپ رکھا ہے۔ عمران صاحب۔
ہوٹل کے کوٹر کلرک نے ہوٹل میں رہائش پذیر ہونے والے
جس سفید فام کا حلیہ بنایا تھا۔ ہمارے ریکارڈ میں اس جیلے کا

کوئی آدمی نہیں ہے۔ میں نے اس جیلے کو تمام ممبران کے گوش گزار کر دیا ہے۔ اور وہ اسے پورے شہر میں تلاش کر رہے ہیں مگر ابھی تک کوئی رپورٹ نہیں ملی۔

”میرے کرو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اللہ ہی دے گا۔“ عمران چمک کر بولا۔ ”تنویر نے کیا رپورٹ دی ہے۔“

”وہ اس مشتبہ بنگلے کی نگرانی میں لگا ہوا ہے اس بنگلے میں چار آدمی مقیم ہیں ایک کو پیٹر کہا جاتا ہے۔ دوسرے کو جیکر کہہ کر بلایا جاتا ہے۔ اور وہی ان کا باس ہے۔ دوسرے ناموں کا ابھی پتہ نہیں چلا جو نفاق جیکر نے پیٹر کو دیا تھا۔ وہی نفاق کو ٹریپر پہنچا گیا تھا اصل نفاق اس آدمی سے پیٹر نے لے لیا تھا۔ اس نفاق کے بارے میں معلومات مل چکی ہیں وہ نفاق اس سفید فام بنگ پیہنچا گیا تھا۔ نفاق لے کر پیٹر بنگلے میں آگیا تھا اور جیکر وہیں رک گیا تھا۔“ بیک زیرو نے کہا۔

”یہ رپورٹ کسی حسینہ کے جسم کی طرح جاندار ہے۔ آج کل تنویر اچھا جا رہا ہے۔“

”میں چاہتا ہوں اب جیکر اور اس کے ساتھیوں سے پیٹ لیا جائے۔“ بیک زیرو بولا۔

”ابھی ان سے پٹنے کا وقت نہیں ہے ہمارے لئے دوسری پارٹی

ریس کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد کوئی اس قسم کا قدم اٹھائیں گے۔ یقین ہے جیکر اور اس کے آدمی ہمارے لئے دوسری پارٹی ٹریس گئے۔ ان کے ذریعے ہم دوسری پارٹی تک پہنچ جائیں گے۔“

”یہ سب کیا چکر ہے۔“ بیک زیرو الجھتے ہوئے بولا۔

”مونگ کی دال اپنے کھانے میں شامل کر لو۔ اللہ کے فضل و کرم پر جیکر کو جلدی سمجھ جایا کرو گے۔“ عمران چیونگم چبانے ہوئے۔ ”پیارے کالے صفر۔ غور سے سنو۔ ان میں ایک پارٹی ہے کچن کے ملک میں تجربہ کرنے کرنے ڈاکٹر افتخار زیدی اور کانائب اسرار زیدی فرار ہوئے ہیں۔ یعنی ماری ٹابینہ پارٹی دوسری پارٹی ان لوگوں پر مشتمل ہے۔ جو تھیسوری کے بارے میں کمریہاں بھاگے آئے ہیں۔ اب دونوں پارٹیوں کی یہ کوشش کہ جلد سے جلد تھیسوری حاصل کر لیں۔ اسی لئے وہ آپس میں لڑ رہی ہیں اور یہ ٹکراؤ ہمارے لئے بے حد مفید ہے۔ جس طرح ند عرق گاؤزبان کے ساتھ کھائی جائے تو قبض کے لئے رہے اور قبض۔“

”بس بس۔! میں نہ نام فائدے سمجھ گیا ہوں عمران صاحب۔“

”یہ پروئے نے کہا۔“ اب میرے لئے کیا حکم ہے۔“

”ایک ٹوکھ دیتا ہے“ عمران سنجیدگی سے بولا۔ ”کہ لیب کے گرد سے فوجیوں کو ہٹا دیا جائے ایک ٹوکھ کا خیال ہے کہ اس طرح مجرم کھل کر سامنے آجائیں گے۔“

”کیا خاور اور چوہان کو بھی ہٹایا جائے۔“ بیک زیرو سچٹا سا گیا۔

”نہیں۔ نہیں۔ انہیں نگرانی پر رہنے دو۔“ تنویر کی رپوٹ سے وقفے وقفے بعد میرا خبر رہنا ضروری ہے۔ یوں کرو کہ صفدر کو بھی تنویر کے ساتھ ہی لگا دو۔ Shabbir SA

”بہت بہتر سر۔“ بیک زیرو نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

عمران نے ریسور کو کیریڈل پر پٹخ دیا۔ اور پیکٹ سے چیونگم نکال کر اس کا ریمپراتار اور اسے منہ میں رکھ کر چبانے لگا۔ پیکٹ اس نے پھر حیب میں رکھ لیا تھا۔

جگمگ کے آدمی پیٹر نے لفافے والے مقامی آدمی کو خرید لیا تھا۔ اسے لفافہ تبدیل کرنے میں ذرا بھی دقت نہ ہوئی تھی پھر جگمگ نے پیٹر کو واپس بھیج دیا تھا اور جگمگ کار میں ہی بیٹھا رہا تھا۔

دفعۃً جھپٹیک اسی وقت جو اس نے ٹائم ہم میں رکھ کر کیا تھا ایک دھماکہ ہوٹل میں ہوا۔ اس دھماکے کی آواز سن کر جگمگ کے ہونٹوں پر فاختانہ تبسم لہانے لگا اور اس کے چہرے پر خوشی کے تاثرات پھیلتے چلے گئے۔ وہ کار سے اترا اور اس کے قدم ہوٹل کی طرف اٹھنے لگے۔

دھماکے نے ہوٹل میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا تھا لوگ بوکھلاے اور گھبرائے ہوئے انداز میں ادھر ادھر جھاگ رہے تھے چونکہ

دھماکے کی آواز کو آٹھویں منزل سے سنا گیا تھا۔ اس نے لفظ اور بیڑھیوں پر لوگوں کا کافی ہجوم تھا۔
 مینجر نے ٹیلی فون کر کے پولیس کو بلا لیا پولیس کے آنے سے پہلے ہی وہاں سے جیگر نو دو گیارہ ہو گیا اس کے ہونٹوں پر ایک سنگدل مسکراہٹ موجود تھی۔ اس نے کار کو بوڑن دیا اور تیزی سے ایک سڑک پر آگیا۔

پھر اس نے بنگلے کی طرف جانے والی سڑک پر کار کو ڈال دیا۔ اور اس کی کار تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔

اپنے بنگلے کے کپاؤنڈ میں جیگر نے کار روک دی اور اتر کر بین گیسٹ نمک آیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر داخل ہونا چلا گیا۔ وہ تھوڑی دیر گیسری میں چلا پھر مڑ گیا۔ پھر وہ ادھر ادھر دیکھ کر دیوار کے قریب آیا اور وہاں نصب ایک دیوار کے رنگ کا بٹن دیا۔ اس کے پیروں کے پنچے سے اسی لمحے فرش کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا کھسک گیا۔

اس نے نیچے دیکھا۔ بیڑھیاں نظر آرہی تھیں۔ پھر وہ تیزی سے بیڑھیاں اترتا چلا گیا۔

جب وہ آخری بیڑھی پر پہنچا تو اوپر فرش کا ٹکڑا پھر اپنی جگہ پر آگیا۔ پھر وہ نہہ خانے میں چلا گیا۔ اس نے ایک کمرے کا دروازہ کھلا۔ جیگر نے اس لاکڑ کمرے کو جیب میں سے جانی نکال کر کھولا۔

اور اندر گھستا چلا گیا اس کی جیب سے جمعہ جمعہ کی آواز آرہی تھی۔ اس نے فوراً جیب سے ٹرانسمیٹر نکالا جو سگریٹ کیس کی طرح تھا اس کی راڈ بائرنکالی۔ اب سراسر ہٹ کی آواز آنے لگی جس کا مطلب تھا کہ رابطہ قائم ہو گیا ہے۔ چھر سر سر کی آواز پر بھاری ایک انسانی آواز ابھری۔

"ماشین دس ایٹنڈ — اور —"

"باس جیگر اسپیکنگ اور —"

پھر اس نے کہا۔ "کچھ پریشان ہو ماش"

"نہیں سر —" ماش نے جلدی سے کہا۔ "سرایک آدمی

بیڑ کے تعاقب میں یہاں آ پہنچا ہے"

"بیڑ کے تعاقب میں" وہ جیت زدہ رہ گیا۔ "کیا تم اسے پکڑ چکے ہو؟"

"نہیں —" اس نے موڈ بانہ لچے میں کہا۔ "کیا اسے پکڑ لیا

جائے آپ سے ہی پوچھنا تھا"

"بیوقوف اسے فوراً پکڑ لو۔" جیگر غرایا۔ "اسے لے کر

ریڈ بنگلے پہنچو میں وہیں ہوں۔ بیڑ کیا تمہارے پاس ہے؟"

"یس سر —"

"ٹرانسمیٹر اس کے حوالے کرو۔" باس جیگر کی غراہٹ تیز

تھی۔ تھوڑے سے سکوت کے بعد بیڑ کی آواز ابھری۔

اس بار میں کسی غلطی یا کوتاہی کو معاف نہ کروں گا۔
"او کے باس۔"

"اور اینڈ آل۔"

اس کے ساتھ ہی باس نے سلسلہ منقطع کر دیا اور ٹرانسمیٹر آف
کے جیب میں ڈال دیا۔
باہر کار کی آواز سنائی دی۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانک کر
دیکھا ایک سرخ رنگ کی ٹویٹا پورچ میں رک گئی تھی اس میں سے
اس کا ساتھی اتر آیا وہ ماشن تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ماشن کمرے میں داخل ہوا۔ میں تعاقب
کرنے والے کو پکڑ کر لے آیا ہوں باس۔ اس کا اچھہ بہت ہی موڈ ہانہ
تھا۔ "پیٹر بنگلے کی نگرانی کرنے میں مصروف ہے۔"
"کوئی دقت تو نہیں ہوئی؟" باس نے پوچھا۔

"بالکل نہیں باس۔ ہم اس پر اچانک ٹوٹ پڑے۔ وہ
بے بس ہو گیا۔ اس کی موٹر سائیکل کو ہم کچھ دور چھوڑ آئے ہیں۔"
وہ بولا۔

یہ سرخ بنگلہ جس میں جیگر موجود تھا مہاجر کیمپ کے آخر
میں ایک ویلن جگہ پر بنا ہوا تھا۔ اس سے ذرا فاصلے پر چٹانیں تھیں
اور سمندر کا پانی ان سے ٹکراتا شور مچا رہا تھا۔ بنگلے کے سامنے سے
ایک سڑک گزر رہی تھی۔

"پیٹر اسپینگ سر۔"
"ماشیں نے یہ کیا کیا ہے۔" جیگر کا اچھہ موت کی طرح سرد تھا۔
"معاف کیجیے سر۔ مجھے تعاقب کا ذرا بھی شبہ نہ ہو سکا۔
ہر حال وہ میرے تعاقب میں ہے۔"
"اور تم دھیان نہ کر سکے۔" جیگر سانپ کی طرح جھپٹکا۔
"مم۔۔۔ معافی دے دیجیئے سر۔ کبھی کبھار غلطی بھی ہو سکتی
ہے۔ وہ بلجنت آمین رہے ہیں بولا۔

"پیٹر۔ تم اب کافی غلطیاں کرنے لگے ہو۔ تم اس جگہ سے
بنگ تو نہیں آگے۔" جیگر زخمی سانپ کی طرح چھٹکارا لگتا رہے
تمہاری زندگی کے دن گئے جا چکے ہیں۔"
"سر اب کوشش کروں گا کوئی غلطی نہ ہو۔" وہ نروس آواز

میں بولا۔
"اسے پکڑ لو۔ اور ماشن سے کہو اسے لے کر میرے پاس
فورا آجائے۔ جلد سے وہ کس طرح لگتا ہے۔"
"مقامی آدمی ہی لگتا ہے سر۔ ہو سکتا ہے میک اپ
میں ہو۔"

"اوہ۔" جیگر کچھ نرم ہو گیا۔ "خیر اب تم اپنے بنگلے کی نگرانی
کرو۔ اس آدمی نے ہر حال میں پیچھے کسی کو اطلاع دے دی ہوگی۔
اب جو کوئی بھی بنگلے کی طرف آ کر دیکھے اس کے پیچھے جانا یاد رکھنا

چند لمحوں کے سکوت کے بعد باس کی آنکھوں میں زبردست
چمک اُٹھی۔ وہ ایک طویل سانس کھینچ کر بولا۔
"ویری ناٹس۔" اس کا لہجہ متحسنا تھا۔ "کہاں ہے
وہ۔" ۹

"ردم نمبر فور میں ہے سر۔"
"ہوں۔" باس یہ کہہ کر گھوما اور الماری کی طرف چلا گیا اس
نے وہاں سے ہینٹر نکالا وہ بہت ہی خاص قسم کا ہینٹر تھا اس پر فلر
بنے ہوئے تھے۔ جو گوشت کو نوچ لیتے تھے۔ پھر باس ماش
کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"آؤ اب تمہارے قیدی سے ملاقات کرتے ہیں۔"
اسی لمحے فون کی گھنٹی گنگنا نے لگی۔ جیگر کے قدم بے اختیار ادھر
بڑھتے چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر اس نے ریسپور اٹھایا۔ ادھر سے کچھ
کہا گیا جسے سن کر وہ عجیب سے انداز میں چونکا۔
"کیا یہ سچ ہے۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔ پھر ایک طویل
انس کھینچا۔

پھر اس کی آنکھوں میں وحشت ابھر آئی۔ اور غرایا۔
"تو ڈائن پنج نکلا ہے۔"

"بالکل پنج نکلا ہے سر۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "جب پولیس
ہوٹل کے اس کمرے میں گئی تو کمرہ خالی تھا۔"

"ہوں۔" اس نے کہا۔ اور اس کی آنکھوں میں وحشت کے
ساتھ ساتھ غیظ و غضب کے شعلے بھی لہرا نے لگے۔ اور چہرے پر
سختی اور کشتگی پھیلتی چلی گئی۔ "کوئی بات نہیں۔ اگر اس بار پولیس
اس کی لاش حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ تو جلد ہی اسے ڈاین
کی لاش مل جائے گی۔ ہیں اسے کسی حال میں زندہ نہ چھوڑوں گا اس
بار پنج نکلا تو کیا ہے۔"

اس نے سخت غصے میں ریسپور کی ٹیل پر طخ دیا اور اس کی
آنکھیں ماش کے بوکھلائے ہوئے چہرے کو گھورتی چلی گئیں۔

مسکراہٹ ناچنے لگی۔ پھر وہ مسکراہٹ ایک دم بجھ گئی۔ اس نے تنویر کی موٹر سائیکل کو سامنے درختوں کے پیچھے کھڑی دیکھ لیا تھا۔

بے اختیار اس نے سوچا۔ یہاں تنویر کی موجودگی کیا مقصد رکھتی ہے اس نے ایک سیلٹر سے پاؤں ہٹا کر بریک لگایا۔ کار کو ایک جھٹکا لگا اور رک گئی۔ اس نے سوچا بنگلہ تو یہاں سے کچھ دور ہے پھر تنویر کی موٹر سائیکل کلاس کیا کام۔

پھر وہ کار سے اتر کر موٹر سائیکل کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس نے غور سے موٹر سائیکل کا جائزہ لیا۔ اس نے درست ہی سوچا تھا وہ موٹر سائیکل واقعی تنویر کی تھی۔ اس کے ہونٹ سکڑ گئے۔ اور پیشانی تشویش کی شکنیں ابھرتی چلی گئیں۔

”وہ آکر تنویر یہاں کیا کرنے آیا ہے؟“ وہ بڑبڑایا۔ پھر اس نے ادھر دھر دیکھا۔ گرد و پیش کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ پھر اُسے اپنے ہونٹوں سے وہ منہ منی واز لگالی جس کے ذریعے سیکرٹ سروس کے نمبر ایک دوسرے کو اپنی موجودگی کی اطلاع کرتے تھے۔ اسے کوئی جواب نہ ملا۔ کئی بار اس ایسا کیا۔ اسے کوئی جواب نہ ملا۔ اب وہ تنویر کی طرف سے فکر مند ہو گیا۔ اس نے اپنی چھٹی محسوس سے انداز لگالیا۔ کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ تنویر اپنی موٹر سائیکل وڑ کر غائب تو ہو سکتا تھا۔

پھر وہ بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے کار بنگلے سے کچھ دور روک لی۔ اور کار سے اتر کر بنگلے کی طرف چلا گیا۔ بنگلے کا دروازہ کھلا

صنعدہ اپنی کار کو اڑائے لئے چلا جا رہا تھا پہلے وہ لیبارٹری کی نگرانی پر مامور تھا۔ پھر اسے فوراً ہی ایک سفید جلیے کی ایک کاپی ملی اور اسے ہوٹلوں اور دوسری اہم جگہوں پر تلاش کرنے کے لئے گیا۔ اور اب اس کام سے بھی اس کی ڈیوٹی آف کر کے اسے ب تنویر کی مدد کے لئے بھیجا جا رہا تھا۔

صبح کا وقت تھا ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اسے اچھے لگ رہے تھے۔ وہ بھی طرح جانتا تھا کہ سیکرٹ سروس میں آنے کے بعد اس کی زندگی ایک نہیں کی طرح ہے۔ وہ اپنی مرضی سے اب دنیا کی رنگینوں کا لطف نہیں کھا سکتا تھا۔ مگر وہ اس زندگی کا عادی ہو گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک

تھا۔ ہر طرف ویرانی اور سناٹا پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے ہنگلے کا اچھی طرح اترہ لیا۔ پھر وہ جیب میں ہاتھ ڈال کر ہنگلے میں داخل ہوتا چلا گیا۔ جیب میں ریو اور اس کا ہاتھ مضبوطی سے جما ہوا تھا۔

اس نے تمام ہنگلے چھان مارا۔ مگر اب وہاں کوئی نہ تھا وہ ہنگلے سے باہر نکل آیا۔ اس نے سوچا شاید تنویران لوگوں کے قابو آ گیا ہے۔ وہ اسے گرفتار ہو گیا میں سامنے اس نے ایک نیلے رنگ کی مزدا ٹھٹھی دیکھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر فیبٹ ہیٹ پیشانی پر جھکائے ایک دی بیٹھا تھا۔

صفدر ایسے غور سے دیکھنے لگا۔ صفدر کو اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی اور اس کی کار صفدر کی نظروں سے دھجھل ہوتی چلی گئی۔ پھر صفدر ایک گہرے سانس لے کر اپنی کار کی طرف گیا۔ اور اس میں سوار ہو کر چل دیا۔ اب وہ کسی ٹیلی فون بوٹھ کی تلاش میں تھا۔ اب وہ ایک پر رونق مٹرک پر گیا۔ اس نے چونک کر بیک ویو میں دیکھا۔ ایک نیلے رنگ کی کار اس کے تعاقب میں تھی۔ اس نے سوچا اس نے اس کار کو پہلے میں دیکھا ہے۔ پھر اسے فوراً یاد آیا۔ کہ اس نے اس کار کی ٹھٹھی دیر پہلے ہی ہنگلے کے سامنے دیکھا تھا۔ اور اس کا ڈرائیور اسے دیکھ کر فرار ہو گیا تھا۔ اور اب وہ اس کے پیچھے آ گیا تھا۔ وہ یہ سوچ کر مسنی خیز انداز میں مسکرا دیا۔ شکار فوراً آشکاری لپاس آ گیا تھا۔ پھر صفدر اپنی کار کو مختلف مٹرکوں سے گزار کر نسبتاً ایک ویران

مٹرک پر لے آیا۔ اس کی نظریں بیک ویو میں دیکھ رہی تھیں کچھ فاصلہ دے کر بیورنگ کی مزدا اس کے تعاقب میں تھی۔

اس مٹرک پر ٹریفک یوں سی تھی۔ دفعتاً صفدر نے کار کی رفتار کم کر دی اور اس کے ہومونٹوں پر ایک زہریلی اور تلخ مسکراہٹ پھیلی چلی گئی۔ پھر اس کی کار رینگنے لگی۔ نیلی کار اس کے پیچھے آ رہی تھی۔ جب سے ہی وہ کار قریب آنے لگی اس نے اسٹرنگ گھمایا اور اپنی کار مٹرک کے بیچ میں روک دی۔ اسی لمحے نیلے رنگ کی مزدا کے ٹائیروں نے زبردست اجتماع کیا۔ اور کار گھسیٹی ہوئی صفدر کی کار کے قریب آ کر رُک گئی۔ صفدر

نے پھر تیلیے انداز میں کار کا دروازہ کھولا۔ جیب سے ریو ایا وہ پہلے ہی نکال چکا تھا۔ اس سے پیشتر کہ سفید فام ڈرائیور کچھ سمجھ کر سنبھل سکتا وہ اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اور بجلی کی سی تیزی سے ریو اور کی زبانی سکی کپٹی سے جوڑ دی صفدر کی آواز موت کی طرح سرد تھی۔

کوئی حرکت کے بغیر فوراً ہر آ جاؤ۔ اس ریو اور میں سائینسر لگا ہوا ہے۔ کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا اور تمہارے سر کے پر خچے اڑ جائیں گے لک کون ہوتم۔ سفید فام بوکھلا گیا۔ اگر تمہارا مطلب کیا ہے۔ بہت جلد سمجھ جاؤ گے بیٹے۔ اب آ جاؤ نیچے۔ اب دوبارہ مگر کی سی زبان میں بات کروں گا

وہ سفید فام ڈرائیور بیٹھتا تھا۔ صفدر اسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اسے نیچے اترنا پڑے گا۔ اس کے نیچے اترنے سے

قبل ہی صفدر دروازے سے ایک دو قدم پیچھے ہو گیا۔ دوسری طرف گھوم جاؤ! —

اس کے نیچے اترتے ہی صفدر غرایا — اور پھر جیسے ہی پیٹر گھوما صفدر نے ریوالور کا دستہ اس کی کھوپڑی پر جما دیا۔ وہ بے ہوش ہو کر گرنے لگا۔ مگر نے سے قبل ہی صفدر اسے سنبھال چکا تھا۔ دوسری ضرب لگانے لگی ضرورت تو نہیں تھی مگر صفدر ایک محتاط ایجنٹ تھا اس نے ایک ضرب اب اس کی کینٹی پر لگادی۔ پھر اس نے ایک ہاتھ سے پیٹر کے جسم کو سنبھالتے ہوئے ریوالور کو دوسرے ہاتھ سے جیب کے توالے کر دیا۔

پھر اس نے پیٹر کے ہوش جسم کو اپنی کمار کی پچھلی سیٹ پر ڈالا پھر اس نے اس کی ٹائیٹ کھولی اور اس سے اس کے ہاتھ باندھ دیئے۔ پھر ادھر سے فارغ ہو کر اس نے سفید فام کی کمار کو اشارہ کر کے ایک طرف لگا دیا پھر اس نے اس کی کمار کے ڈیش بورڈ کی تلاشی لی۔ مگر خزانے میں بھی کچھ نہ ملا۔

پھر صفدر اپنی کمار میں آکر بیٹھ گیا۔ اور اسے یوٹرٹان دے کر شہر کی طرف موڑ دیا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد اس نے دوسری شرک اختیار کر لی۔ اب اس کی کمار دانش منزل کی طرف بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

دانش منزل کا گیٹ کھلا ہوا تھا۔ صفدر کار کو دروازے میں سے

سے گزار کر اندر لینا چلا گیا۔ برآمدے میں صدر دروازے کے سامنے جوزف ایک سیاہ چٹان کی طرح جما بیٹھا تھا۔

یونکہ صبح کا وقت تھا اس لئے شراب کی کتنی ہی بوتلیں اس کے سامنے پڑی تھیں۔ اس نے پہلی بوتل کا کاکاڑا چاہا ہی تھا کہ اسے صفدر نظر آگیا۔ اور اس نے دانت نکال دیئے۔

گڈ مارنگ! — Shabbie Sam

صفدر مسکرا کر اندر داخل ہوتا چلا گیا۔ دانش منزل کے شروع میں ایک مخصوص کمر تھا جس میں ٹیلی فون موجود تھا۔ اور اس پر ایک یوٹو کاپی آند کی اطلاع دیا کرتے تھے۔ کیونکہ دانش منزل میں سیکرٹ سروس کے ممبر خاص حصے میں ہی آجا سکتے تھے۔ ہر جگہ انہیں جانے کی اجازت نہ دی گئی تھی۔

صفدر نے کمرے میں آکر کڑیڈن سے ریسیور اٹھالیا۔ پھر اس نے ایک زرد رنگ کا ٹیڈیا بایا چند لمحوں کے بعد ہی ریسیور میں ایک یوٹو کی مخصوص آواز سنائی دی۔

کیا ہے صفدر کیسے؟ — اس کا ہونہر نم تھا وہ آپریشن روم میں اسکرین پر صفدر کو دیکھ رہا تھا۔ صفدر نے تمام واقعات ایک یوٹو کے گوش گزار کر دیئے۔ چند لمحات تک سکوت رہا۔ پھر ایک یوٹو کی آواز بھری۔

ٹھیک ہے صفدر۔ قیدی کو جوزف کے سپرد کر دو اور نمونہ کی موٹر سائیکل جلد سے جلد وہاں سے اٹھو! —

بھپک کر کہا — مگر محترمہ جانے کہاں چلا گیا —
 دروازہ وہیں ہے — مگر میری کان بیچ میں ہے — صفدر مسکرا دیا
 بائیں — تو پھر ہٹاؤ اپنی کار — خدا کی پناہ میں بھی کیوں دروازہ کہاں
 چلا گیا — صفدر نے ہنستے ہوئے کار کو پیچھے ہٹایا — اور عمران اپنی
 کار کو گیٹ میں لے آیا — اور وہیں رک گیا — اور انجن بند کر کے بڑے ہی پرسکون
 انداز میں نیچے اتر آیا — اب صفدر باہر نہ جاسکتا تھا —

عمران صاحب! اپنی کار گیٹ سے آگے کر لیجئے! میں باہر جاؤں گا!
 — اس کے لیے میں دانستہ پیدا کی ہوئی بھلاہٹ اور ناراضگی تھی —
 اسی لمحہ جوزف قیدی کو اندر پہنچا کر باہر آ رہا تھا عمران کو دیکھ کر اس نے دانت
 نکال دیئے —

اے اوکالی چٹان منہ بند کر کہیں دانت باہر نہ آگریں — عمران نے
 اسے ڈانٹ پلائی جوزف ڈانٹ کھا کر وہیں رگ گیا — نتیجہ انداز میں منہ
 کھلایا — اور وہ عمران کی بات سمجھنے کی کوشش کرنے لگا — مگر کچھ نہ سمجھ
 سکا — تو وہ بے تراسہ ہنستا چلا گیا —

”سو — سو — سو —“ اس کی یہ ہنسی بڑی فراخ تھی —

عمران نے پھر صفدر کو کار سے باہر نکال لیا — اور جوزف کو
 اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے صفدر کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف
 کھینچا اور اس کے قدم اندر کی طرف اٹھتے چلے گئے اور صفدر
 اس طرح کھینچے جانے پر احتجاج نہ کر سکا —

لو کے سر — صفدر کی مودبانہ آواز گونجی — پھر دوسری طرف سے سلسلہ
 منقطع کر دیا گیا صفدر ریور کر بڈل رکھ دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا — باہر
 آکر اس نے جوزف کو ایک ٹوکا حکم سنا دیا — اس نے کوئی تاثر ظاہر نہ کیا — اور اٹھ
 کر صفدر کی طرف بڑھ گیا — پھر اس نے کار میں سے پیٹر کا بے ہوش جسم نکالا
 اور اسے کندھے پر ڈال کر صفدر دروازے سے اندر داخل ہوتا چلا گیا —

صفدر کار بنیں بیٹھ گیا — اور انجن اسٹارٹ کر کے کار آگے بڑھا دی
 جیسے ہی وہ اپنی کار کو گیٹ سے باہر لے جانے لگا عمران کی ٹوسٹیر بھی تیزی
 سے ادھر آگئی دونوں طرف سے زوردار بریک لگے اور چندا پنچوں کے
 فاصلے پر دونوں گاڑیاں رگ گئیں — عمران نے فوراً سر باہر نکالا — اور احمقوں
 کی طرح آنکھیں جھپک کر صفدر کو دیکھا — اور پھر اسے آنکھیں پھاڑ کر غور سے
 دیکھنے لگا — پھر فوراً ہی اس کے چہرے پر پرہیزگار کی سرخی پھیل گئی اور اس نے
 زور سے نعرہ مارا —

ارے محترمہ دختر کیا حال ہے — بہن بھائی کیسے ہیں! —

اور اگر میں بریک نہ لگاتا تو اب تک یقیناً بہن بھائی ختم ہو چکے ہوتے
 —“ صفدر بھلاہٹ بھری مسکراہٹ ہونٹوں پر پھیلا کر بولا —

اسی لمحے عمران کار سے نیچے اتر آیا اور اس کی کار پر ہاتھ پھیرنے لگا —
 پھر وہ احمکانہ انداز میں اپنے سر کو کھجھانے لگا — صفدر نے حیرت سے پوچھا —

کیا بات ہے عمران صاحب —

یہاں ایک دروازہ تھا کبھی — اس نے احمکانہ انداز میں پکیس

عمران نے ساؤنڈ پروف کم کے دروازے پر نصب ہٹن دبا دیا۔ دروازہ اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔ اور صفدر عمران اور جوزف اندر داخل ہوتے چلے گئے۔ خود کار دروازہ ان کے داخل ہوتے ہی خود بخود لاکر ہو گیا۔ سنا منے پیٹر ہیٹش پڑا تھا۔

عمران کے اشارے پر جوزف اسے ہوش میں لے آیا۔ لچہ دیر تک آنکھیں کھولے وہ ان سب کو دیکھتا رہا پھر ہاچیل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ حیران تھا۔ وہ پھر جلدی سے بولا۔
”کون جو تم لوگ ہے؟“

”فرشتہ اجل کے ساتھی! اے“ عمران احمقانہ انداز میں مسکراتا رہا اور اس کی طرف دیکھ کر ہلکیں جھپکانے لگا۔ پھر اس نے غور سے صفدر کو دیکھا اور وہ سب کچھ سمجھ گیا۔ اسے صفدر بے ہوش کر کے یہاں لے آیا تھا۔ مجھے یہاں کس لئے لائے ہو؟“ پیٹر خوفزدہ ہو کر بولا۔
عمران ایک دم بوکھلا گیا اور گھبراہٹ بھری اڑ میں بولا۔

”سلیمان خان کی دعوتِ ولیمہ ہے۔ اس لئے تم ہاں لائے گئے ہو۔“

پیٹر نے گھبرا کر عمران کو گھورا۔ اس کے چہرے پر ہوش انگیز

ماثرات پھیل گئے پھر وہ فوراً عمران پر کودا۔ اس کے اس انداز میں حیرت انگیز چھڑتی اور بجلی کی سسی تیزی تھی۔ جوزف غرا کر لپکا اور اسے پیچ میں ہی اچک لپا اور اس کی پسلیوں پر لیفٹ بک جانی اور وہ دُور جا کر گرا پھر جوزف نے اسے کالر سے پکڑ کر اٹھایا اور ایک گھولنہ اس کے جبڑوں پر جما رہا۔

”زیادہ سختی کی ضرورت نہیں کالی جٹ! ان!“ عمران نے نعرہ لگایا۔ ”اگر کوئی بڑی پسلی لوٹ گئی تو تم ہی اس کے ذمہ دار ہو گے۔“

پیٹر نے حیرت سے عمران کی طرف دیکھا۔ عجیب پاگلوں سے پالا پڑا ہے۔ پھر وہ جوزف پر اچھلا۔ اب پیٹر سخت اشتعال میں تھا۔ اس نے جوزف کی بغل میں ہاتھ دیا اور ایک جوڑو کے کرتب کو آزمانے کی کوشش کی۔ وہ ایک حیرت انگیز داؤ تھا۔ جوزف جیسا لجیم شمیم آدمی اس کے اوپر سے اچھل کر نیچے آنے لگا۔ اگر عمران اسے نہ سنبھالتا وہ فرش سے ٹکرا کر سر پھوٹ بیٹھتا۔

جوزف کی آنکھیں انتہائی غصے میں چمکنے لگیں۔ اس نے حلق سے کسی درندے کی سی چیخ نکال کر پیٹر پر چھلانگ لگا دی۔ پیٹر اچھل کر ایک طرف ہو گیا اور جوزف جا کر اسی سے

دیوار سے ٹکرا گیا۔ صفدر آگے کی طرف لپکا مگر عمران نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ صفدر رُک گیا۔ عمران کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ پیڑ کے ہونٹوں سے خون بہہ کر ٹھوڑی کورنگیں بنا رہا تھا۔ دیوار سے ٹکرانے کے فوراً بعد جوزف پلٹا اور خونخوار درندے کی طرح وحشیانہ انداز میں پیڑ کو گھورا۔ اس نے پھر پیڑ پر چھلانگ لگا دی۔ پیڑ اس بار اسے ڈاج دینے میں کامیاب نہ ہو سکا اور جوزف اسے ساتھ لے ہوئے فرش بوس ہو گیا اور پیڑ کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اس نے لاتوں اور گھونٹوں کے بارش کر دی۔ عمران اگر اسے منع نہ کرتا تو شاید وہ پیڑ کو اگلے جہان پہنچا کر ہی دم لیتا۔ ”نیٹو“

”استادی دکھا رہا تھا باس!“ جوزف درندے کے طرح غرایا۔ ”باس!“ میں اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اسے پھوڑ کر ہی دم لوں گا۔

”الیسے شب تار کی — لیوں پھوڑ کر مادی لینا مجھے بھی تو کچھ پھوڑ لینے دو۔ چل پرے ہٹ“ عمران پیڑ کی طرف لپکا۔ اسے دکھا کر کڑسی پر بٹھا دیا۔ اس کا سوٹ جگہ جگہ سے پھٹ گیا تھا اور زخموں سے خون رس رہا تھا۔ اس کی حالت بڑی اتر تھی۔ ایک آنکھ بھی سوجھنے لگی تھی۔

”بڑا ہی ذلیل اور واہیات ہے یہ راسکل نیگرو۔ بہت مار ہے اس نے تمہیں!“ عمران کے لہجے کی نرمی پر پیڑ چونکا اور اسے مشبہ انداز میں دیکھنے لگا۔ پھر عمران نے اسے پانی کا گلاس دیا۔ اس نے گلاس سے لے کر پانی غٹا غٹ پی لیا۔ جیسے ہی پانی پی کر وہ غارِ غ ہوا۔ عمران کے چہرے پر چھائی حماقت بھینگ میں تبدیل ہو گئی۔ وہ عمران کے اس طرح چہرہ بدلنے پر بوکھلا گیا۔

”اپنا نام بتاؤ سفید فام!“ عمران نے گہری سنجیدگی سے دریافت کیا۔

”مجھے یہاں کس خوشی میں لایا گیا ہے۔“ وہ نام بتانے کی بجائے زور سے جی۔

”یہاں لانے کا مقصد ابھی تک نہیں سمجھے“ عمران غرایا۔ ”بڑے لٹنڈو ہیں ہو۔ کیا خیال ہے نیگرو کا ایک حملہ اور ہو جائے“ یہ سنتے ہی جوزف جلدی سے آگے پک آیا تھا۔ جوزف کے قریب بیٹھ کر بوکھلاہٹ اور گھبراہٹ کے تاثرات اس کے چہرے پر پھیل گئے۔ وہ خوفزدہ ہو کر چپلا یا۔

”میرا نام پیڑ ہے۔“ اپنے لرزتے لبوں پر وہ زبان پھیرنے لگا۔

”صفدر کا تعاقب تم نے کیوں کیا تھا؟“ عمران نے صفدر

کی طرف اشارہ کر کے اس سے پوچھا تھا۔ اسی وقت پیڑ نے ایک نظر صغیر پر ڈالی — اور پہنچنے لگا۔
”میں کسی کا تعاقب نہیں کر رہا تھا۔ مجھے غلط فہمی کی

بنا پر یہاں لایا گیا ہے۔“

”حکومت پیچ پیچ بتاؤ مسٹر پیڑ!“ عمران غراہٹ
آمینز آواز میں بولا۔ ”راسکل نیگرو کے بھاری ہاتھوں کا تم کتب
دیکھ ہی چکے ہو۔“

”مہم۔ میں پسیم ہی کہہ رہا ہوں۔“ وہ بوکھلا گیا۔
کیا تم مارٹینا کی سیکرٹ سروس سے تعلق نہیں رکھتے؟“
عمران فوراً بولا۔

یہ سن کر پیڑ اس طرح اُچھلا جیسے اسے کرنٹ نے چھو لیا ہو
پھر اس کی خوفزدہ نگاہیں عمران پر جم گئیں اور عمران کے ہونٹوں
پر زہر آلود تبسم لہرائے لگا۔ وہ اس کی طرف دو قدم آگے
بڑھا۔ اور اس کی آنکھوں سے سختی سے جھانکا۔

ہم سے تعاون سے کام لو مسٹر پیڑ!“ عمران موت کی
طرح سرد آواز میں غرایا۔ ”تم جھوٹ سے کوئی فائدہ نہ اٹھا
سکو گے۔ اگر تم نے ہمیں پیچ پیچ سب کچھ بتا دیا تو ہم تم سے
ایک اچھا سلوک کریں گے۔ ورنہ وحشی جہشی تم سے خود ہی
نبٹ لے گا۔ اس نے ایک نظر جوزف کو دیکھا۔ پیڑ گھبرا گیا۔

”مہم۔ میں کسی سیکرٹ سروس سے تعلق نہیں رکھتا۔“
”جوزف!“ عمران نے نعرہ لگایا۔ ”ذرا سفید فام
اپنی طاقت آزمائو۔“

”ابھی لیجئے باس!“ جوزف غراتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔
سے اپنی طرف آتا دیکھ کر پیڑ دہشت زدہ ہو گیا۔ وہ ہڈیانی
از میں چیخا۔

”وہیں روک جاؤ راسکل نیگرو۔“

جوزف کو عمران نے دیہی رک جانے کا اشارہ کر دیا۔ پھر
ان نے پیڑ کی طرف دیکھا۔

”اب جلدی جلدی سب کچھ اگل دو۔“ عمران غرایا۔
”نہ نیگرو زیادہ دیر انتظار نہ کرے گا۔“

”اس راسکل نیگرو کو کم سے کم باہر نکال دو۔“ وہ چلا یا۔
”تا کہ تم پھر جھوٹ کی پیڑی پر اتر آؤ!“ اب عمران درنگی
بڑا آواز میں غرایا۔ ”جلدی سے بکنا شروع کر دو۔“

”میں اسکی موجودگی میں کچھ نہ بتا سکوں گا۔“

”عمران نے کچھ سوچا اور پھر جوزف کو دیکھا۔“

”باہر جاؤ جوزف!“

”یہ ڈاج کر رہا ہے باس!“ جوزف دانت پیس کر
۔ ”میں اسے درست کر دوں گا۔“

”تم چلے ہی جاؤ جوزف کہیں مارے ڈر کے سفید فام کے
 موشن نہ شروع ہو جائیں۔“ عمران نے اسے ڈانٹا پھر کہا
 ”کیا یہاں صفائی تیرا ڈیڑی کرے گا؟“
 جوزف نے منہ بنا لیا۔ پھر ایک گہرا سانس لے کر کمرے
 سے باہر نکلتا چلا گیا۔ کمرہ اس کے جانے کے بعد پھر لا کر ہو
 گیا۔ عمران نے پیڑ کو گھورا اور پیڑ کی دھیمی اور پھنسی پھنسی
 آواز ساؤنڈ پروٹکٹر میں ابھرتی چلی گئی۔

ڈالین کیلئے صورت حال بگڑ گئی تھی۔ اس کی جگہ اب ڈالین کی
 سیکرٹ سروس نے جنیز کو ان سب کا پاس مقرر کر دیا تھا۔ جیمز ایک کابل
 ایجنٹ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ڈالین کی جگہ اسے دے دی گئی تھی۔ وہ سب
 اس وقت ایک کمرے میں موجود تھے۔ بیچ میں پٹری ہوئی میز کے گرد
 کرسیوں پر وہ بیٹھے تھے۔ جیمز ڈالین کی طرف دیکھ کر نرم آواز میں بولا
 ”ڈالین یہ محسوس نہ کرنا۔ کہ تمہاری جگہ ہیڈ کوارٹر نے مجھے اس
 اپریشن کا سربراہ مقرر کر دیا ہے۔ ہم سب یہاں مل کر اپنے ملک
 کے مفاد میں کام کرنے آئے ہیں۔ اس لئے ہم میں چھوٹا بڑا کوئی
 نہیں ہے۔ ہمیں دوستوں کی طرح مل کر کام کرنا ہے۔ اسی اپریشن

کو یہاں ایک دوسری پارٹی بھی مکمل کرنا چاہتی ہے۔ اسی لئے ہمارا اس سے یقیناً ٹکراؤ ہوگا۔ اور ہم ایک دوسرے کے اتحاد سے ہی اس سے ٹکرائے جاسکتے ہیں۔ تم میری طرف سے کسی قسم کے رنج نہ رکھتا ڈالین۔ بالکل نہیں سڑجینز۔ میں تمہاری طرف سے رنجیدہ نہیں ہوں۔ اگر میرے رویے پر تمہیں دکھ پہنچا ہے۔ تو مجھے اس کیلئے بے حد افسوس ہے۔ اس کا لہجہ معذرتی انداز لے ہوئے تھا۔ ٹھیک ہے سڑ ڈالین۔ میں اب تمہاری طرف سے مطمئن ہوں مجھے کوئی دکھ نہیں ہے۔ یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اور کمرے میں سکوت پھیل گیا۔ پھر اس سکوت کو جمیز کی آواز نے ہی توڑا۔

یہاں کی سیکرٹ سروس اس آدمی کے پیچھے لگ چکی ہے۔ جس نے لغافہ تبدیل کیا تھا۔ ظاہر ہے یہ دوسری پارٹی کا کام ہے۔ سیکرٹ سروس اب اس پارٹی کی طرف متوجہ ہے۔ اس طرح ہمیں اپنے مشن کو سرانجام دینے کیلئے کافی مل جائے گا۔ اور اس دوران میں دوسری پارٹی کے بارے میں بھی علم ہو جائے گا۔ اب دونوں ٹائمرز کی نگرانی پر سیکرٹ سروس نے اپنے آدمی ہٹائے ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ خفیہ طور پر وہ نگرانی کر رہے ہوں۔ مگر وہ ہم پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ کیوں سڑ ڈالین؟ ڈالین خاموش رہا۔ جمیز پھر کہنے لگا۔ پھر بھی دشمن کو کمزور سمجھا احمق نہیں ہے

سے ہمیں دو دو ہاتھ کرنا پڑیں گے۔ ڈالین نے ناگواری سے منہ بنالیا۔ اس نے جیب سے سگارا لیا اور اسے سلکا کر گہرے گہرے کش لینے لگا اس طرح اس نے قدر سکون محسوس کیا جیسے آپ کہتے ہیں ٹھیک ہے۔ مگر میرا دل کہتا ہے کہ عمر اس سے دو دو ہاتھ کرنے ہیں بہت ہینکے پڑیں گے۔ ویسے آپ جائیں آپ باس ہیں۔

شکریہ! جمیز کا لہجہ زہریلا تھا۔ ڈالین نے ایسے خوش کیا اور اس کا سنہ بگڑنا چلا گیا۔ اسے جمیز کا یہ انداز بے ناگوار گزرا تھا۔

”تمہاری غلطی کی وجہ سے ڈالین!۔“ جمیز نے سنجیدگی سے کہا۔ اور کسی نے تمہارے بنگلے کی نگرانی کی اور میرے ساتھ ہونے والی تمہاری گفتگو سُن لی۔ اس کے بعد لغافہ بدل لیا گیا اور تمہارے کمرے میں دھماکہ ہوا۔ تم بڑی مشکل سے جان بچا سکتے۔“

”تم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ اس نے ہماری گفتگو سُن لی ہو گی۔ ڈالین نے اسے گھور کر کہا۔ ”ہو سکتا ہے وہ ہمارے ہاں سے پہلے ہی واقفیت رکھتا ہو۔“

”ایسا نہیں ہو سکتا۔“ جمیز نے انکاری صورت میں گردن ہلاتی۔ ”تمہاری غلطی اور نگرانی کرنے والے شخص کی وجہ سے سیکرٹ سروس ہماری طرف متوجہ ہوئی ہے۔“

ڈالین خاموش رہا۔ وہ دل ہی دل میں بیچے کتاب کھا رہا تھا۔
جینز کی سخت آواز ابھری۔

”مسٹر ڈالین — عمران کو ہر حالت میں راستے سے ہٹانا
پڑے گا۔“

دفعتاً ڈالین نے جیسے کوئی فیصلہ کر لیا ہو۔
”ٹھیک ہے باس۔“ وہ گہرا سانس لے کر بولا۔
پھر جینز نے انہیں کچھ ہدایات دیں۔ اس کے بعد وہ سب
اپنی اپنی گرسی سے اٹھتے چلے گئے۔ دوسرے ساتھیوں نے
ان کی گفتگو میں کوئی دخل نہ دیا تھا۔ کیونکہ وہ تو محض ہدایات
پر عمل کرنے والے کا رہتے تھے۔

تنویر ایک ستون کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ جیگر ایک
ہینٹر کو ہاتھ میں لے کر اسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس
کے قریب ہی ماش کھڑا تھا۔ ماحول دلہوز سے سکوت میں
ڈوبا ہوا تھا۔ اس دلہوز خاموشی کو قطع کر کے جیگر بادل کی طرح
گرجا۔

”اپنا نام بتاؤ!“

”چکرورتی!“ تنویر کی آواز میں بے پرواہی تھی۔

”تم نے پیٹر کی نگرانی کیوں کی تھی؟“

”کون پیڑا“ اور یہ نگرانی والی بات کیوں کی تھی۔ میں کسی کی نگرانی نہ کر رہا تھا بلکہ ادھر سے گزر رہا تھا کہ کچھ آدمیوں نے مجھ پر حملہ کیا اور شاید میں بیہوش ہو گیا۔ جب سے میں ہوش میں آیا ہوں۔ اسی ستون سے ہی بندھا ہوا ہوں۔“ تنویر بھر ذرا سخت آواز میں بولا۔ ”مجھے یہاں کیوں باندھا گیا ہے۔“

”زیادہ چالاک مت بنو مسٹر! جیگر نے غیض و غضب بھرے انداز میں ہنٹر کو چپکے میں گھمایا۔ ”ڈولین میرے لئے ابھی بچتے ہیں۔ وہ میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ بتاؤ اس نے تمہیں کیا معاوضے پر خرید لیا تھا۔“ تنویر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں مگر بھر وہ فوراً ہی سنبھل کر اور سوتھ کر بولا۔

”میری کسی ڈولین سے واقفیت نہیں ہے۔ تم ایک شریف شہری کو اغوا کر کے اس طرح جبری بے جا میں نہیں رکھ سکتے یہ خلاف قانون حرکت ہے اور اس کی تمہیں کڑی سے کڑی سزا ملے گی۔“

”سنرا کی ایسی تیسری ہے۔ میں جیگر ہوں۔ میرا اپنا ایک قانون ہے بتاؤ ڈولین سے تم نے کیا معاوضہ لیا ہے۔ مجھے اس کا پتہ بتاؤ جو معاوضہ تم نے اس سے لیا ہے۔ اس سے تمہیں

زیادہ معاوضہ تم مجھ سے لو اور اس کا پتہ بتا دو۔“ وہ یقین جانو فرنیڈ! ”تنویر سنجیدگی سے بولا۔ ”میں کسی ڈولین کو نہیں جانتا۔“

”بند کرو اب یہ بک بک! جیگر کسی زخمی چیتے کی طرح غرایا۔ ”ڈولین ایک بار مجھ سے بچ نکلا ہے۔ اب میرے ہاتھ آگیا۔ تو فنا کر دوں گا۔ بس اس کا پتہ مجھے بتا دو۔ ہوٹلے سے فرار ہو کر وہ نہ جانے کہاں جا چھپا ہے؟“

تنویر کو جیگر ایک پاگل کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے خاموشی میں ہی عافیت سمجھی۔ جیگر اس کی خاموشی پر سٹپٹا گیا۔ وہ اس وقت ایک زخمی درندے کی طرح خونخوار دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں سے ڈولین بچ نکلا تھا۔ اور اس اتفاقات نے اسے تلملا کر رکھ دیا تھا۔

”تمہیں نگرانی پر کس نے لگایا تھا؟“ وہ جیگر کو خونخوار نظروں سے دیکھ کر غرایا۔

”مم۔ میں بتا چکا ہوں فرنیڈ۔ میں کسی کی نگرانی نہیں کر رہا تھا۔ شاید تم کسی بھول میں پھنس گئے ہو۔“

”ہوں!۔“ وہ خوف ناک انداز میں گر جا اور اب تم ایک زبردست مصیبت میں پھنسنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی اس نے تنویر کی طرف جوش بھرے انداز

میں ہنٹر چلایا۔ شٹراپ کی حد تک آواز فضا میں گونجی اور
ہنٹر تنویر کے جسم پر پڑا۔ جب ہنٹر پیچھے پڑا تو اس کے
جسم سے گوشت نوح کر لے گیا اور خون کے چھیلٹے اڑے
تنویر کے منہ سے ایک جھیا نک چنچ نکلی۔ جیگر نے ہنٹر پیٹا
اور اسے دوسری بار تنویر پر استعمال کرنے کی تیاری کرنے
لگا۔ اس کی غرابٹ بھری آواز گونجی۔

”سٹر چکورتی!“ میں تہیں ایسے چکر دوں گا۔ کہ ان
چکروں میں ہی تہا رادم نکل جائے گا۔ میں اس ملک میں
یونہی نہیں آیا۔ میرا مشن یہاں سے کامیاب ہو کر جانا ہے
اس مشن پر ایک غلطی کی وجہ سے میں نے اپنے ایک ساتھی
کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ تم تو کیا چیز ہو۔ تمہارا وہ
حشر کروں گا کہ تم تصور بھی نہ کر سکو گے۔“ اس کے ساتھ ہی
اس کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا۔ تنویر کراہ آمیز انداز میں چیخا۔
”پپ پانی پلاؤ مجھے۔ بتاتا ہوں۔“ وہ ہونٹوں پر
دہشت بھرے انداز میں زبان بھیرنے لگا۔ جیگر نے ماش
سے پانی کا گلاس لانے کے لئے کہا۔ چند لمحوں کے بعد
ماش نے پانی کا گلاس تنویر کے ہاتھ میں سہمادیا۔ وہ گلاس کا
پانی اس طرح پی گیا جیسے صدیوں کا پیاسا ہو۔

”اس نے مجھ سے ٹیلیفون پر بات کی تھی۔“ تنویر ایک

گہرا سانس لے کر دھیمی آواز میں بولا۔
”رقم کی ادائیگی بھی کیا اس نے ٹیلیفون پر کی تھی۔“
جیگر نے اسے گھور کر طنز سے کہا۔

”اس نے لفافے میں آدھا معاوضہ ڈال کر مجھے کسی
آدمی کے ہاتھ بھجوا تھا۔“ تنویر بولا۔ ”اور باقی نصف رقم
مجھے مشن مکمل کرنے کے بعد ملنی تھی۔ اس آدمی کو میں جانتا
ہوں جو مجھے لفافہ دے گیا تھا۔ وہ ایک مقامی معمولی غنڈہ
ہے۔ اور معاوضہ لے کر چھوٹے موٹے کام کرتا ہے۔ بڑی
واردات اس نے کبھی نہیں کی۔“
یہ سن کر جیگر کی آنکھوں میں تیز چمک نمودار ہو کر پھلتی
چلی گئی۔

”اس غنڈے کا پتہ بتاؤ۔ وہ کہاں ملے گا؟“
جیگر نے اسے گھور کر پوچھا۔
”مجھے اس کا صحیح پتہ تو نہیں معلوم مگر وہ اکثر کیفے شیلڈن
میں دیکھا جاتا ہے۔“
”اس کا حلیہ بتاؤ؟“

”تنویر نے ایک گہرا سانس لیا اور ہونٹوں پر زبان
پھراتے ہوئے اس شخص کا حلیہ بتا دیا۔ وہ ایک فرضی شخص
تھا۔ جیگر الجھن بھرے انداز میں کچھ سوچنے لگا اور کہے

میں سکوت پھیلا رہا۔ چند لمحوں کے بعد جیگر کی سخت آواز نے سکوت کو درہم برہم کیا۔ وہم نے کتنی بار ڈائین کو رپورٹ دی ہے؟

”میری سمجھ میں نہیں آتا یہ ڈائین کون ہے؟“ تنویر بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

”وہی جس کے لئے تم کام کرتے کرتے یہاں تک پہنچے ہوئے“ وہ اسے زہریلے انداز میں بولا۔

”ہوں۔ تو وہی ڈائین ہے؟“ تنویر ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ ”میں اسے کوئی رپورٹ نہیں دے سکا۔“

”جب تم اسے رپورٹ دو گے تو کیا طرفیت اختیار کرو گے؟“ جیگر نے غراہٹ آمیز آواز میں پوچھ لیا۔

”میرے پاس اس کی طرف سے ایک بھیجا ہوا فون منبر ہے ظاہر ہے میں اسے اسی منبر پر رنگ کر کے رپورٹ دوں گا۔“

”دیری نائس!“ جیگر کے چہرے پر سہلی بار ایک دل کشی مسکراہٹ اچھری۔ پھر وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا اور جب وہ بولا تو اسی کی آواز موت کی طرح سرد تھی۔

”تم جھوٹے اور مکار ہو۔ سمجھ لو۔ تم مجھے یہ کہانی سننا کر احمق نہیں بنا سکتے۔“

”مم۔ میں نے جھوٹ نہیں کہا۔ وہ بوکھلا کر بولا۔

”میں جھوٹ اور سچ کو پر کھنے کی تمیز رکھتا ہوں۔“ وہ عصبیلی آواز میں غرایا اور پھر اس نے غیض بھرے انداز میں ہنٹر کو لپیٹ لیا اور دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ تاکہ آسانی سے اس ہنٹر سے تنویر کے جسم کو ادھر سے لے سکے۔ اس نے ہنٹر لہراتے ہوئے عصبیلی آواز میں کہا۔

”وہ میں سچ جاننا چاہتا ہوں!“

”جو کچھ سچ تھا بتا چکا ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ تم اس سچ کو حلق سے نہیں اتار سکے۔ تنویر نے بے پردہی سے کہا۔ جیگر جھپٹا۔

”حقیقت بتاؤ!“ جیگر غیض و غضب میں بھر گیا اور ہنٹر کو لہرایا۔ وہ ہنٹر تنویر کے جسم پر مارنا ہی چاہتا تھا کہ اسے ایک زوردار آواز نے چوٹ لگا دیا۔

”حقیقت کیا ہے۔ یہ میں بتانے کے لئے آگیا ہوں مسٹر جیگر!“

دروازے کی سمت سے آنے والی آواز پر جیگر گھوما۔ سب چونک کر ادھر دیکھ رہے تھے۔ عمران کو دروازے پر کھڑا دیکھ کر تنویر کے خشک ہونٹوں کے گوشے گہرے تبسم میں ڈوب گئے۔ عمران وہاں کھڑا احمقانہ انداز میں آنکھیں جھپک رہا تھا۔ اس کے ہاتھ یہی بجاری ریلو والہ

متھا۔ جس کا رخ جیگر کی طرف تھا۔
 عمران کو اس انداز میں دیکھ کر جیگر مسکرا دیا۔
 ”مسٹر عمران — پاکیشیا سیکرٹ سروس کی ناک“
 عمران نے احمقانہ انداز میں قہقہہ لگایا۔ ”دیکھ لو میری
 ناک خوبصورت اور ستواں ہے — اب تمہاری ناک شاید
 پچک جائے۔“

”یہ یک یک بند کرو عمران — بس تمہارے کسر پوری
 ہو گئی۔ باقی تمہارے سب ہی ساتھی ہماری قید میں ہیں —
 اسیٹھو ہمارے ہاتھ نہیں لگ سکا۔“

عمران ایک دم چونکا۔ اس کے دماغ کو ایک زبردست
 جھٹکا لگا۔ جیگر ایک فائنٹ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔
 ”دیوار کو نیچے کر لو عمران — تم مجھے اس کھلونے سے
 خوفزدہ نہیں کر سکتے۔ شاید تمہیں میری بات کا یقین نہیں
 آیا۔“

چہرہ اسے گھور کر بولا۔ ”ٹھہرو — میں ابھی تم کو
 اپنی بات کا یقین دلاتا ہوں — مگر کوئی حرکت مت کرنا۔
 ورنہ تمہارے سب ساتھی موت کی آغوش میں ہمیشہ ہمیشہ
 کے لیے آرام فرمانے چلے جائیں گے۔“
 یہ کہہ کر وہ دیوار کی طرف لپکا۔ ایک بٹن دبا دیا۔ عراض

کو اس وقت جیگر کوئی شعبہ باز لگ رہا تھا۔ دیوار میں ایک
 بڑا دروازہ نمودار ہو گیا — اور دروازے سے پار دیکھ کر عمران
 حیران و پریشان ہو گیا۔ تنویر بھی ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے
 چہرے پر بھی حیرت کے زبردست آثار تھے۔ اور آنکھیں پھٹ
 گئیں تھیں۔ ان کے ساتھی سنوٹوں کے ساتھ بندھے کھڑے تھے
 چند لمحوں کے بعد جیگر کی آواز گونجی۔

”اچھی طرح پہچان لو عمران — یہ سب تمہارے ساتھی
 ہی ہیں۔“

عمران اب سنبھل گیا تھا۔ وہ احمقانہ انداز میں آنکھیں
 جھپکا کر بولا۔

”وہ جیگر — مسٹر شعبہ باز جیگر“ — ”کتنا سکیپ
 اپنے کمرے میں جمع کر رکھا ہے — اس کو ڈے کھاڑ
 سے بھلا مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ میں تو تمہاری شادی
 کی تقریب میں آیا ہوں۔“

جیگر چونکا — وہ حیران تھا کہ عمران کتنے زبردست اور
 مضبوط اعصاب کا مالک ہے۔ اپنے ساتھیوں کو دیکھ کر
 ذرا بھی پریشان نہیں ہوا۔ پھر اس نے غراہٹ آمیز آواز میں
 کہا
 ”اس کو ڈے کھاڑ کو جمع کرنے میں میرے دس آدمی مارے

انہیں زیادہ بہت نہ ملی۔ انہیں بھی کسی طرح بے ہوش کر دیا گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر باکس نے ماش کی طرف دیکھا اور اس سے کہا۔

”دوسرے ساتھیوں کی مدد سے ان سب کو اٹھا کر لے جاؤ۔ اور انہیں اہموز میں لے جا کر بند کر دو اور جزیرے لٹو۔ اے میں نے جا کر قید کر دو۔ ان کی عدم موجودگی میں اکیلا ایک ٹو کچہ نہ کر سکے گا۔ اور ہم عیسوی حاصل کر کے منشیات اور پیروں کی بھوسے اسمگلنگ کے اڈے ختم کر کے ماری ٹاٹہ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ میں ٹھیک دس گھنٹے کے بعد تم سے جزیرہ لٹو۔ اے پر ملاقات کروں گا۔ ان سب کو سبز نیلے میں قید کرنا جو درختوں میں گھرا ہوا ہے۔“ بہت بہتر باس۔“

ماش نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ عقوڑی دیہ میں ہی ان کے ساتھی آ گئے۔ وہ سیکرٹ سروس کے سب ممبروں کو اٹھا کر باہر لے گئے۔ اور ایک دین میں بے ہوش سیکرٹ سروس کے ممبروں کو بند کر دیا۔ دین بلٹ پروف تھی۔ پھر وین ساحل سمندر کے کنارے ایک کھاڑی کے قریب آ کر رک گئی۔ وہاں

گئے ہیں۔ انہیں تمہارے آدمیوں نے جھون کر رکھ دیا تھا۔ عمران حیران و ششدر تھا کہ سیکرٹ سروس کے اتنے ہی جیالے کارکن کس طرح جیگر کے قبضے میں آ گئے۔ تو اس کا مطلب ہے اس مرتبہ ہم بہت ہی زبردست دشمن سے ٹکرا گئے ہیں۔ جیگر کی فاختانہ آواز گونجی۔

”ایکسو کے علاوہ اب سیکرٹ سروس میرے قبضے میں ہے اور اس وقت تک میرے قبضے میں رہے گی۔ جب تک کہ میں اپنے آپریشن پلین اپ کر کے ماری ٹاٹہ نہیں چلا جاتا۔“ عمران نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر جیگر مسکرا کر بولا۔

”یہ صدیقی ہے، یہ صفر ہے۔“ وہ اشارے سے بتاتا جا رہا ہے۔ اور یہ سولس گرل جو لیا فٹز وائر ہے۔ اور یہ نعمانی ہے۔ یہ خادر ہے یہ کیپٹن بابر ہے۔ یہ چوہان ہے۔ پھر اس نے دھڑ سے رخ بدل کر تنویر کی طرف دیکھا۔

”تنویر یہ سامنے ہے۔“ ان سب کو اچھی طرح پہچان لو۔ وہ اب سمجھ لو۔ تم بھی ہمارے قبضے میں ہو۔“ اس کے ساتھ ہی پیچھے سے عمران کے سر پر رپو لور کا دستہ زور سے پڑا۔ دوسرے نے عمران کو یوں لگا کہ وہ جیسے گہری تاریکیوں کے سمندر میں ڈوبا چلا جا رہا ہے۔ وہ دروازے پر بے ہوش پڑا تھا۔ عمران کو بے ہوش دیکھ کر سیکرٹ سروس کے ممبر چونکے۔ پھر

سمندر میں ایک آبدوز موجود تھی۔ وین سے سیکرٹ سرکوب
کے ممبروں کو آبدوز میں منتقل کر دیا گیا۔ اور انہ
کے چار ساتھی بھی آبدوز میں چلے گئے۔
ماش اور چار دوسرے ساتھی ساحل پر ہی کھڑے
رہ گئے۔ آبدوز میں اس کے کارندے موجود
تھے۔ جن کی تعداد چار تھی۔ بھڑکی دیر کے بعد
ماش بھی آبدوز میں آگیا۔
پھر آہستہ آہستہ آبدوز سمندر میں آگے ہی آگے
بڑھتی چلی گئی۔

ماش کے ساتھی اس وقت تک ساحل پر کھڑے
رہے جب تک کہ آبدوز گہرے پانیوں میں ڈوب کر انہ
کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔
پھر وہ تیزی سے مڑے۔ کھاڑی کے پتھروں پر سے اترے
اور ان کے قدم سامنے سمندری ریت پر کھڑی وین کی
طرت اٹھتے چلے گئے۔

ختم شد

اجی غلام علی مرزا لودھی کی آغوش میں کھاتے مگر یہود کا شتر کہ کارنامہ

موت کے متلاشی

مصنف
محمد
شاہین

— ڈی تھو چیمبر میں پرود کے ساتھی کا زندہ جسم مرغ بسل کی مانند
تڑپ رہا تھا۔ اور پرود بے بسی سے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔
— وہ لمحہ جب تنویر تن تنہا یہودیوں سے ٹکرایا اور موت کا بازار
گرم ہوتا چلا گیا۔
— صفدر نے اسٹین گن کی نال پرود کے سینے سے لگا دی۔
— عمران کا طیارہ اسرائیلی بمبارطیاروں کے زخموں میں بھنس کر
رہ گیا۔

— مبار شاموں کے موجد اور پرود میں جیسا نک نکراد
— جولیا کو عمران کے دل پر لینڈ کرنے کی پیش کش کرنے کی مٹی۔
— کرنل موٹے نے قہقہہ لگایا اور جوزف ہتھ سے اکھڑ گیا۔

عمر خسرو
پاکسٹن

Pakistanipoint
Waqar
Fzeem

شاہین
صفیر



عمران سیر نریہ ۱۳۵

حصہ دوم

ٹاپ سکرٹ

صفہ شاہین

مکتبہ یادگار کمرہ ۱۵ قذافی مارکیٹ اردو بازار لاہور

جلد حقوق مجتے ناشر محفوظ ہیں

اس ناول کے تمام کردار مقامات اور واقعات فرضی ہیں۔ کسی قسم کی مطابقت اتفاقیہ ہوگی۔ جس کے لیے مصنف پبلشرز، پرنٹرز ذمہ دار نہیں ہونگے۔

ناشر _____ عبدالحامک
مصنف _____ صفدر شاہین
پرنٹرز _____ خادم پریس
قیمت _____ ۱۸ روپے

محترم قارئین — اسلام علیکم
”آپریشن کلین اپ“ سے شروع ہونے والی کہانی کا دوسرا حصہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ غیر ممالک سے آنے والے مجرم جس طرح منظم ہو کر کاروائیاں کر رہے ہیں۔ وہ انتہائی خوفناک اور گھناؤنے جرائم پر مبنی ہیں۔ اور ان کے مکروہ جرائم کا ناکہ ٹاپ سیکرٹ میں بڑے ہی عجیب و غریب انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ امن پسند اور بے گناہ شہری تو رہے انگ، پولیس اور انشیل جنس بھی مجرموں کے ساتھ بے بس اور پریشان ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور جیسا تک کردہ جرائم بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ پچھرا عمران اور اس کے ساتھی میدان جنگ میں اتر جاتے ہیں۔ اور مجرموں سے ایک خوفناک ٹکراؤ ہوتا ہے۔ ٹاپ سیکرٹ میں عمران اپنی ذہانت اور حماقتوں کے ساتھ ساتھ قہقہوں کا طوفان لیے موجود ہے۔ اور لاپرواہی، دلیری اور بہادری سے مجرموں سے ٹکراتا چلا جاتا ہے۔

ایک خوفناک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے۔ جب عراض کی پولی ٹیم کو ایک آبدوز میں قید کر کے سمندر کی تہ میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور آبدوز انہیں موت کی منزل

Pakistanipoint

Wagor

اندوز سمندر کی گہرائی میں تیزی سے آگے بڑھتے
پہل جا رہی تھی۔ اس کا رخ گرین جزیرے کی طرف تھا۔ ایک
کمرے میں عمران اور اس کے ساتھی بے ہوش پڑے تھے
ان سے ذرا سے فاصلے پر جولییا موجود تھی۔ ان سب کے ہاتھ
بندھے ہوئے تھے۔ پاؤں باندھنے کی کوشش نہ کی گئی تھی۔
بد معاشوں کو یقین تھا کہ عمران اور اس کے ساتھی کو بھاری ہوش
نہ آئے گا۔ اس لئے انھوں نے ان کے پاؤں نہ باندھے تھے
چار آدمی ان سے ذرا فاصلے پر بیٹھے شراب پینے اور تاشے
کیلئے میں مصروف تھے۔ وہ اس کام میں اتنا مگن تھے کہ انہوں
نے عمران کی طرف دیکھا ہی نہیں۔ حالانکہ عمران ہوش میں آنے
سے پہلے کھسایا تھا۔ عمران نے فوراً آنکھیں کھولیں اور چند لمے

کی طرف کشاں کشاں لیے بہتی چلی جاتی ہے۔ لیکن
عمران بروقت اقدام کر کے پوری ٹیم کو بچا لیتا ہے۔
اعصاب شکن اور ہلا دینے والے مناظر ٹاپ سیکرٹ میں
آپ کو قدم قدم پر ملیں گے۔ عمران کی حماقتیں سلیمان
کی ظرافتیں اور سوپر فیاض کی رنجش جھڑپ کے پسے
منظر میں خوفناک تصادم، بھیانک ٹکراؤ۔ گولیوں
کی تڑتڑ کی آوازیں۔ بموں کی حشر سامانیاں، دھماکے
چینیں، کمرے ہیں اور آپ اس ٹکراؤ کا نتیجہ بن کر عمران
کو وحشی درندہ بنا دیتی ہیں۔ اور عمران موت بن کر مجرموں
پر لوٹ پڑتا ہے۔ اور ٹاپ سیکرٹ زبردست سپنس
اور تیز ایکشن کے سہارے آگے ہی آگے بڑھتا چلا
جاتا ہے۔ اور عمران جو مجرموں کا قلع قمع کرنے میں
اپنی پوری ٹیم کے ساتھ کامیاب ہو جاتا ہے۔
تعریف کی ضرورت نہ کیا ہے۔ اب آپ خود ہی
پڑھ لیجیے۔

والسلام

آپ کا

صفدر شاہین

پلکین جھپکانے کے بعد اس نے لیٹے لیٹے ہی ادھر ادھر غور سے دیکھا۔ اچانک اس کی نگاہیں کمرے کے شیشے سے پار چلی گئیں۔ سمندر میں رنگ برنگی مچھلیوں کے علاوہ دوسری عجیب و غریب مخلوق بھی تیر رہی تھی۔

اس کے ریڈی میڈ ذہن میں فوراً جہا کے ہوتے چلے گئے اور وہ سمجھ گیا کہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو کسی جزیرے پر پہنچایا جا رہا ہے اور وہ اس وقت کسی آبدوز میں موجود ہیں۔ اس نے کنکھیوں سے تاش کھیلے ہوئے بد معاشوں کی طرف دیکھا۔ پھر اسکی نظریں لمبے لمبے لیٹے ہوئے اپنے ساتھیوں پر چلی گئیں۔ وہ بد معاشوں کے اس خوفناک منصوبے سے بڑی طرح چونکا۔ پھر اس نے رست واپس میں کنکھیوں سے وقت دیکھا۔ ان کے ہاتھ آگے کی طرف بندھے ہوئے تھے۔ اگر ہاتھ پیچھے بندھے ہوتے تو وہ وقت نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس نے سوچا انہیں یہاں آئے ہوئے زیادہ وقت نہیں گذر رہا ہے پھر اس کی نگاہیں رنگ برنگی مچھلیوں سمندر کی دوسری مخلوق پر مرکوز ہو گئیں۔

اس طرح اس نے چند لمحے صرف کیئے اور پھر اس نے ہنگامہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی لمحے اس نے ہاتھوں کو زور زور سے ہلانا شروع کر دیا۔ میکٹ سروس کے سب سے

ممبر گروہوں کو کھولنے کی مہارت رکھتے تھے۔ انہیں ہر قسم کے ٹریننگ دی گئی تھی۔ گروہیں کھاتی چلی گئیں۔ دو گروہیں اٹک گئیں۔ دو نہ کھل رہی تھیں۔ عمران نے فوراً ناخنوں میں چھپے بلیڈوں سے گروہیں کاٹنی شروع کر دیں۔ چند لمحوں میں ہی عمران نے ہاتھ آزاد کرالیئے اور آنکھیں بند کر کے ساکت ہو گیا۔ پھر اس نے ذرا کنکھیوں سے چاروں غنڈوں کی طرف دیکھا۔ مگر وہ شرابے اور تاش کھیلنے میں مصروف تھے۔ دوسرے ہی لمحے عمران کے ساکت جسم میں حرکت پیدا ہوتی چلی گئی۔

وہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھ کر پھرتے کی سی حیرت انگیز پھرتی سے غنڈوں پر اچھلا۔ وہ اس حملے کی توقع نہ رکھتے تھے۔ ابھی وہ کچھ سمجھنے ہی نہ پائے تھے کہ عمران نے ماش کے جڑے پر زور سے گھولسنہ مارا۔ دوسرے لمحے وہ فرش بوس ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ کوئی دوسرا بد معاش حرکت کرتا عمران نے ماش کا پستول قریب سے اچک لیا۔ مگر تینوں بد معاش سنبھل کر اس پر فائر کر چکے تھے۔ شعلے فضا میں ابھر کر عمران کی طرف آئے۔ مگر عمران بلا کی پھرتی سے نیچے لیٹ گیا۔ اور فرش پر پڑے پڑے اسے گا سائیکس رنگا ریو الو تین شعلے اگل چکا تھا اور تینوں ہی غنڈوں کی کھوپڑیاں اڑ چکی تھیں۔ گولیاں چلی تھیں مگر ذرا بھی دھماکہ

نہ ہوا تھا۔ عمران نے ان سے نیٹ کر ماش کی طرف دیکھا۔ وہ بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ اور اس کی سانسوں کی آواز سیٹیوں کی طرح حلق سے خارج ہو رہی تھیں۔ پھر بھی اس نے حفاظت کے طور پر پستول کے دستے سے اس کی کھوپڑی کو سہلایا۔ ماش نے کسمسا کر جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اب اُسے قریب قریب چار گھنٹے کے لیے اسی حالت میں رہنا تھا۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر عمران نے شراب کی بوتل اٹھائی اور تھوڑی تھوڑی شراب اپنے ساتھیوں پر انڈیل دی۔ وہ شراب کے پھینٹوں سے کسمسا کر آہستہ آہستہ ہوش میں آتے چلے گئے۔ سب نے باری باری آنکھیں کھولے دیں اور چند لمحے عمران کو اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ سب کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

”عمران صاحب آپ!۔“

”ہم سب کہاں ہیں۔ عمران صاحب۔؟“ صفر نے عمران سے پوچھا۔

”سمندر کی تہ میں۔“ عمران بولا۔ ”سمجھ لو کہ ہم اس پاتال میں سفر کر رہے ہیں۔ ہم اس وقت ایک آبدوز میں ہیں۔“ جولیا عمران کو غصیلی اور چکدار آنکھوں سے گھور رہی تھی اس کے چہرے پر غصے کی سرخی تھی۔ اس نے شراب کے

بدبو محسوس کر لی تھی۔ اس لیے وہ غصے میں آگئی تھی۔ عمران نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ اور شرارت سے آنکھ دبا دی۔

”جولیا ڈارلنگ۔۔۔ اب شاید تم نے زیادہ مینی شروع کر دی ہے۔ کیونکہ تمہارے اسکرٹ سے شراب کے بھبکے اُڑ رہے ہیں۔“ عمران نے شوخی سے کہا۔

”اوہ یو راسکل! تم بہت خبیث ہو۔ یہ تمہاری ہی شرارت ہے۔ تم نے مجھے شراب میں نہلا دیا ہے۔“

”تو بہ تو بہ کرو جولیا۔“ عمران مسکرایا۔ ”کیوں کفر کے کلمے بکتی ہو۔ میں بھلا تمہیں سب کے سامنے نہلا سکتا ہوں۔“

وہ ایک دم شرم سے سرخ ہو گئی۔ سب ہی اس کے طرف دیکھ کر مسکرا نے لگے۔ پھر وہ غیظ و غضب میں بھر کر بولی۔

”تمہاری ان ہی شرارتوں نے تنگ کر رکھا ہے مجھے۔ میں ایکٹو سے تمہاری شکایت کروں گی۔“

”وہ تمہارا چوہا میرا کیا بگاڑے گا۔ شکر کرو تم جہنم میں جانے سے بچ گئیں۔ میں تمہیں ہوش میں لے آیا۔ اب تم ادائیں دکھا رہی ہو۔“

”شٹ اپ۔“ جولیا کی غصیلی آواز ابھری۔ عمران نے اتھوں کی طرح آنکھیں پھپکا نے لگا۔

”ہائیں۔ احسان ماننے کی بجائے یہ شٹ اپ کہاں سے ٹپک پڑا؟“

”تو عمران صاحب!۔ اس وقت ہم آبدوز میں ہیں۔“
صفدر شیشے میں سے تیرتی ہوئی رنگین مچلیوں کو دیکھ کر بولا۔
”آب دوز میں نہیں داب دوز میں کہو پیارے۔“ عمران نے
جلدی سے بولا۔ ”یہ تو اس کا محرم ہے کہ مجھے اچانک ہوش
آگیا۔ اور میں نے ان غنڈوں کو جہنم میں پہنچا دیا۔ اب فرشتے
ان سے خود ہی ہمیں بے ہوش کرنے کا حساب کتاب لے
لیں گے۔ اگر مجھے ہوش نہ آتا تو آج سیکرٹ سروس کا بیڑہ
عزق تھا اور پاکشیا تیم و مسکین ہونے کے بالکل قریب تھا۔“
صفدر نے کوئی جواب نہ دیا۔ سب ہی اب بد معاشوں
کی طرف دیکھ رہے تھے۔ خون فرش پر بہہ رہا تھا۔ دماغ کے
پر خچے اڑ جانے کی وجہ سے تین بد معاش تو پہچانے ہی نہ جا رہے
تھے۔ صفدر نے ماش کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

”یہ سفید فام غنڈہ شاید بے ہوش ہے۔“
”ہاں۔ میں نے اسے بے ہوشی کے دو ٹیکے لگائے
ہیں۔ اب یہ بہت دیر کے بعد محترمہ ہوش حواس سے پیاری
پیاری ملاقات کرے گا۔“

پھر وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ جیگر بہت خطرناک سفید

فام ہے میں آج ہی اسے جہنم کا ٹکٹ دے دوں گا۔“ پھر اس
نے اپنے ساتھیوں کی طرف بغور دیکھ کر کہا
”تم ان سب کے پستول سنبھال لو۔ میں ذرا انجن روم
میں موجود بد معاشوں سے نیٹ لوں۔ ان بد معاشوں کے
تلاشی ضرور لے لینا۔“ اس نے صفدر سے کہا اور خود
انجن روم کی طرف بڑھتا ہوا گیا۔

تنویر جویا کو پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پیرایک
دم اٹھ کر جویا کی طرف آگیا اور اس کے اسکرٹ سے شراب
بھاڑنے لگا۔ جویا اچھل کر پرے ہو گئی۔

”تم اس خبیث سے بھی زیادہ وحشی ہو۔“ وہ قہر آلود آواز
میں بولی۔ ”مجھ سے دور ہٹ جاؤ۔ یو ڈرٹی مین!“
اس کی غصہ بھری ڈانٹ سے تنویر کا منہ بن گیا اور
اس کے حلق سے آواز خارج ہو گئی ”ہائے۔“

جویا نے اس ہائے پر اسے پھر غصے کی نگاہوں سے
گھورا۔ اور تنویر ایک حسرت بھری آہ کے بعد آبدوز کے
آہنی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس کی اشتیاق
بھری نگاہیں اب بھی جویا کے گداز جہنم میں اٹکی ہوئی تھیں اور
سیٹنے کے ~~کے~~ کے بیچ جانے کی تلاش کر رہی تھیں۔
عمران نے حالِ زور سے انجن روم کا دروازہ کھول دیا۔

چاروں آدمیوں نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ چونک کر اس طرح اچھلے تھے۔ جیسے ان کی سیٹوں سے سپرنگ نکل آئے ہوں

”تم!۔۔۔ وہ مختصر انداز میں ایک ساتھ بولے۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ عمران کے ہاتھ میں مضبوطی سے سائیکسنگار لیو الور تھا۔

”اگر کسی نے ٹارزن بننے کی کوشش کی تو اگلی دنیا کی وادی میں پہنچ جائے گا۔ اور وہاں جا کر چیتا پھرے گا۔“ عمران کوڑک دار آواز میں بولا۔

وہ اتنے بوکھلا گئے تھے کہ انہوں نے عمران کی پوری بات کو سُننے بغیر ہی اپنے اپنے پستول سے شعلے اگنے شروع کر دیئے اگر عمران نیچے گرنے میں ذرا بھڑتاخیر کر دیتا تو وہ بھی لغتہ اجل بن گیا ہوتا۔ پھر عمران کے پستول نے شعلے اگنے شروع کر دیئے۔ اور تین آدمی ابنِ روم میں مردہ ہو کر پھسل گئے جو تھا آدمی ہکا بکا ہو کر کھڑا عمران کو اس طرح دیکھ رہا تھا۔ جیسے وہ کوئی جادوگر ہو جس نے جادو کے زور سے اس کے ساتھیوں کو ختم کر دیا ہو۔

وہ ایک ساکت مجسمے کی طرح کھڑا تھا۔ اس کے ہوش سواں اڑ چکے تھے۔ عمران کی آواز گونجی۔

”تم ہیر و بند گے تو تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔“ عمران پہکا اور تمہارے مرنے کا مجھے ذرا بھی افسوس نہ ہوگا۔ کیونکہ آبدوز میں خود بھی چلا کر واپس جاسکتا ہوں۔ مگر بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنی زندگی بچاؤ اور ایک بچے کی طرح میرے احکامات کی تعمیل کرو۔“ پھر اس نے کوڑک دار آواز میں کہا

”آبدوز کو واپس کر لو اور ساحل کی طرف لے چلو۔ میرے تمہیں کچھ نہیں کروں گا ساحل پر پہنچ کر تمہیں زندہ چھوڑ دوں گا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر چلا جاؤں گا۔“

”ہوں!“ اس کے حلق سے آواز خارج ہوئی۔ عمران نے پیک کر تختہ پر سے اس کا لیو الور اٹھا لیا۔ اسی لمحے صفدر ابنِ روم میں داخل ہوا۔

”عمران صاحب!۔۔۔ کسی غنڈے کے پاس سے کوڑے ایسی چیز نہیں ملی جس سے ہمیں تحقیق میں کچھ مدد سکے۔“ صفدر بولا۔

صفدر کے پیچھے پیچھے صدیقی اور چوہان بھی آگئے تھے۔ آبدوز کا پائیلٹ حیران تھا کہ یہ آدمی بھوت ہیں یا انسان۔ جو اتنے طاقتور اور خوفناک غنڈوں سے نیٹ کر یہاں آگئے ہیں وہ دہشت سے لرز گیا۔ اس کا پتہ خوف و ہراس میرے

ڈوب گیا تھا

اس نے دوسرے لمحے آبدوز کا رخ بدلنا شروع کر دیا۔ عمران نے صفدر سے کہا
”ان سب کے پستول سمجھال لو اور ان کی جیبوں کو تلاش کرو۔“

ان کے پستول سمجھال لیے گئے جیبوں کی تلاشی سے کچھ بھی نہ برآمد ہوا۔ پھر عمران نے صفدر کی طرف دیکھا
”صفدر — تم کس طرح بد معاشوں کے قابو آگئے تھے؟“
صفدر بتانے لگا۔

”میں جوہان کو ڈیوٹی کا چارج دینا ہی چاہتا تھا کہ اندھیرے میں سے کہتے ہی سائے نکل کر ہماری طرف لپکے۔ ہم نے ان پر فائر کیے اور ان کے کئی آدمی ہلاک کر دیئے۔ مگر پھر جانے کیا ہوا۔ ہم پر پیچھے سے وار کیا گیا۔ اور پھر دھماکے ہی ہوئے۔ اور ہم ہوش و حواس کی دنیا سے غافل ہو گئے۔“
”ہوں۔“ عمران نے کہا۔ پھر اس نے صدیقی کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

”تم کس طرح سفید فام غنڈوں کے ہاتھوں میں آگئے تھے؟“
”ہم کیسے جولی سے نکل کر اندھیرے میں آئے۔ میرے ساتھ نعمانی بھی تھا۔ پیچھے سے ہم پر کسی نے وار کیا۔ ہمارے سروں

پر ضربیں لگیں اور جب ہمیں ہوش آیا تو ایک کمرے میں ستون کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ صفدر، جوہان اور تنویر وہاں پہلے ہی سے موجود تھے۔“
”ہوں۔“ عمران نے ایک طویل سانس کھینچا اور اس سے بولا۔

”پائلیٹ کی نگرانی کرو کہیں یہ کوئی خطرناک حرکت نہ کرے۔“
”ہم اس سے نپٹنا جانتے ہیں عمران صاحب!۔“ صفدر نے موڈبانہ جواب دیا۔ پھر عمران کے قدم مطمئن انداز میں اس کمرے کی طرف اٹھتے چلے گئے جہاں اس کے دوسرے ساتھی موجود تھے۔ وہ عمران کو دیکھ کر چونکے۔ تنویر جولی کو میٹھی بنگاہوں سے گھور رہا تھا۔ اور جولی سخت اشتعال میں کھڑی شیشے سے پار سمندر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جہاں نیلے نیلے لہروں کے بیچ رنگین مخلوق تیر رہی تھی۔ اسے یہ نظارہ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔

”جولی! — تم بد معاشوں کے ہاتھ لگ گئی تھیں کیسے؟“
وہ چونکی اور عمران کی طرف گھور کر دیکھا۔

”میں اپنے فلیٹ کی طرف آ رہی تھی کہ دو سائے اندھیرے میں سے نکل کر تیزی سے میری طرف لپکے۔ در سب لمحے میرے سر پر کوئی چیز پڑی اور ہوش و حواس کی دنیا سے بیگانہ ہو گئی۔“

”تنویر کے لیے تو تم اب بھی بیگانی ہو۔“
 ”عمران اپنے کام سے کام رکھو۔“ تنویر نے چونک کر غصیلی
 آواز میں عزاتے ہوئے کہا۔
 عمران ہنسا اور جو لیا عمران کو قہر آلود نگاہوں سے گھورنے
 لگی مگر اس نے کہا کچھ نہیں وہ خاموش کھڑی رہی مگر وہ
 سخت غصے میں تھی۔

کیپٹن بابر مسکرا رہا تھا۔ اس نے اس لوک بھونک
 میں لطف لیا تھا۔ عمران بابر کی طرف دیکھنے لگا۔
 ”ہنسی کے فوارے چھوڑ رہے ہو مسٹر بابر۔“ بتاؤ تم
 اتنے مستعد ہو کر بد مماشوں کے ہاتھ کیسے چڑھ گئے عمران
 نے پوچھا

”میں آپ کے فلیٹ سے نکل کر اپنے فلیٹ جانے
 کے لیے اپنی کار کی طرف بڑھا کہ میرے سر پر پیچھے سے
 کسی نے ذبردست چوٹ لگائی اور میں بھی ہوش ہوا اس
 کو چھوڑ بیٹھا۔ اور جب آنکھ کھلی تو اپنے ساتھیوں سمیت کتوں
 کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔“ پھر خاور نے بھی اس قسم کے
 کہانی دہرائی۔

”ہوں!۔ کم و بیش سب کی ایک ہی کہانی ہے۔
 اس خوفناک سفید جگر کو کسی سال میں زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اس

نے یکسرٹ سروس کو زبردست زک پچانے کی کوشش کی ہے وہ
 تو قمت اچھی تھی کہ مجھے ہوش آگیا۔ اب میں کہنا رہے پر اترتے
 ہی سفید فام جگر سے دو دو ہاتھ کر کے جاؤں گا۔“ یہ کہہ کر وہ
 خاموش ہو گیا۔ اب الحق نظر آنے والا عمران ایک وحشی درندہ تھا
 اس کی آنکھوں سے بے پناہ درندگی جھانک رہی تھی۔
 ”کیپٹن تم میرے ساتھ چلو گے۔“ اس نے بابر سے کہا۔

جب آبدوز ساحل سے آگئی تو سب اس سے نکل کر کنارے
 کے پتھروں پر آ گئے۔ عمران اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس مڑا
 اور سڑک کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ سڑک پر آکر اس نے اپنے
 ساتھیوں سے کہا

”تم اپنی اپنی ڈیوٹی پر چلے جاؤ۔ جو فی الحال کسی ڈیوٹی پر نہیں
 ہیں وہ سیدھے راتش منزل چلے جائیں۔“ اور خود مخصوص کمرے
 میں پہنچ کر فون کے ذریعے ایکسٹو کو اس تمام حالات سے آگاہ
 کر دیں۔ اپنی قید اور آبدوز سے رہائی کی سب کہانی سنا دیں
 اور میرے متعلق کہہ دینا کہ میں جگر سے نپٹے جا رہا ہوں۔“ آؤ بابر
 چلیں۔

سب نے اثبات میں اپنا اپنا سر اٹھایا۔ پھر عمران سڑک پر آ
 کر رک گیا اور ایک ریگتی ہوئی خالی ٹیکسی کو روک لیا۔ بابر اور
 وہ اس میں بیٹھ کر چل دیئے۔ پھر وہ سب ہی ٹیکسیوں میں بیٹھ

کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے
 بابر اور عمران جبکہ کے پھلے کے سامنے ٹیکسی سے اترے
 عمران کی نگاہیں بے اختیار اپنی ٹویٹر کی طرف چلی گئیں۔ وہ
 درختوں کے پیچھے کھڑی تھی۔ عمران کے حلق سے اطمینان کی آواز
 خارج ہوئی۔ پھر ان کے قدم بے اختیار سنگے کے گیٹ کے
 لڑھکتے چلے گئے۔ اس نے بابر کو باہر ہی نگرانی کے لیے
 کھڑا کر دیا اور خود ہی آگے بڑھ گیا۔

اس نے لپک کر ایک وحشیانہ انداز میں زور سے دروازہ
 کھولا۔ اور جم کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے مضبوطی سے لپٹول پکڑا ہوا
 تھا۔ باس جبکہ نے چونک کر دروازہ کی طرف دیکھا۔ اس کا
 رنگ فق ہو گیا۔ عمران کو دروازے پر قہر کا دیوتا بنے کھڑا دیکھ
 کر اس کا بارٹ فیل ہوتے ہوتے بچا۔ گہری حیرت سے آنکھیں
 پھٹنے کو ہو گئیں۔ عمران اس کی طرف قہر آلود نظروں سے دیکھ رہا
 تھا۔

جبکہ کے ہاتھ سے شراب کا گلاس چھوٹ کر نیچے گرا۔ اور
 گرتے ہی چور چور ہو گیا۔ اور وہ سگارا کا کش لینا بھول گیا۔ دہشت
 سے تارہ بنی آنکھوں سے وہ عمران کو گھورے جا رہا تھا۔ اسے
 کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عمران آبدوز سے نکل کر یہاں کیسے آ گیا
 کافی دیر تک حیرت سے اسے دیکھتا رہا۔ حیرت کے اس

زبردست جھٹکے کو جبکہ نے مشکل برداشت کیا۔ پھر اس کے منہ
 سے بے ساختہ نکلا۔

”عمران تم! — جبکہ پھنسی پھنسی آواز حلق سے خارج کر
 کے بولا۔

”عمران نہیں — تمہاری موت کا دیوتا — تم سمجھتے تھے
 مجھے اور میرے ساتھیوں کو کسی جزییرے پر قید کر کے تم بھتوری
 حاصل کر لو گے۔ اب ہمیں بھتوری نہیں موت ملے گی۔“

عمران نے احمقانہ انداز میں جیونگم چباتے ہوئے کہا
 ”تو تم آبدوز سے بچ کر نکل آئے ہو۔“ جگمگ نے دانت
 بیس کر کہا *Shabbir S.A. Love*

”اللہ بچانے والا ہے سفید فام الو۔ جہاں الو بولتا
 ہے وہاں ویرانی پھیل جاتی ہے۔ بس اب تم بولے ہو
 تو یہاں ویرانی ہی سمجھو۔“ عمران آنکھیں جھپک کر بولا
 ”تم یہاں کس طرح پہنچے؟ اس کی آواز میں حیرت تھی
 ”کار تو میری مہتار سے اس بنگلے کے سامنے موجود تھی۔“
 وہ آہ بھر کر بولا۔ ”اب ٹیکسی میں بیٹھ کر تمہارے دیدار کو آیا ہوں
 ہاں تو سفید فام پیرو مشد اب کیا ارادے ہیں۔“
 سفید فام موٹا لباس اس کی نظر بچا کر ایک طرف کھسکتے
 لگا۔

”نہ۔۔۔ نہ پیرو مشد ہلنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ عمران
 کالچہ ایک دم سخت اور سنجیدہ ہو گیا۔
 اور جگمگ کے قدم وہیں جم کر رہ گئے۔ ظاہر ہے وہ گولی
 کھا کر موت کو دعوت نہ دینا چاہتا تھا۔ عمران بولا
 ”کنفیویشنش نے کہا ہے کہ حرکت میں برکت ہے مگر
 تمہارے لیے موت ہے۔ اس لیے اچھے بچے کی طرح کھڑے ہو۔“

عمران کی آنکھیں انتہائی غیظ و غضب بھرے انداز
 میں اُسے گھور رہی تھیں۔ اور جگمگ کے اچھا خاصہ دھوکم کے
 ہونے کے باوجود پسینہ آگیا تھا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا کہ
 عمران ضرور کوئی جادوگر ہے جس نے جادو کے زور سے
 اپنے آپ کو آبدوز سے باہر نکال لیا ہے۔ اور خود یہاں
 آگیا ہے۔ وہ عمران سے کافی مرعوب ہو گیا تھا۔ مگر پھر فوراً
 ہی اس نے گردن جھٹک کر اپنے آپ کو سنبھالا۔ اب
 اس کے چہرے سے سب خوف و ہراس دور ہو چکا تھا
 اب وہ خود بھی الجھن بھرے عضیلے انداز میں آگیا تھا۔ اور
 عمران کو قہر آلود نگاہوں سے گھورنے لگا تھا۔
 ”ہائے یوں نہ دیکھو میری جان میرا دل زخمی ہو جائے گا۔“

”تم یہاں سے زندہ بچ کر نہ جاسکو گے۔“ جیگر نے عمران کے طرف دیکھ کر غراتے ہوئے کہا۔
 ”تم تو مجھے ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے سفید فام اُلو۔ مگر میں تمہارے ہاتھوں نہیں مر سکتا۔ اللہ نے مجھے اور میرے تمام ساتھیوں کو بچا دیا ہے اور اب یقین جانو میں یہاں سے بھی بچ کر رہی جاؤں گا۔“ پھر عمران عزایا۔ ”اور سنو اب میں اور میرے ساتھی اپنی اپنی ڈیوٹی پر موجود ہیں اور تمہارا قلعہ و متع کرنے کے لیے بالکل تیار ہیں۔“

جیگر کے چہرے پر اندھیرا پھیل گیا۔ مگر اس نے ہمت کر کے اسی لمحے عمران پر چھلانگ لگا دی۔ عمران کے ہاتھوں سے گرفتار ہونے یا مرنے سے بہتر تھا کہ جان کی بازی لگا دی جائے۔ ظاہر ہے اس صورت میں اسے عمران سے نپٹنا ہی تھا۔ اس سے قبل کہ عمران اپنے بچاؤ میں کچھ کرتا۔ وہ عمران کو دباتا ہوا فرش پر آ رہا اور اسے رگیدنے لگا۔ عمران کے ہاتھ سے ریوالتور سے گر گیا۔

مگر اس نے بجلی کی سی پھرتی سے اپنے اوپر سے اچال دیا۔ جیگر غراتا ہوا جھد سے فرش پر گرا۔ پھر وہ ہیرت انگیز پھرتی کے ساتھ عمران کے پستول کی طرف بڑھا۔ مگر اب عمران پوری طرح ہوشیار تھا۔ اس کے پاؤں کی ایک زوردار ٹھوکر

جیگر کے ہاتھ پر پڑی۔ جیگر اونٹ کی طرح بھلانا لگا۔
 ٹھوکر کے فوراً بعد جیگر اٹھ گیا اور دیوالوں کی طرح عمران سے لپٹ گیا۔ عمران نے لگاتار برق رفتاری سے چار گھولنے اس کی پسلیوں پر مارے۔ جیگر نے ایک زبردست گھولنے سے عمران کی پسلیوں کی ٹھکانی کر دی۔

جانے کیا ہوا اسی لمحے کمرے میں اندھیرا پھیل گیا۔ گھوڑا پھر اندھیرا کمرے میں چھایا ہوا تھا۔ ہوا کچھ تھکا۔ یہ حرکت جیگر کی تھی۔ جس نے بجلی کی سی تیزی سے بلب پر منیٹر دے مارا تھا۔ اور بلب ٹوٹ کر اندھیرے کا باعث بنا تھا۔ اب اندھیرا بھی اندھیرا تھا۔

”میں تجھے چھوڑوں گا نہیں سفید فام موٹے۔“ عمران اندھیرے میں غرایا اور اندازہ لگا کر دروازے کی طرف چپ لگا دیا۔ وہ زور سے جیگر سے ٹکرایا۔ عمران ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ جیگر نے اس کی پسلیوں پر ایک زوردار گھولنے جما دیا۔ درد کی لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ اس نے جواب میں اسے بھی گھولنے مارا۔ مگر اس کا گھولنے فضا میں لہر اکر رہ گیا۔

کمرے میں دبیز اندھیرا تھا۔ اس ٹکراؤ میں عمران کو یاد نہ رہا تھا کہ دروازہ کس طرف ہے اور بدیشی یہ کہ عمران کے پاس فینیل ٹارپ بھی موجود نہ تھی۔ دوسرے لمحے ایک مدہم گون سی

دروازے میں لپک کر اندر آتی چلی گئی۔ پھر وہ معدوم ہو گئے
 عمران فوراً روشنی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ پھر اس کا اندازہ
 درست ہی نکلا۔ دروازے کھلنے سے روشنی کی وہ کرن
 اندر در آئی تھی۔ پھر عمران دروازے سے باہر نکلتا چلا گیا
 جیگر کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ وہ اس طرح غائب ہو گیا
 تھا۔ جیسے گدھے کے سر سے سنگ۔ عمران بڑبڑاتا ہوا
 آیا۔

”نہ خدا ہی طرانہ وصالِ صنم“

عمران نے سوچا کوٹھی کے باہر باہر موجود ہے شاید
 اسے سنبھال لے۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے قدم باہر کی طرف
 کی اٹھنے لگے۔ راہداری میں پھوڑی دو قدم اٹھانے کے بعد
 عمران ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ اور پھر فوراً ہی عمران نے
 کمرے کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ مگر اس کمرے سے اسے
 کے باقہ کچھ بھی کام کی چیز نہ ملی۔ چنانچہ وہ ٹھیک بیس منٹ
 بعد تہہ خانے کی اور ریڈینگ کے تلاشی کے بعد باہر نکل آیا۔
 تین غنڈوں نے اس پر حملہ کیا مگر وہ انہیں باندھ کر
 چلا آیا۔ اس کے قدم بے اختیار اپنی کار کی طرف اٹھنے لگے
 مگر اس کی کار وہاں موجود نہ تھی۔ جس سے ظاہر تھا کہ باہر
 جیگر کے تعاقب میں جا چکا تھا۔ عمران نے ہر کون اور مطمئن

انداز میں سر ہلایا۔ اور پیدل ہی ایک طرف قدم اٹھانے لگا
ابھی وہ کچھ ہی دور گیا تھا کہ اس کے سامنے ایک چمک
فزن بوقت موجود تھا۔ وہ جلدی سے اندر گھس گیا۔ اور
المنہ و منٹ میں مناسب سکے ڈال کر اس نے مٹری انٹیل
جنس کے فبر گھانے لگا۔ رابطہ قائم ہوتے ہی عمران نے
ایکٹوں مخصوص بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”ایکٹو اسپیکنگ!“

”یس آفیسر۔“ دوسری طرف سے چاق و چوبند
آواز آئی۔

”میجر جنرل احمد سے ملا دیجیے۔“ عمران نے باوقار لمبے
میں کہا۔

دوسری طرف کچھ دیر سکوت طاری رہا۔ پھر میجر جنرل
احمد کی کھٹک دار آواز ابھری۔

”یس آفیسر!“

”عمران اسپیکنگ۔“ عمران بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ پھر
چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے اپنی اصلی آواز میں کہا
”اسلام علیکم۔ جنرل احمد صاحب!“

”کیا بات ہے بیٹے!۔“ وہ اس کے سلام کا جواب دے
کر محبت سے بولے۔

”ایک تحفہ دینا ہے آپ کو۔“ عمران چہک
”کیسا تحفہ۔“ وہ خوشگمتی ہوئی آواز میں بولے
تین زندہ اور خطرناک غنڈوں کا تحفہ۔ وہ تینوں اس
وقت ریڈ بنگلے میں موجود ہیں۔ پھر اس نے ریڈ بنگلے کا پتہ
بتا دیا

”ہوں۔“ میجر احمد ایک گہرا سانس لے کر بولے ”کتے
آوی بیچ دوں۔“

”چھ آدمی بہت ہیں۔“ تینوں آدمی بندھے پڑے ہیں
انہیں چند دن سرکاری ہمان خانے کی ہوا اٹھلا دیجیے گا۔
”تم نے نکر رہو بیٹے۔“ پھر وہ چونک کر بولے ”کیا
یہ بھی ڈاکٹر زیدی کا ہی سلسلہ ہے۔“

”ایسا ہی سمجھ لیجیے۔“ پھر عمران نے جنرل کو بنگلے
کے تہ خانے میں داخل ہونے کا طریقہ بتا دیا۔ ”بس
سی طریقے پر عمل کر کے کے بعد ہی تہ خانے میں پہنچا جا
سکتا ہے۔“ اس کے ساتھ ہی عمران نے رابطہ منقطع
رہا۔ وہ جانتا تھا جلد ہی جنرل فوجی جوان وہاں بھیج دے
۔ پھر وہ بوقت سے باہر نکل آیا۔

مٹک پر اگر اس نے حبیب سے پکیٹ نکالا۔ اس
سے ایک تھوڑی گم لیا اور اس کا ریسر اتار کر ہوا میں اڑا دیا

انداز میں سرسب ڈال کر چبانے لگا۔ پکیٹ اس نے دوبارہ
میں رکھ لیا۔ پھر اس نے مٹرک پر بیگتی ہوئی پکڑی
اور ڈرائیور کو دانش منزل کا پتہ بتا دیا۔ اس نے عمران
کو تیزی سے دانش منزل کی طرف پہنچانا شروع کر دیا۔ پھر
یکایک سامنے ایک ٹیلی فون بوٹہ کی سمت عمران کی تیز
نگاہیں جم گئیں۔

اس نے کچھ سوچ کر فوراً ڈرائیور کے کندھے پر
ہاتھ رکھ دیا۔ ڈرائیور چونکا اور اس کی طرف مڑ کر دیکھنے
لگا۔ دراصل عمران کی کلائی کو ایک جھٹکا لگا تھا۔ اسے پیغام
سننا تھا۔ اس نے ڈرائیور سے یہاں کیا
”اس بوٹہ کے سامنے آتا رہو۔ مجھے ایک ضروری فون
کرنا ہے۔“

”میں انتظار کروں گا صاحب۔“ ڈرائیور بولا
”نہیں۔۔۔ اس جگہ مجھے اتار کر تم جاؤ۔“

ٹھیک ہے صاحب۔“ ڈرائیور نے ٹیکسی روک دی
اور بل لے کر چلتا بنا۔ پھر عمران دروازہ کھول کر اندر داخل
ہو گیا۔ کمریڈل سے ریسور اٹھا کر وہ یہ نگاہ کرنا چاہتا تھا
کہ وہ کسی کو فون کر رہا ہے۔ اس نے وایچ ٹرانسمیٹر کی
ونڈراڈ کو باہر کی طرف کھینچا۔ دوسرے ہی لمحے رابطہ قائم

ہو گیا۔ اس نے بابر کی آواز سُنی۔
”بابر اسپیکنگ اور۔“
”رپوٹ دو۔۔۔ اور۔“ عمران نے فوراً کہا
”ریڈینگ کے سنے سکنے والے آدمی کا تعاقب بدستور کر رہا
ہوں۔“

”تم بہت ہونہار بچے ہو۔“ عمران نے شاباش دی
”اور اس بار اس ہونہار بچے سے شاید کوئی غلطی ہو
گئی ہے۔“ بابر نے کہا
”کیسی غلطی؟“ عمران نے چونک کر کہا

”یوں لگتا ہے وہ اپنے تعاقب سے باخبر ہے۔ کیونکہ
اپنی گاڑی سے بلا مقصد ہی سڑکوں کو روند رہا ہے۔“
”ہونہار!۔۔۔ عمران کے حلق سے ایک سیٹی کی سی آواز
نکلے اور اس نے پُرسوچ انداز میں رہتے ہوئے سکڑ لیا
چند لمحوں کے سکوت کے بعد اس نے کہا

”تم اس وقت کس مٹرک پر ہو؟“
”ماربل روڈ کے دوسرے چوراہے پر۔۔۔ سگنل کی
سرخ ہے۔“ بابر نے جلدی جلدی سے کہا۔

”ماربل روڈ۔“ عمران نے چونکتے ہوئے کہا۔ ”اوکے
شارے بتانے والے بٹن کو آن رکھو۔ میں تمہارے پاس

انداز میں سرے اور اینڈ آل —
 اعبانے واپس ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔ مگر اشارے ظاہر
 اور ڈرائیو والا بن آن رکھا۔ پھر وہ بوجھ سے باہر نکل آیا۔ سڑک
 پر اگر اس نے ایک ٹیکسی پکڑی — گھڑی سے ہلکے ہلکے
 اشارے موصول ہو رہے تھے۔ عمران نے ڈرائیو کو ماربل
 روڈ چلنے کے لیے کہا۔

ڈرائیو نے گاڑی آگے بڑھا دی جس طرح سے گھڑی
 سے اشارے موصول ہو رہے تھے۔ اسی ہدایت پر وہ
 ڈرائیو سے راستے بدلنے کو کہتا جا رہا تھا۔

”گاڑی روک دو! — عمران ڈرائیو سے مخاطب ہوا
 ڈرائیو نے چند لمحوں میں گاڑی روک دی۔ اب گھڑی
 اشارے نہ بتلا رہی تھی۔ ظاہر ہے عمران کی منزل یہی جگہ
 تھی — عمران کے چہرے پر تشویش دور پریشانی پھیل
 گئی۔ کیونکہ دوسری طرف سے اب اشاروں کا سلسلہ
 منقطع تھا۔

”کیا ہوا صاحب! — ڈرائیو نے پوچھا۔ کیونکہ
 عمران ابھی تک ٹیکسی سے نیچے نہ اتر اٹھا۔ عمران پھر دھیمو

آواز میں بولا۔

”بالکل رینگنے والی رفتار سے آگے بڑھتے رہو۔“

اور پھر عمران کی ہدایت پر ٹیکسی رینگتی ہوئی آگے بڑھتی چلی
 گئی۔ عمران نے کھڑکی میں سے باہر دیکھا۔ جائزہ لینے
 والے انداز میں اس کی نگاہیں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں
 وہ اس وقت شہر سے باہر جانے والی سڑک پر تھے وہ
 سڑک ویران اور سنسان سی تھی۔ وہاں ٹریفک بس براۓ
 نام ہی تھی۔ عمران نے سوچا کہ وہ اب باہر سے زیادہ دور
 نہیں ہے۔ پھر ابھی وہ تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ عمران کو
 اپنی کار سڑک کے کنارے ایک جگہ گھڑی ہوئی نظر آئی۔
 عمران نے فوراً ٹیکسی رکوائی۔ اور اتر کر اپنی کار تک آگیا۔ لیکن
 کار بالکل خالی تھی۔ اس نے ادھر ادھر نظر میں دوڑائیں۔ مگر
 اسے باہر نظر نہ آیا۔ پھر فوراً ہی عمران سڑک پر جھک گیا۔ سڑک
 پر کسی دوسری گاڑی کے ٹائیروں کے نشانات موجود تھے
 عمران کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس
 نے مراد پر اٹھایا تو ڈرائیو کو اس نے اپنی طرف عجیب
 انداز میں دیکھتے پایا۔ اسی لمحے عمران احمقانہ انداز میں گردن
 ملانے لگا۔

”مم — میری چوٹی گر گئی ہے۔“ عمران جھینپ کر بولا
 ”چوٹی! — ڈرائیو کا منہ حیرت سے کھل گیا اور وہ
 پھی پھی آنکھوں سے عمران کو دیکھنے لگا۔

”ہاں — ہاں چونی — وہ ہڑبڑا کر بولا — بد بخت جبر سے نکل کر یہیں نہیں گئی ہے۔ خیر چھوڑ دوں گا نہیں — سے بچ کر نہیں جاسکتی — اور میں نے اسے جانے بھی نہیں دینا۔ تم کہہ رہو میری چونی، سامنے آ جاؤ — ورنہ مار کر جبر سے نکال دوں گا۔“

یہ کہہ کر وہ فضا میں مکے چلانے لگا۔ اور ڈرائیور کسی بت کی طرح گم سم اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر فوراً ہی عمران نے ایک بڑا نوٹ جبر سے نکالا اور ڈرائیور کی طرف بڑھ دیا۔

ڈرائیور نے نوٹ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ پھر اسے حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا۔ وہ چونک کر بیلے سے بھیڑیا حیرت سے عمران کو دیکھنے لگا۔

”اسے رکھ لو — ڈرائیور بھیا — عمران نے کہا۔“
”کیا واپس نہیں جانا ہے۔“ ڈرائیور حیرت بھری آواز میں بولا۔

”جب تک بکھت چونی نہیں ملتی میں واپس نہیں جا سکتا۔ اسے حاصل کر کے ہی مجھے سکون ملے گا۔ عمران حماقت بھری آواز میں کہا۔
ڈرائیور کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹنے کو ہو گئیں۔

پھر اس نے نوٹ جبر میں ڈالا اور اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتا ہوا گاڑی کو یو ٹرن دے کر آگے کی طرف لپکا۔ پھر اس کی گاڑی بجا گئی چلی گئی۔ اور عمران نے ایک طویل سانس لے کر اپنی ٹو سیدر کا دروازہ کھولا۔ انگلیش میں چابیاں موجود تھیں۔ اس نے چابیاں گھمانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو فوراً سامنے فٹ اسکرین چپکے ہوئے ایک چھوٹے سے کاغذ پر اس کی نگاہ پڑی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کاغذ پکڑ لیا۔ اس پر لکھا ہوا تھا ”سٹر عمران — تمہاری چالاکی بیکار گئی۔ بلکہ تم نے اپنے آدمی کو میرے پیچھے بھیج کر میری ایک مشکل ہی سان کر دی۔ اب تمہارا یہ متعدد ساتھی اس وقت میری نگرانی میں رہے گا۔ جب تک کہ تم پیڑ اور برے دوسرے ساتھیوں کو نہیں چھوڑ دیتے۔ ورنہ دو دن کے بعد تمہارے اس ساتھی کی لاش کسی لڑک پر پڑی ہوئی ملے گی۔“ باکس جبر۔

عمران نے کاغذ کا پرزہ جبر میں ڈال لیا اور پھر میزنگ پر جم کر بیٹھ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر تلخ اور زہریلی مسکراہٹ پھلتی چلی گئی۔ پھر اس نے انگلیش میں چابی گھمائی اور پھر انجن اسٹارٹ ہو گیا اور کار کا رخ شہر کی طرف کر دیا۔

میں سے ایک سرخ نقاب پوش دبے پاؤں دربان کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ ذرا بھی آہٹ نہ پیدا کر رہا تھا۔ ویسے بھی دربان اس کی آمد سے بے خبر تھا۔ جب ایک فٹ کا فاصلہ رہ گیا تو دربان اچانک گھوما مگر اب تاخیر ہو چکی تھی۔ سرخ پوش نے بجلی کی سی تیزی سے اور کسی درندے کی سی پھرتی سے ریشمی ڈورے کا پھندہ دربان کی گردن میں ڈال دیا۔ اس کے ایک ہی ٹھکے سے دربان نے ہاتھ پاؤں ڈال دیئے۔ پھر سرخ پوش اس پر جھک گیا۔ اپنا اطمینان کرنے کے بعد سرخ پوش نے غلق سے ایک عجیب و غریب آواز نکالی۔ اس کی آواز کو سن کر اس کے سامنے وہاں پہنچ گئے۔ ”یہ دربان مگر کیا ہے کیا؟“ ان میں سے ایک نے پہلے آنے والے سے پوچھا۔

”صرف بے ہوش ہے۔ مجھے یقین ہے چار پانچ گھنٹوں سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔“ یہ کہہ کر اس نے۔ دربان کے گلے پھندا نکال لیا۔

پھر اس نے دربان کو گیٹ کی دیوار کے ساتھ ہی لٹا دیا۔ اور اس کی بندوق اس کے قریب ہی رکھ دی۔ پھر اس سرخ پوش نے ایک باریک تار جیب سے نکال

گھب اندھیرے میں چار سائے آگے بڑھ رہے تھے۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اس لیے اندھیرا کچھ زیادہ ہی تھا۔ سرخ نقاب پوش آگے ہی آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لستولی مضبوطی سے تھمے ہوئے تھے۔ اندھیرے میں ان کی آنکھیں کسی درندے کی طرح چمک رہی تھیں۔ سامنے ان کا مطلوبہ ہنگامہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

ہنگامے کے گیٹ پر دربان بیٹھا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ لیکن وہ چاروں اس کی نظروں سے پوشیدہ تھے۔ دربان ان کی طرف پشت کیے ہوئے بیٹھا ہوا تھا۔ ان

کمر فضل میں پھنسا دیا۔ ایک جھٹکے سے قفل کھل گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ گیٹ کے اندر داخل ہو گئے تھے۔
 ”وساقتی انہوں نے گیٹ پر نگرانی کے لیے متعین کر دیئے تھے۔ اب دو نقاب پوش آگے ہی آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ دربان کو بے ہوش کرنے والا سرخ نقاب پوش ذرا آگے تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے دوسرا نقاب پوش تھا۔

وہ سرخ بھری کی شاندار سڑک کو روندتے ہوئے عمارت کے صدر دروازے تک آگئے۔ گیٹ سے لے کر یہاں تک کا خاصا فاصلہ تھا۔ دروازہ اندر کی طرف لاکھ تھا۔

”اب کیا کریں؟“ ایک سرخ پوش نے دوسرے سے مرگوشی کی۔

”اب کھڑکی کے علاوہ اندر جانے کا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ باہر سے کسی طرح بھی قفل نہیں کھولا جاسکتا“ سرخ نقاب نے اپنے ساتھی سے کہا۔

پھر وہ دروازے کے ساتھ والی بکڑی کے طرف لپک گیا۔ اس نقاب پوش نے بکڑی کے قریب پہنچ کر اپنے لباس کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اور جب اس

نے ہاتھ نکالا تو اس کے ہاتھ میں شیشہ کا ٹٹے والا آکھ موجود تھا۔ اس نے آٹے پر لگا ہوا ایک بین دبایا۔ آٹے میں سے ایک شعاع نکلی۔ دوسرے لمحے شیشے پر پڑی تیرے لمحے شیشہ چور چور ہو کر نیچے آپڑا۔

دروازے پر موجود نقاب پوش نے دھیمی آواز میں اپنے ساتھی سے کہا۔
 ”چلو کام بن گیا ہے۔“

پھر اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔
 ”میں کھڑکی کا دروازہ کھولنے لگا ہوں۔ تم میرے پیچھے پیچھے مجھے کور کیئے ہوئے اندر آ جانا۔“

”اوکے“ اس نے جواب دیا۔ پہلے نقاب پوش نے ہاتھ بڑھا کر کھڑکی کا کلپ گرا دیا۔ اور اندر جھانکا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کے پیچھے کھڑکی پر چڑھے اور آگے پیچھے اندر کود گئے۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ پہلے نقاب پوش نے جیب سے ایک پنسل ٹارچ نکال لی اور اس کی روشنی میں اس کی نگاہیں کمرے میں ادھر ادھر جائزہ لینے والے انداز میں بھینکنے لگیں۔

کمرے کا ساز و سامان یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ کمرہ ڈرائینگ روم ہے۔ پھر دونوں پنسل ٹارچ کی روشنی

میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور کمرے کا دروازہ کھول کر ایک راہداری میں آ گئے۔ اور پھر آگے بڑھنے لگے۔ انہوں نے سامنے دیکھا کہ ایک کمرے سے سبزی مائل روشنی باہر جھانک رہی تھی۔

وہ گریہ قدموں سے چلتے ہوئے اس کمرے کے سامنے آکر رک گئے۔ سبز روشنی ظاہر کر رہی تھی۔ کہ وہ کسی کچے خواب گاہ ہے۔ پہلے سرخ پوش نے دروازے کے پٹ پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے بند دروازے کو دبایا۔ اور پٹ کھلتا چلا گیا۔ اس نے اپنے ساتھی کو اس جگہ رکنے کا اشارہ کیا۔ اور خود دروازے میں داخل ہو گیا۔

سامنے ایک شاندار مہری تھی اور کوئی آدمی ریشمی مہین سی چادر اوڑھے خواب خرگوش کے منرے لے رہا تھا۔ وہ گہری نیند میں لگتا تھا۔ سرخ پوش کے قدم مہری کی طرف اٹھتے چلے گئے۔

اس نے مہری کے قریب رک گئے کہ ایک ہلکا سا سانس لیا۔ اور پھر بڑی احتیاط سے چادر کو سرکایا۔ مہری پر ایک خوبصورت عورت لیٹی جو خواب تھی۔ اسی لمحے سرخ پوش نے جیب سے ایک رومال نکال لیا۔ اور پھر دوسری جیب سے اس نے ایک چھوٹی سی شیشی برآمد

لی۔ اس نے شیشی میں سے چند قطرے رومال پر اندر ڈالے۔ پھر اس نے شیشی بند کر کے دوبارہ جیب میں ڈال لی۔ ورنہ رومال کو ایک مرتبہ فضا میں لہرایا۔ اس نے وہ رومال سوٹی ہوئی نازنین کی ناک پر رکھ دیا۔

ایک لمحے کے لیے اس کا جسم کسمایا۔ دوسرے لمحے مالکت ہو گیا۔ جب نقاب پوش کو اطمینان ہو گیا کہ وہ لاپوش ہے تو اس نے اس کا گداز جسم کندھے پر ڈالا۔ اٹھ کھڑا۔ پھر اس کے گریہ قدم دروازے کی طرف اٹھتے چلے گئے۔

”کام بن گیا ہے کیا؟“ دروازے پر کھڑے دوسرے

نقاب پوش نے بہت ہی دھیمی آواز سے پوچھا۔

”بالکل ہو گیا۔“ پہلے سرخ پوش نے بھی دھیمی آواز

پن جواب دیا۔ پھر اس نے خوبصورت عورت کے مرمرین

م کو دوسرے کندھے پر ڈال لیا۔ پھر وہ دونوں اس کمرے

میں آ گئے۔ جس کی کھڑکی کے زریعے وہ اندر داخل ہوئے

تھے۔ اب پہلے نقاب پوش نے پینٹل ٹارچ پھر روشنی کر

لی۔ پھر ان کے قدم کھڑکی کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ وہ

لڑکی سے کوہ کر باہر آ گئے۔

چادروں طرف سناٹا طاری تھا۔ خاموشی اور سکوت کی

حکمرانی تھی۔ بحری کی مڑک کو روندنے کے بعد وہ گیٹ پر آن پہنچے۔ گیٹ پر ان کے دونوں ساتھی سرخ نقاب پوشش موجود تھے۔ انہیں دیکھ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر ان کے قدم مڑک کی طرف اٹھتے چلے گئے۔

پہلے نقاب پوشش نے عورت کا مر میں جسم کار کے اندر منتقل کیا۔ پھر وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آن بیٹھا۔ پھر اس نے نقاب اتار دیا۔ وہ سفید فام تھا۔ دوسرا نقاب پوشش اس کے قریب براجمان ہو گیا۔ وہ بھی بیٹھے ہی نقاب اتار چکا تھا۔ وہ شارٹن تھا۔ باقی دو نقاب پوشش بھی پھپھی سیٹ پر بیٹھنے کے بعد اپنا اپنا نقاب اتار چکے تھے سفید فام ڈائٹھ نے ابجن اشارٹ کر کے کار آگے بڑھادی۔ پھر کار تیزی سے مڑک پر بھاگتی چلی گئی۔ چند لمحوں کے بعد شارٹن، ڈائٹھ سے مخاطب ہوا۔

”کیا اس شخص کے بارے میں معلوم ہو گیا۔ جس نے آپ کے گھرے میں ٹائم بم بھیجا تھا؟“
 ”بالکل نہیں!“ ڈارٹن ایک گہرا سانس لے کر بولا
 ”یوں لگتا ہے کہ وہ جیگر کا کارنامہ تھا۔“ وہ میرا پرانا ہی دشمن ہے۔“

”جیگر!“ شارٹن چونک کر زور سے اچھلا۔
 ڈارٹن نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک سنگار باہر نکالا۔ اور دانٹوں سے اس کے سرے کو پیچ کر کیا۔ شارٹن نے لائٹر جلا کر اس کی طرف بڑھایا اور سنگار سسکا دیا۔ پھر اس نے پوچھا۔
 ”کیا پائپ پینا چھوڑ دیا ہے؟“

پائپ تو میں کبھی کبھار استعمال کرتا ہوں۔ اکثر سنگار ہی چلتا ہے۔“ پھر اس نے کہا۔ ”جیگر یہاں پہنچ گیا ہے۔“
 ”حیرت کی بات ہے۔“ شارٹن نے اس کی طرف اپنی نگاہیں جما کر کہا۔

اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔“ وہ دھواں اڑا کر بولا۔ جیگر کو یہاں آنا ہی تھا۔ اس کے ملک سے ہی ڈاکٹر زیدی اور اس کا نائب فرار ہو کر یہاں اپنے ملک پاکستان آئے ہیں۔ پھر وہ یہ ماری طانیہ یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ کہ ہتیوری پاکستان کے حصے میں آئے۔“ پھر اس نے دانٹ پیس کر عزاتی ہوئی آواز میں کہا۔

”یہ جیگر ہی ہے۔ جو بخاری راہ میں دیوار بن کر مائل ہوا۔ ورنہ ہم سیکرٹ سرکس کو خیر ہونے تک سے پہلے ہی ہتیوری لے کر اپنے ملک برانس پہنچ چکے ہوتے۔ کجوت

جیگر نے ہمارے سارے پلان کا تیا ناس کر دیا۔ اور اب اس کا بیڑہ سزق کر کے ہی دم لوں گا۔
 ”ہوں۔۔۔ شارٹن کے ہونٹ سکڑ گئے۔ یہ یقین سے تو نہیں کہا جاسکتا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی اور بھی بھی بیچ میں آگیا ہو۔“

”میں اس کی عادتوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ کھولتے ہوئے بولا۔ جیگر ہی اس قسم کی حرکتیں کرتا ہے اور یوں سمجھ لو کہ تمہارے تعاقب میں آنے والا بھی میرے یقین کے مطابق جیگر کا ہی آدمی تھا۔“
 ”لیکن جس وقت ہم بنگلے سے فرار ہوئے تھے ہمارے تعاقب میں کوئی معلوم نہیں ہوتا تھا۔ شارٹن نے اسے دیکھ کر الجھن بھری آواز میں کہا۔

ڈائریج نے اسے ایک نظر دیکھا
 ”تم بھول جانے کے عادی لگتے ہو۔ تمہیں یاد نہیں رہا کہ میں بنگلے میں موجود تھا۔“

”ہوں۔۔۔ شارٹن شرمندہ ہو گیا۔ پھر بولا۔ اس طرح تو وہ ہمارے ٹھکانے سے باخبر ہے۔“

”ہیں۔۔۔ ڈائریج نے جلدی سے کہا۔ اسے ہمارے ٹھکانے کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ اگر وہ جانتا تو

ب تک کبھی کاوار کر چکا ہوتا۔
 ”اگر اتنی جلدی جیگر دار کرنے کا عادی ہے تو ڈاکٹر پیری اور اس کے نائب پر ہاتھ کیوں نہیں ڈال سکا۔“
 ”الحق آدمی۔۔۔ ڈائریج ہلکا کر بولا۔ وہ میڈلین کی آری کے انتظار میں ہے۔ وہ یہ جاننے کا منتظر ہے۔ کہ میڈلین درست کام کرتی ہے یا عتیوری ناکام ثابت رہتی ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ عتیوری ہر طرح کامیاب ہے تو فوراً وہ ہاتھ ڈال دے گا۔“

”ہوں۔۔۔ وہ بھینپ کر بولا
 ڈائریج تیزی سے سگار کے کش لگانے لگا اور ی گو گھا کہ دوسری سڑک پر لے آیا۔ پھر ایک دم اس ہونٹوں پر ایک پراہرارسی مسکراہٹ ناچنے لگی۔ پھر نے آہستگی سے کہا

وہ اس بھول میں ہے کہ عتیوری پاسکے گا۔
 لیا مطلب؟۔۔۔ شارٹن چونک کر اس کی طرف نہوئے بولا۔

تم سمجھ کر کیا لو گے۔۔۔ ڈائریج تلخ آواز میں غرایا۔
 ارٹن کو کچھ پوچھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اور سکوت پھیل ن کے سانسوں کی آواز الجھن کے شور میں دب رہی

تھی۔ پھر وہ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں ڈوب گیا۔ کار
میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ سوچوں اتنے ڈوب گئے
کہ انہیں اپنے تعاقب میں آنے والی کار کا بھی پتہ نہ رہا۔
ان کا خیال اس طرف آیا ہی نہیں کہ ان کا تعاقب بھی
ہو سکتا ہے مگر ایک کار بنگے سے چلتے وقت ہی ان
کے پیچھے لگ گئی تھی۔ ڈائیوٹ کو معلوم بھی نہ ہو سکا اور اس
کی کار مختلف سڑکوں کو روندتی آگے بڑھتی چلی گئی۔

ژ

عمران کے قدم جیسے ہی کمرے کے اندر آئے
فون کی گھنٹی کو سخت آواز میں جیتتی چلی گئی۔ عمران نے جوا
ریلیفون کی طرف دیکھا۔ اور اس کے چہرے پر ناگوار
زات پھیلنے چلے گئے۔ پھر اس نے ریسیور اتار کر پچوٹنگم
ڈالا اور چباتے ہوئے فون کی طرف دیکھا۔ اور پھر
ا۔ اور ریسیور کو ہڈل سے اٹھالیا۔

ہیلو — علی عمران — ایم ایس سی پی ایچ ڈی
ایک بول رہا ہوں۔ ویسے مجھے پٹیا لوی احمق بھی کہا
تا ہے۔

ادھر سے ایک عزاتی ہوئی آواز ابھری
مسخرے پن کو بھونڈو اور میری بات کو پوری توجہ

”میں تو تمہیں نہیں سمجھ سکا سفید خام بزرگوار۔ اور کیا خاک
سمجھوں گا۔ تم بھی کچھ سوچو کچھ سمجھو بڑے بھائی۔ فرض کرو
اگر میں تمہارے ساتھیوں کو چھوڑنے پر رضا مند ہو جاؤں
تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ میرے ساتھی کو تم چھوڑ
دو گئے؟“

”میری بات پر یقین ہی کافی ہے۔
تو پھر میں سوچ لوں بڑے بھائی۔“
اس دوران میں اچھی طرح سوچ لو منظرے۔ وہ عزایا
”پھر تمہیں مہلت نہ ملے گی۔“
”تو کیا آپ اس مدت میں رحلت فرما جائیں گے قبلہ
و کعبہ۔“

”میرا نام قبلہ و کعبہ نہیں جیگر ہے۔“
”اچھا تو شیکر صاحب۔“ میرا مطلب ہے یکات شیکر
صاحب اگر میں جلد ہی تمہارے آدمیوں کو آزاد کروں تو
تم کیا کر دے گے؟“ عمران نے پوچھا
”ظاہر ہے۔ میں تمہارے ساتھی کو رہا کر دوں گا۔ مگر
ایک بات کا خیال رکھنا۔ رہائی کے بعد میرے آدمیوں کا
تعاقب مت کرنا۔“

عمران نے دیدے گھمائے اور ریسپور کر بیڈل پر رکھ

سے سنو۔
اسی لمحے عمران کے حلق میں اس کی ڈگریاں گھٹ کر
رہ گئیں۔

”سن رہا ہوں قبلہ و کعبہ بزرگوار بندہ نوا
بندہ پرور پورے جلاک۔ میرا مطلب پورے الہی کر لے
سن رہا ہوں۔ کیا جلوہ افروزیاں ہیں فرمائیے؟“
”پھر وہی مسخرہ پن!۔ انتہائی سخت آواز عمران
کان پڑی۔ میرا پیغام یقیناً تمہیں مل گیا ہو گا۔ تمہارا
ساتھی اس وقت میرے پاس ہے۔ میں نے تمہیں
دن کی مہلت دی تھی۔ سمجھ گئے میری بات۔ میرے سر
رہا کر کے اپنے آدمی کو رہا کروالو۔“

عمران نے ایک طویل ساٹھس بھیجی۔ وہ سمجھ گیا تھا
ادھر جیگر ہی ہے وہ عمران کے انداز سے ہے بھی
پھر تیار نکلا تھا۔ عمران نے احمقانہ انداز میں منہ چلا کر کہ
”کسی نمبر سے بول رہے ہو قبلہ و کعبہ!۔ میں
نہیں۔ ابھی ابھی تم نے کیا سمجھ فراشی کی تھی؟“
”لفظی کو جانے دو مسخرے۔ میرے پاس فالنگنا
نہیں ہے۔“ ادھر سے عزایاٹ بھری آواز ابھری۔
”تعاقب مت کرنا۔“
کی بات کرو۔ تم سب کچھ سمجھتے ہو۔“

دیا۔

”ہوں۔“ عمران نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔
 ”تو میرا اندازہ درست ہی نکلا۔ میرا یہی خیال تھا۔“
 ”جس غیز ملکی کی تلاش پر آپ کے حکم کے مطابق
 میں نے اپنے مبرزہ کو ہوٹل اور دوسری جگہوں کو چھاننے
 کے لیے کہا تھا۔ وہ اس کی تلاش میں بالکل ناکام ہو
 گئے ہیں۔ وہ کہیں نہیں ملا۔ یوں لگتا ہے وہ میک
 اپ میں تھا۔“

”وہ میک اپ میں نہیں تھا۔“ عمران نے سخت آواز
 میں کہا۔ ”مہتیں سیکرٹ سروس کے صفحہ آئشی پر چپاں
 اس کی تصویر مل جائے گی۔ سمجھو وہ ہمارے آدمیوں
 کی نظر میں نہیں آ سکا۔ کیونکہ ہم سب تو ایک آبرو کے
 قیدی بنا دیئے گئے تھے۔“
 ”میں ممبروں کی زبانی یہ سب کچھ سن چکا ہوں۔“

بلیک زیرو نے کہا۔

”اب اس غیز ملکی کی تلاش کی ضرورت نہیں ہے۔“

عمران نے کہا۔

”ٹھیک ہے عمران صاحب۔“ بلیک زیرو نے جواب دیا
 ”مگر میں سمجھ نہیں سکا آخر خبروں کا مقصد کیا ہے وہ

دیا۔ دوسری طرف سے پہلے ہی سلسلہ منقطع کر دیا گیا تھا۔
 وہ اسی جگہ کھڑا چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر اس نے ریسور
 اٹھا کر ایکسٹو کے ممبر گھمائے۔ دوسری طرف بیل ہو رہی
 تھی۔ مگر ریسور کوئی نہ اٹھا رہا تھا۔ عمران پریشان ہو کر
 سلسلہ منقطع کرنے ہی والا تھا۔ کہ بلیک زیرو کی آواز
 ابھری۔ وہ مخصوص لہجے میں بولا۔

”ایکسٹو اسپیکنگ!“

”کسی حینہ سے آنکھ لڑا رہے تھے۔ یا مرغ لڑائے
 کا شوق فرما رہے تھے۔ ایکسٹو بھیا۔“

”ہوں تو آپ ہیں۔“ بلیک زیرو اپنی اصلی آواز
 میں بولا۔ ”میں ذرا جو زف کے ساتھ چوئیں لڑا رہا تھا
 کبھی کبھی تو بہت ہی تنگ کرنے لگ جاتا ہے۔ اب
 دس بوتلیں پینے کے بعد اور شراب مانگ رہا تھا۔ اگر
 مہنگائی کے دور میں اس کی ڈیمانڈ کہاں تک پوری کی
 جاسکتی ہے۔“

”اس سے چوئیں لڑائے جاؤ۔ یہ بتاؤ کہ

ریٹائرڈ جنرل کا کچھ پتہ چلا۔“

”میں اس سے مل چکا ہوں عمران صاحب!۔ وہ
 کہتا ہے اس نے کسی کو وہ زرد بنگلہ کرائے پر نہیں

کیا چاہتے ہیں؟

”وہ ڈاکٹر زیدی کی عھتوری چاہتے ہیں۔ بیٹے۔“ ایک چور پارٹی نہیں بلکہ دو ہیں۔“ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔
”ہمیں دونوں کا مقصد سمجھ جانا چاہیے۔ ایک پتہ لکھ لو۔ اور کامران کو وہاں کی نگرانی پر مامور کر دو۔“ جعفر روڈ پر ایک دھیمے رنگ کا گرین بنگلہ ہے۔ نگرانی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو۔“

”اوکے۔“ بلیک زیرو دلچ کر بولا۔ مگر اس نگرانی کا مقصد کیا ہے؟

”مقصد کا پتہ ہمیں جلد ہی لگ جائے گا۔“ عمران چند لمبے خاموش رہا۔ پھر اس نے بابر کا جیگر کے ہاتھوں پکڑے جانے کا تمام واقعہ کہہ سنایا۔

”اس کا مطلب ہے آپ نے کافی ترقی کی ہے اور مقورٹ عرصے میں مجرموں سے کافی ہاتھ پائی کی ہے۔“ بلیک زیرو ہنستے ہوئے بولا۔

”بالکل کی ہے۔“ وہ شاید مذاق کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس لیے سنجیدہ ہی رہا۔

”پھر اب کیا ارادے ہیں بلیک زیرو؟“ پوری سنجیدگی سے کہا۔

”بابر کے بارے میں سوچوں گا۔ ویسے اب ہمیں جیگر کے آدمیوں کی ضرورت نہیں رہی۔ اب میں جیگر کے ہاتھ ڈالوں گا۔“

”تو گو یا بابر کو چھڑانے میں ابھی تاخیر ہے؟“ بلیک زیرو نے پوچھا۔

”تاخیر نہیں۔ بہر حال یہ بابر کی غلطی تھی کہ اس نے ہ جاننے کے باوجود بھی کہ جیگر اس کے تعاقب میں ہے اس نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔ اور اس کے ہاتھوں کی چلا گئی۔“

”کچھ خاموشی رہی پھر عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ ابھی وہ ڈیسور کو یڈل پر رکھ کر اسے گھور رہا تھا۔ کہ فون اٹھنی پھر چیخ اٹھی۔ ادھر سے کہا گیا

”میں صدیقی ہوں عمران صاحب!۔ میں آپ کے نم کے مطابق ڈاکٹر زیدی کے بنگلے کی نگرانی کر رہا تھا۔ کچھ لوگ بنگلے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے بنگلے سے کسی کو اعواء کیا ہے۔“

”کون ہو سکتا ہے۔ عمران پر سوچ آواز میں بولا۔
”اعواء کیا گیا ہے۔“

”میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔“ پھر وہ پُر خیال

انداز میں بولا۔ میں نے تنگے میں صرف ایک خوبصورت عورت کو دیکھا ہے۔ شاید وہ ڈاکٹر افتخار زیدی کی بیگم ہے۔
 ہے اسے ہی اعزاء کیا گیا ہو۔

یہ سن کر عمران اس طرح زور سے اچھلا جیسے اُت کر نٹ نے چھو لیا ہو۔ اس کے دماغ میں دھماکہ ہوا۔
 زیدی کی بیوی کو اعزاء کر لیا گیا ہے۔ اس بارے میں ہم نے سوچا ہی نہ تھا۔ مجرم بہت ہی چالاک اور خفا ہے۔ ہمیں اس تنگے پر ملٹری فورس کی نگرانی کرنی چاہی تھی۔ مگر اب تو تیرکھان سے نکل چکا تھا۔ وہ پونجی آواز میں بولا۔

”اعزاء کرنے والوں کی تعداد کیا تھی؟“
 ”چار آدمی تھے جناب!۔ وہ سرخ نقاب پورٹ تھے۔ میں ان کے چہرے نہ دیکھ سکا۔ ویسے بھی بہت گہرا تھا۔ میں آنکھوں کا فی فاصلے پر تھا۔ کیہ احتیاط کا تقاضہ یہی تھا۔“

”ہوں۔ عمران ابھی ہوئی آواز میں بولا۔“
 نگرانی بھڑکتے رہی۔ کسی قسم کی مداخلت نہ اس کے ساتھ ہی عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس کی آنکھوں میں درندہ صفت چمک پڑی۔

فی۔ اور چہرہ بھی اسرار آمیز انداز میں چمک رہا تھا۔
 نے سٹریپ دبا کر سلسلہ منقطع کیا تھا۔ مگر کمرے کے ہاتھ میں تھا۔ پھر اس نے جلدی جلدی دانش کے بل بوتے پر تھے۔ جلدی سلسلہ مل گیا۔ عمران کی سن کر بلیک زیدو اپنی اصلی آواز میں بولا۔

نرانیئے عمران صاحب!؟
 ڈاکٹر زیدی کے تنگے کی نگرانی صدیقی کو رہا ہے۔ کہ کے لیے دوسرے نمبر کو روانہ کر دو۔ کیونکہ یوں ہے۔ مجرم ڈاکٹر زیدی کی بیگم کو اعزاء کر کے لے گئے۔“

بلیک زیدو چونکا۔
 ڈاکٹر زیدی کی بیگم کو اعزاء کر لیا گیا۔ کس کی رپورٹ

صدیقی کی رپورٹ ہے۔“
 تقریباً بہت برا ہوا۔“ بلیک زیدو نے افسوس زدہ کہا۔ بہر حال میں تنویر کو بھجوا رہا ہوں۔“
 ”عمران چہکا۔“ اب دونوں پارٹیوں کا تمام فیورز اڑتے ہم بھی دیکھیں گے۔ پھر اس نے منقطع کر دیا۔

عمران بہت زیادہ تھک گیا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھا گیا۔ سلیمان نے چائے کی طشتری لاکر اس کے مہر میز پر رکھ دی۔ عمران نے چائے بناٹی اور چکیاں لیے لگا۔ رات آخری حصے میں تھی۔ مٹھوڑی دیر میں صبح ہونے والی تھی۔ ساری رات جاگنے کی وجہ سے عمران کی آنکھوں میں مٹھوڑی چھلک رہی تھی۔ اس کے باوجود وہ ہر طرح مستعد اور چاق و چوبند نظر آ رہا تھا۔

چائے ختم کر کے اس نے آگے کوٹا نیکیں پسایں اور فون کو کھسکا کر اپنے نزدیک کر لیا۔ پھر ڈاکٹر افتخار زیدی کے ممبر گھمانے لگا۔

لیبارٹری میں چار فون کام کر رہے تھے۔ ان کا ایک ہی تھا۔ بیک وقت چار فونوں کی گھنٹیاں بجی تھیں سلسلہ ملنے پر دوسری طرف سے ڈاکٹر زیدی نائب کی آواز سنائی دی۔

”اسرار زیدی اسپیکنگ“

”ڈاکٹر افتخار زیدی سے ملائیے!۔ عمران کی باوقار گونجی۔

”وہ اس وقت اپنی تنوا بگاہ میں سو رہے ہیں۔

”بہت ضروری بات کرنا ہے۔“

”اوکے“ نائب نے کہا

”چند لمحوں میں ڈاکٹر زیدی کی آواز ابھری۔

افتخار زیدی اسپیکنگ!“

”عمران دس اینڈ سر“ عمران کی آواز میں وقار تھا۔

”اوہ۔ کیا بات ہے آفسر!“ اس نے کہا۔ رات کو اس طرح مجھے کیوں بیدار کیا گیا ہے؟

”مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ شادی شدہ ہیں۔“ عمران نے کہا۔

”کیوں کیا ہوا؟“ دوسری طرف سے پریشان آواز عمران کو سنائی دی۔

”آپ یہ بتائیے کہ آپ شادی شدہ ہیں۔ اور آپ بیگم آپ کے بنگلے پر ہی رہائش پذیر ہیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں آپ کے بنگلے کی سختی سے نگرانی کرتا۔“

”میں شادی شدہ ہوں۔“ وہ الجھ کر بولا۔ ظاہر ہے ری بیگم میرے بنگلے پر ہوگی۔ مگر بات کیا ہے؟

”افمنوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کی بیگم اس نٹ بنگلے پر نہیں ہیں۔ انہیں کچھ لوگوں نے اغواء کر لیا ہے۔“

”اعزاء کر لیا ہے۔“؟ عمران کو پریشان انداز میں ڈاکٹر زیدی کی چونکتی آواز سنائی دی۔ ”مگر کیوں؟“
 ”ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا سر۔“ پھر عمران نے صدیقی کے رپورٹ ڈاکٹر کے گوش گزار کر دی۔

”اب کیا ہوگا؟“ ادھر سے تشویش سے پوچھا گیا۔ مگر عمران ریسور میں کسی عورت کی آواز سن کر چونکا۔ اور جلدی سے بولا۔

”کیا ہونا ہے۔ آپ مطمئن ہیں۔ ہم انہیں تلاش کر لیں گے۔“ پھر ذرا الجھ کر بولا۔

”میں نے ابھی ابھی کسی عورت کے بولنے کی آواز سنی ہے۔“ اسی وقت دوسری طرف سکوت پھیل گیا۔ چھوڑی دیر کے بعد اسے پھر ڈاکٹر کی آواز سنائی دی۔

”یہاں عورت کہاں آفیسر۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔“ ہوں۔ شاید۔“ عمران نے کہا۔ آپ کی بیوی کو اعزاء کر لیا گیا ہے۔“ اب آپ ذرا بھی اپنی حفاظت سے غفلت نہ برتیں۔ بے شک یہاں فوجی جوانوں کا پہرہ ہے۔ مگر پھر بھی آپ کو بہت زیادہ محتاط رہنا پڑے گا۔ بے شک ہم نے یہاں سے پہرہ ختم کر کے کافی دور بگڑانی کرنے والوں کو بھیج دیا ہے۔ مگر آپ کسی بگڑانی بدستور

موجود ہے۔ ہمارے آدمی بھی میک اپ میں آپ کی بگڑانی کر رہے ہیں۔ مگر آپ بھی بہت زیادہ احتیاط سے کام لیں۔ میں عنقریب آپ سے ملاقات کروں گا۔ آپ کے بیوی کو جلد ہی تلاش کر لیا جائے گا۔ آپ ہمت سے کام لیں۔“

”بہت بہتر آفیسر۔“ مجھے نخر ہے کہ آپ مجھ سے تعاون کر رہے ہیں۔ اس کے لیے شکریہ۔“

”یہ ہمارا فرض ہے سر۔“ پھر اس نے دوبارہ پوچھا۔ ”یہ بتائیے میڈیسن کی تیاری کس مرحلے میں ہے؟“
 ”بہت ہی جلد میڈیسن تیار ہو جائیں گی۔ پھر میں ان پر تجربات کروں گا۔ اور ان کا ری ایجنشن معلوم کروں گا۔ اگر سو فیصد کامیاب رہا تو قابل ڈاکٹروں کی موجودگی میں میڈیسن پیش کروں گا۔“

”اللہ آپ کو کامیابی دے گا مرانی عطا فرمائے۔“ عمران نے کہا۔ پھر اس نے ریسور کرڈل پر رکھ دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عورت کی موجودگی وہاں تنہا مقصد سے تھی۔ وہ آواز سننے میں دھوکہ نہیں کھا سکتا تھا۔ کیونکہ آواز نہایت صاف اور واضح سنائی دی تھی۔
 سلیمان خاموش خاموش انداز لیے کمرے میں آوارہ

ہوا۔ عشق کے تیرنے اُسے گھائل کر کے خاموش خاموش بنا دیا تھا۔ اس کی خاموشی کو عمران اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ اس لیے وہ مسکرایا۔ اور سلیمان خالی برتن سمیٹ کر چلا گیا۔

عمران کے ذہن میں الجھنیں بھرتی جا رہی تھیں۔ ابھی تک اُسے درست لائن آف ایجنشن نہ ملی تھی۔ ڈاکٹر کے پاس عورت کی موجودگی نے اُسے اور زیادہ الجھا دیا تھا۔ اس پر اس کی بیگم کے اغواء نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ وہ سوچوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ آخر کار اس حالت میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ ابھی وہ کچھ دیر ہی سویا تھا کہ قدموں کی آہٹ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ سلیمان اندر داخل ہوا تھا۔ اس نے کمرے کی کھڑکی کھول دی تھی۔ تاکہ صبح کی تازہ ہوا اندر آئے۔ اور عمران آرام سے سوتا رہے مگر عمران تو بیدار ہو گیا تھا۔ اور اسے انیم وائٹکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ جس طرح خاموشی سے سلیمان اندر داخل ہوا تھا۔ اسی طرح واپس لوٹ گیا۔

اس کے جانے کے بعد عمران نے دھیمی ٹوروں میں سیٹی بجائی۔ اور اچھل کر اٹھ گیا۔ پھر اس نے جلدی جلدی جوتے پہنے۔ فلیٹ ہیٹ کو سر پہ رکھا۔ جھوڑا سامان

پر جھکانا۔ اور جیب میں ریوہور ڈال لیا۔ اس کے بعد وہ دروازے کی بلکھا۔ باہر آکر اس نے ٹرمیٹر کو گھیرا۔ نکالا۔ اور اُسے اسٹارٹ کر کے ایک طرف کو چل دیا۔ پھر وہ کار کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

ث

”ڈاکٹر افتخار زیدی اسپیکنگ! —“
 ”ہوں ڈاکٹر زیدی! —“ ادھر سے حکمانہ اور ناشائسا
 آواز سنائی دی۔ ”عذر سے سینے ڈاکٹر زیدی، تمہاری بیگم اس
 وقت ہمارے قبضے میں ہے۔“
 ”ہوں! —“ اس نے غم آلود آواز میں کہا۔ ”میں جانتا
 ہوں! —“
 ”وہ کیسے؟ —“ ادھر سے چونکنی ہوئی آواز میں پوچھا
 گیا۔

”سیکڑ سروس کا نمائندہ عمران سب کچھ جانتا ہے! —“
 ڈاکٹر نے ذرا سخت آواز میں کہا۔

”جانتا ہے تو کیا ہوا —“ ادھر سے ایک گہرا سانس لینے
 کے بعد کہا گیا۔ ”ہم اسے موت کی آغوش میں پہنچا دیں گے۔
 اگر تم اپنی بیگم کو زندہ سلامت دیکھنے کے خواہش مند ہو تو تمہیں ہماری
 ہدایات پر عمل کرنا ہوگا ورنہ تمہاری بیگم کو ختم کر دیا جائے گا اور میرے
 فون کرنے کے بارے میں بھی کسی کو نہ بتانا۔“

”م — میں تمہارا مقصد نہیں سمجھ سکا۔“ ڈاکٹر زیدی
 نے یوکلہاٹ اور گھبراہٹ میں کہا۔ اس کا رنگ سفید ہو گیا تھا
 وہ اس دھمکی سے کچھ زیادہ ہی گھبرا گیا تھا۔

”تم اتنے نا سمجھ نہیں ہو ڈاکٹر۔ یاد رکھو اگر تم نے ہماری

اور اس کا نائب تجربہ گاہ کے مخصوص
ڈاکٹر زیدی کرے ہیں کام میں مصروف تھے کہ یکایک
 ٹیلی فون کی گھنٹی ٹرٹرائی۔ نائب نے لپک کر ریسپور اٹھا لیا۔ کام کرتے
 کرتے ڈاکٹر زیدی کا ذہن اپنی بیگم کے اغواء کی طرف چلا جاتا تھا۔ مگر
 اس کے لیے جلدی جلدی کام نبھانا بھی بے حد ضروری تھا مگر اس
 کے خیالات بھٹک رہے تھے۔ اس لیے اس سے دلجمعی اور یکسوئی
 سے کام نہ ہو رہا تھا۔ اسے اپنے نائب کی آواز سنائی دی:
 ”آپ کا فون ہے سر!“
 وہ فون کے قریب چلا گیا اور ریسپور نائب سے لے کر بولا:

بات نہ مانی تو تمہاری بیگم کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ ہم جو کہتے ہیں کہ گزرتے ہیں — اُدھر سے سفاکانہ انداز میں کہا گیا۔ ویسے لاش تمہیں دے دی جائے گی۔

”ہمیں! — ڈاکٹر زیدی نے چیخ کر کہا۔

”ہماری بات مانو گے تب ہی تمہاری بیگم زندہ رہ سکتی ہے۔ تم ہماری نظروں سے پوشیدہ نہیں ہو۔ تمہاری ذرا سی بھی غلط حرکت تمہاری بیگم کی موت کا باعث بن سکتی ہے۔ زیادہ ہوشیار اور چالاک بننے کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔“

ڈاکٹر زیدی نے کچھ کہنا چاہا مگر آواز اس کے حلق میں پھنس کر رہ گئی۔

”میں ٹھیک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد فون کروں گا اور تمہیں کچھ احکامات دوں گا۔“ کرخت آواز والا اس کے ساتھ ہی خاموش ہو گیا۔ سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر زیدی نے ریسپورکریٹر پر رکھا اور خالی خالی نظروں سے ادھر گھرنے لگا۔ وہ بہت زیادہ پریشان ہو گیا تھا۔

”کچھ زیادہ ہی پریشان ہیں آپ سر! —“ اس کے قریب آکر تائب نے کہا۔

”میں برباد ہو گیا، میں تباہ ہو گیا اسرار —“ وہ کبھی پرہیزگارہ غمگین آواز میں بولا۔ ”میری بیوی کو ظالموں نے اغوا

کر لیا ہے۔ اگر میں اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھتا تو زیادہ بہتر تھا مگر تجربات میں رکاوٹ کی وجہ سے میں نے اُسے بنگلے پر ہی رہتے دیا۔ یہاں میں اُس کے لیے خطرہ سمجھتا تھا۔ مگر بنگلے سے تو اُسے اغوا بھی کر لیا گیا۔ یہ کیا ہو گیا؟ — اب کیا ہو گا۔“ اس کی آواز گلوگیر ہو گئی تھی۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور اس کے چہرے پر حیرت پھیلنے چلی گئی۔ حیرت کی وجہ اس کا فون نمبر تھا۔ فخریوں کو اس کے فون نمبر کا پتہ کیسے چلا۔؟

اچانک اسرار زیدی کی آواز گونجی۔

”فون کر نیو لا کون تھا سر؟ —“

”میں نے اس کی منحوس آواز پہلی بار ہی سنی ہے۔“ ڈاکٹر زیدی نے غم آلود لہجے میں کہا۔

”کیا اس نے کسی قسم کا مطالبہ داغ مارا ہے۔“ نائب نے پوچھا۔

”وہ اپنی کوئی بات منگوانا چاہتا ہے مگر بات اس نے ابھی نہیں بتائی۔ آئندہ فون کرنے پر اپنے احکامات سے مجھے آگاہ کرے گا۔“ اوہ! — خدا کی پناہ — میں کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ جانتے میری بیوی کس حال میں ہوگی۔“ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ نائب آگے بڑھا اور اس

کے شالوں پر ہاتھ رکھنے کے بعد کہا۔

”حوصلہ رکھئے سر! — پھر اس نے سنجیدہ آواز میں کہا۔
”ہمیں بیگم صاحبہ کی رہائی کے لیے کسی اہم تجویز سے کام لینا پڑے گا۔ کوئی بہت ہی بہتر ترکیب سوچنا ہوگی۔“

”تجویز آواز ترکیب! —“ وہ بڑبڑایا۔ پھر اسی لمحے اُسے عمران کا خیال آگیا۔ جس نے تھوڑی دیر پہلے فون کیا تھا۔ دوسرے لمحے اس کے تاریک چہرے پر امید کی کرنیں نمودار ہونے لگیں۔ اس نے تیزی سے اٹھ کر فون پر عمران کے منہر گھانے شروع کر دیئے پھر اُسے فوراً مجرم کی دھمکی یاد آگئی کہ کسی کو میرے فون کے بارے میں نہ بتانا۔ اس کا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا۔ پھر فوراً ہی اُس نے ڈائل پر سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے اپنی بیگم کا مردہ چہرہ پھر گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے سے امید کی کرنیں غائب ہو گئیں اور اس کے چہرے پر مزید تاریکیاں پھیل گئیں۔ وہ ریسپورکریڈل پر رکھ کر پتہ مردہ انداز میں آکر صوفے پر بیٹھ گیا۔ نائب غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”اس بد بخت نے اگر میری بیگم خمر یا کو ختم کر دینے کی دھمکی نہ دی ہوتی تو میں اب تک بہت کچھ کر چکا ہوتا۔“

”آپ کیا کرتے سر؟“ نائب نے مؤدبانہ پوچھا۔
”میں عمران سے فوری مدد طلب کرتا — مگر وہ جانتا ہے۔“

اُس نے مجھے میری بیوی کے اغوا کے بارے میں بتایا تھا۔ مجھے یقین ہے وہ اپنے طور پر اُسے تلاش کر رہا ہوگا۔ وہ بے حد ٹھیک جان ہے۔ میں اُسے اُس بد بخت کے فون کی خبر نہیں کر سکتا۔ ہمیں ایسا نہ ہو کہ وہ میری بیگم کو ختم کر دے۔“
”آپ اُسے فون کی خبر نہ ہی کہیں سر!“ نائب نے کہا۔

”ہاں! — میں کسی حال میں اپنی بیوی کو مردہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ وہ اُسے مار ڈالے گا۔“

”یہ تو بہت ہی برا ہوا ہے سر!“ وہ منانت سے بولا، ”کیا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں سر کہ وہ آپ سے کیا مطالبہ کرے گا؟“
”میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ وہ تھپوری کا ہی مطالبہ کرے گا۔“ ڈاکٹر نے بے دلی سے کہا۔

”ہوں! —“ نائب بولا۔ ”اور یہ بہت بڑا مطالبہ ہوگا۔“
”بالکل۔ بہت بڑا مطالبہ ہوگا۔“ ڈاکٹر زیدی گہری پریشانی سے بولا۔ ”جس تھپوری کے لیے میں اپنی جان کی بازی لگا کر اپنے ملک میں آیا۔ اب وہ اس تھپوری کو آسانی سے لے جاتا چاہتے ہیں۔ میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ ایک طرف میری عزت ہے اور دوسری طرف پوری قوم کا مسئلہ ہے۔ میں اب کیا کروں۔ مجرم نے مجھے صرف ڈیڑھ گھنٹے کی ہمت دی ہے۔ اس

کے بعد وہ اپنا مطالبہ میرے سامنے رکھ دے گا۔" اس نے پھر دونوں ماتحتوں سے سر کو نکھام لیا۔

"ہمیں ڈیڑھ گھنٹے کا انتظار کر لینا چاہیئے سر!۔ حوصلہ رکھئے اس کے بعد کوئی قدم اٹھائیں گے۔"

ڈاکٹر زبیدی خاموش رہا۔ پھر وہ بڑھاپا۔

"جیانیے ظالم نے میری بیوی کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا۔" اس کے چہرے پر شدید غموں کے ٹھہرے پائے پھیلنے چلے گئے ڈاکٹر زبیدی کو غم و اندوہ میں آجھے دیکھ کر اس کا نائب لیپ کا دروازہ کھول کر باہر نکلی گیا۔ سامنے ایک سٹور روم تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھ کر ادھر بڑھا اور دروازہ کھول کر اندر گھس چلا گیا۔

اندھیرے کی وجہ سے اس نے مارچ پینسل نکال کر روشن کر لی۔ دھیمی روشنی کی لکیر سامنے پھیلنے لگی۔ سٹور روم میں کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ سامنے ایک شکستہ الماری پڑی تھی۔ اسی نمکری کی الماری کی دراز کھینچ کر اس نے ایک چھوٹا سا سُرخ رنگ کا ڈبہ نکالا۔ ڈبے کی دوسری سمت بلیو رنگ کا ایک بٹن نصب تھا۔ نائب نے جلدی سے وہ بٹن دبایا۔ ایک ایریل راڈ باہر نکلی آئی پھر اُس نے اس راڈ کو گھمانا شروع کر دیا۔ چند لمحے ہی گزے تھے کہ چڑیلوں کی چہکار کی آواز ڈبے میں سے ابھری۔ پھر نائب

نے اس ڈبے کو اپنے منہ کے قریب کر لیا اور دھیمی آواز میں بولا۔

"مارک کاننگ یو باس۔ مارک کاننگ یو باس۔"

اس نے کئی بار اس فقرے کو دہرایا پھر کہیں جا کر ڈبے میں سے ایک بھاری اور سخت آواز ابھری جیسے گنا بھونکتا ہو۔

"باس جیکر اسپینگ۔ اور۔"

"ڈاکٹر زبیدی کی بیگم کو اغوا کر لیا گیا ہے سر!"

"کیا تک رہے ہو۔" دوسری طرف سے چونکتی ہوئی آواز ابھری۔

"سبح کہہ رہا ہوں سر!۔ وہ دلیری سے بولا۔ ابھی کچھ دیر پہلے اغوا کرنے والوں نے ڈاکٹر زبیدی کو فون پر اطلاع دی اور وہ اس سے جلد ہی تھبوری کا مطالبہ کر نیوالے ہیں۔"

"تھبوری کا مطالبہ؟۔ یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟۔"

"تھبوری کے علاوہ اور انہیں کس چیز کی ضرورت ہے۔ میرا اندازہ ہے تھبوری کا ہی مطالبہ کیا جائے گا۔ ڈاکٹر افتخار سے وہ اور کیا لے سکتے ہیں۔ اگر ڈاکٹر نے ان کی بات نہ مانی تو وہ اس کی بیگم کو ختم کر دیں گے۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔

"اوہ!۔ یہ تو ڈائن کا ہی کا زامہ لگتا ہے۔"

” بالکل درست خیال ہے آپ کا باس! —“ نائب نے کہا
 ڈیڑھ گھنٹے کے بعد وہ لوگ ڈاکٹر زیدی سے مطالبہ کریں گے۔
 ” ہوں! —“ سکوت چھا گیا۔ سکوت توڑنے ہوئے جیگر
 نے کہا۔ ” میڈیسن کی تیاری کس مرحلے میں ہے مارک —“
 ” ڈاکٹر زیدی تیار ہاتھ کا دو چار رور میں میڈیسن تیار ہو
 جائے گی۔“

” تم پر تو اسے کسی قسم کا شک نہیں ہوا؟ —“
 ” نہیں سر! —“ وہ بولا۔ ” نگریوں لگتا ہے، نگرانی
 اٹھانے کا ڈھونگ رچایا گیا ہے۔ دُور سے نگرانی بدستور ہو
 رہی ہے۔“

” بے فکر رہو۔ حوصلہ رکھو۔ عمران تم پر جلدی ہاتھ نہ ڈالے
 گا۔ جیسے ہی میڈیسن تیار ہو جائیں، مجھے مطلع کر دینا۔“
 ” لیکن ڈاؤن کے بارے میں کیا کریں گے آپ؟ —“ نائب
 تشویش بھری آواز میں بولا۔ ” ڈاکٹر زیدی سے وہ تھوڑی
 کا مطالبہ کرے گا۔“

” یقیناً وہ ایسا کرے گا۔“ جیگر نے کہا۔ ” مگر اس کے
 کچھ کرنے سے پہلے ہی تھوڑی اور میڈیسن میرے پاس پہنچ چکی
 ہوں گی۔ تم زیادہ تن دہی سے ڈاکٹر کے ساتھ مل کر کام کرتے
 رہو۔ یہ تمہارے حق میں بہت ہی بہتر بات ہے۔ تم اس کا ہاتھ

بٹاتے رہو تا کہ جلد سے جلد میڈیسن تیار ہو جائیں اور ہم انہیں تھوڑی
 سمیت ڈاؤن سے پہلے چھین لیں۔“
 ” ہو سکتا ہے سر! — ڈاؤن میری اصلیت سے واقف ہو۔“
 نائب اُلجھ کر بولا۔

” تم اس کی پرواہ بالکل نہ کرو۔ وہ ہمارا کچھ نہیں لگاڑ سکتا۔
 تم اپنا کام کرتے رہو۔“

” اوکے سر! —“ نائب نے بہت زیادہ مؤدبانہ
 آواز میں کہا۔ دوسری طرف سے آواز آنا بند ہو گئی۔ ادھر سے
 رابطہ ختم کر دیا گیا تھا۔

نائب نے بھی نیلے رنگ کے بٹن کو واپس گھمایا۔ اس طرح
 ایریل راڈ دوبارہ ڈبلے کے اندر چلی گئی۔ نائب نے اس ڈبلے
 کو دوبارہ الماری کے اندر رکھ دیا اور پینل ٹارچ کی روشنی میں
 اس کے قدم باہر کی طرف اٹھنے چلے گئے۔

جیسے ہی باہر آکر اس نے چند قدم اٹھائے، اس کی
 پسلیوں سے ریلوور کی سر دھالی آگئی۔ ساتھ ہی ایک سپاٹ
 اور گھمبیر آواز اندھیرے میں گونجی۔

” خبردار! — کسی قسم کی غلط حرکت مت کرنا۔ ورنہ میرا
 سائیکسٹر لگا ریلوور شعلہ اگلا جاتا ہے۔“

نائب نے یوں ایک لمبا سانس لیا جیسے ٹائمر ٹیکر ہونے کے

بعد ہوا خارج کرتا ہے۔ ”تھکمانہ کڑک دار آواز اُٹھری۔

”ہاتھ اُپر اٹھا لو۔“

اس کے ساتھ ہی اُس کے ہاتھ اُپر اٹھتے چلے گئے اور اس کے چہرے پر ناریک سائے پھیلتے چلے گئے۔



عمران ڈاکٹر زیدی کے بنگلے پر پہنچ کر دربان سے ملا
اُس نے مسمی صورت بنا کر تمام واقعہ اس کے
گوش گزار کر دیا۔ عمران نے تمام واقعہ سن کر اندر کی طرف قدم بڑھا
دیئے۔ اس نے اپنی ٹو سیٹر گیٹ کے قریب ہی کھڑی کر دی تھی۔
وہ مریخ بھری کی روش عبور کر کے بین دروازے میں داخل ہو گیا
اور اُس کے قدم آگے بڑھتے چلے گئے۔ اس کی نظر کمرے کی کھڑکی
کے شیشے پر پڑی۔ وہ چور چور نیچے پڑا تھا۔ عمران نے دروازے
پر ہاتھ رکھا اور اندر داخل ہو گیا۔

بھروسہ بیگم زیدی کی خواب گاہ کے سامنے آ گیا۔ پھر اُس نے

دروازے پر ہاتھ رکھا اور اندر چلا گیا۔ اس نے مسہری کی طرف دیکھا۔ ظاہر ہے وہ خالی ہی تھی۔ اس نے پھر تمام نیچے کا اچھی طرح جائزہ لیا مگر اُسے وہاں کوئی کام کی چیز نہ ملی۔ باہر آتے ہی عمران نے تنویر اور صدیقی کو پوری طرح نگہانی کرنے کی ہدایات دیں۔ پھر اس نے وہاں وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور اپنی ٹو سیٹر میں بیٹھ کر جمشید کی لیب کی طرف آگیا۔ اور اُسے نگہانی کرنے والوں سے اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ عمران کے جبرے بچنے ہوئے تھے اور وہ پوری احتیاط سے قدم اٹھا رہا تھا صبح کی روشنی ابھی پوری طرح نہ پھیلی تھی۔ لیبارٹری کی طرف قدم بڑھانے ہوئے جیسے ہی وہ سٹور روم کے سامنے سے گزرنے لگا، اس کے کانوں میں دھیمی دھیمی آوازیں پڑیں۔ عمران چونک کر رُک گیا، پھر وہ دبے قدموں ادھر بڑھنا چلا گیا۔ سٹور روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور یہ بات بھی عجیب ہی تھی۔

عمران نے اندر کی طرف جھانکا۔ پنسل ٹارچ کی محدود روشنی کی لکیر میں کسی شخص کا ہیولہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ہیولہ ٹرانسیٹر پر کسی سے بات چیت میں مصروف تھا۔ عمران اُسے کھڑا دیکھتا رہا جیسے ہی اس شخص کا چہرہ روشنی میں آ بھرا۔ عمران کا ہاتھ بے اختیار اپنی ریڈی میڈ کھوپڑی سہلانے لگا۔ وہ ڈاکٹر افتخار زیدی کا نائب اسرار زیدی تھا۔

عمران دروازے کی آڑ میں کھڑا رہا۔ کچھ دیر کے بعد جب نائب نے اپنی بات چیت ختم کر کے ٹرانسیٹر کو چھپا دیا تو اس کے قدم دروازے کی طرف اٹھتے چلے گئے۔

عمران نے لپک کر ریوالور اس کی پیلیوں سے جوڑ دیا۔ اور سفاکانہ آواز میں کہا۔

”خبردار! کسی قسم کی غلط حرکت مت کرنا۔ ورنہ میرا سائینسر لگا ریوالور شعلہ اگلا جاتا ہے۔“

اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

”چلو آگے بڑھو!۔“ عمران کی کمرخت آواز گونجی۔ نائب نے خاموشی سے تعیل میں ہی عافیت سمجھی اور آگے بڑھنا چلا گیا۔ وہ لیبارٹری میں آگئے۔ ڈاکٹر زیدی فون کے قریب بیٹھا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ اس کے نائب نے ہاتھ اوپر اٹھا رکھے ہیں اور عمران ریوالور لیے اس کے پیچھے ہے تو اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں اور منہ او کی شکل میں کھل گیا۔

سلاما لیکم!۔“ عمران نے احمقانہ انداز میں کہا۔ ڈاکٹر زیدی پیچہ حیران تھا۔ پھر وہ چونک کر اٹھا اور بے اختیار عمران کی طرف لپکتا چلا گیا۔ اس کے انداز میں بے تابی، بے جینی اور اضطراب تھا۔ اسی وقت نائب برقی کی سی تیزی سے گھوما

دوسرے لمحے اس کا ہاتھ عمر کے ریوالور والے ہاتھ پر تیزی سے پڑا اور ریوالور عمران کے ہاتھ سے نکل کر سامنے جا پڑا۔

ڈاکٹر زیدی عمران سے ٹکرایا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر نائب نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ عمران نے پھر نیلے انداز سے ڈاکٹر زیدی کو ایک طرف دھکیلا اور دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی نائب کو جالیا۔ اس نے پلٹ کر عمران پر گھونٹہ چلایا۔ گھونٹہ اس کی سپلیوں پر تنھوڑے کی طرح پڑا۔ اس کے جواب میں عمران نے اُسے دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور اُسے فرش سے بلند کر کے دو تین چکر فضا میں دینے کے بعد دوبارہ دوسری طرف فرش پر پھینک دیا۔ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ عمران نے چار پانچ زبردست قسم کے گھونٹے اس کے جسم پر جما دیئے اور وہ پھٹے پھٹے سانس لینے لگا۔ اس کے حلق سے عجیب و غریب آوازیں خارج ہو رہی تھیں۔

”ہائیں، ہائیں! عمران یہ کیا کر رہے ہو؟“
ڈاکٹر زیدی نے زور سے ہانک لگائی اور عمران کی طرف جھپٹا چلا گیا۔ مگر عمران وحشیانہ انداز میں گر جا۔

”ڈاکٹر زیدی! — دُور ہی رہو۔“

عمران کی وحشیانہ گرج سے ڈاکٹر زیدی کے قدم وہیں فرش سے چپک گئے۔ عمران کو اس درندہ صفت روپ میں دیکھ کر

اُسے آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ عمران کے چہرے پر درندگی موجود تھی۔ آنکھوں میں وحشت تھی۔ وہ اس انداز میں ڈاکٹر زیدی کو کوئی بھیانک درندہ لگ رہا تھا۔

عمران نے نائب کو گھونٹوں اور لاقوں سے مار مار کر بے دم کر دیا اور وہ فرش پر لمبا لمبا لیٹ گیا۔ پھر عمران اُسے نوخوار نظروں سے گھورتا چلا گیا۔ پھر آہستہ آہستہ عمران نارمل حالت میں آنا چلا گیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد اس کے چہرے پر حماقت کے ڈونگرے برسنے لگے۔

”یہ — یہ کیا کر دیا تم نے عمران؟“ ڈاکٹر نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اُسے مڑے میں تبدیل کیا ہے۔ افریقی آدمخوار انسانوں کا مڑہ کھاتے ہیں اور اس مڑے کو میں افریقہ کے جنگلوں میں — آدمخوروں کے والے کر دوں گا۔“

”ہائیں۔“ ڈاکٹر زیدی نے متعجبانہ کہا۔ ”مڑہ کیسا مڑہ یہ تم نے کیا کیا ہے۔“ سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔
”نکرمت کر و ڈاکٹر! سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔ جلد ہی آپ کی ٹیم آپ کو مل جائے گی۔“

ڈاکٹر زیدی نے بوکھلا کر اپنے نائب کی شکستہ حالت کی طرف دیکھا۔

”تم نے میرے نانہ، کے ساتھ یہ کیا سلوک کیا ہے؟ بتا یہاں بھیج رکھا ہے۔“ عمران نے بتایا۔ ”تاکہ جب دوائی کیوں نہیں عمران۔“
 ہو جائے تو دوائی سمیت تھیدری لے کر چلنا بنے اور آپ
 عمران نے سسکلر ڈاکٹر بریدی کی طرف دیکھا۔
 تلی کرنا چاہئے۔“

”صبر کیجئے ڈاکٹر!۔“ ان صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ”اوہ۔۔۔۔۔“ میرے خدا، میں کن چکروں میں پھنس گیا یہ کہہ کر اس نے جیب سے جھومکا کا پیکیٹ نکالا اور اس میں ایکس۔۔۔۔۔“ وہ بوکھلا کر بولا۔

پیس لے کر اس کا ریپر آنا کر فہم میں قہجھال دیا اور چیونٹم کو یہ دوسری پارٹی ہے۔ "عمران سبیلگی سے بولا۔" اور میں رکھ کر چبانے لگا۔ پھر وائب کی طرف پکنا چلا گیا۔ پارٹی ہے جس نے آپ کی بیوی کو اغوا کیا ہے۔ تاکہ وہ جھک کر اس نے نائب کے سر پر ماتھ پھیرا اور کسی چیز کہ تمہاری بیوی کے عوض تم سے تھوڑی سی حاصل کر سکے۔"

پکڑ کر ایک زوردار جھٹکا دیا۔ دوسرے لمحے اس کے ہاتھ پر وہ! ڈاکٹر زیدی گہری پریشانی سے بولا۔ ”یہ ایک باریک سی جھلی تھی۔ اب عمان اور ڈاکٹر زیدی کے سامنا ہو رہا ہے۔ میں انسانیت کی بھلائی کے لیے کام کر رہا ایک نئی صورت موجود تھی۔ ڈاکٹر زیدی کی نگاہیں جبر سے بچ۔ اور یہ وحشی لوگ انسانیت پر ظلم کر رہے ہیں۔ محض اپنے کمر بٹھنے کو ہو گئیں اور ان کا منہ لٹکا رہ گیا۔ پھر عمان نے ارٹے لیے۔ یہ انسان نہیں وحشی درندے ہیں۔ عمان! تم جھلی کو ڈاکٹر کی طرف بڑھا دیا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ آنکھ بھلائی کے لیے اہنبی ختم کر دو۔ انہیں صفحہ ہستی سے زہر ملی سکتا ہٹ تھی۔ پھر وہ بہت ہی تلخی سے بولا۔ ”

”آپ تو آپ سب کچھ سمجھ گئے محترم ڈاکٹر زیدی!۔ کہہ فکر رہیں ڈاکٹر!۔“ عمران نے سخت آواز میں یہ آپ کا نائب اسرار زیدی ہے۔“
ڈاکٹر افتخار زیدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔
ہے انسانیت کے دشمن، وجہ کہ اس نے

”اوہ! - خدا کی پناہ - آخر یہ ایک گورکھ دھند کیا ہیں نہیں ہے۔“
 ”مجرموں نے آپ کے نائب کے محل آپ میں اپنے آپ کہتے ہو عمران! -“ ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلایا۔

کہہ کیا۔

چند لمحے عمران ڈاکٹر زیدی کو گھونزارہا، پھر اس نے پوچھا۔
 ”ڈاکٹر زیدی! کیا تمہیں اپنے نائب کی کسی حرکت پر شک
 نہیں ہوا۔ حیرت کی بات ہے۔“
 ”میں اس پر شک کہہ رہا تھا۔ مگر مجھے یقین نہیں تھا۔“

کیا معلوم تھا کہ میک آپ میں میرے قریب میرا نائب نہیں
 بلکہ ایک وحشی مجرم موجود ہے۔“ ڈاکٹر کے چہرے
 نفرت کے آثار پھیل گئے۔ پھر وہ بولا۔ ”میں نے اس پر
 کافی تبدیلی محسوس کی تھی مگر میں ادھر زیادہ دھیان نہ دے
 ”میں اب اس سے آپ کی بیگم کا پتہ دریافت کروں
 عمران کا لہجہ بچہ سفاکانہ تھا۔ یہ کہہ کر اس نے فرش سے
 ریلوے لور اٹھا کہ جیب میں رکھا اور نقلی نائب کو ہوش
 لانے کی جدوجہد کرنے لگا۔ تھوڑی سی تک وہ دد کے
 نقلی نائب ہوش میں آکر عمران کو حیرت اور خوف سے د
 لگا۔ عمران نے جیب سے ریلوے لور نکال لیا اور اسے
 طرف تان کر سفاکانہ آواز میں کہا۔

”جلدی بناؤ۔ ڈاکٹر زیدی کی بیگم کو کس نے اغوا کیا
 ”میں کیا جان سکتا ہوں۔ میرے سامنے یہ
 سلوک مجرم ہے۔“ وہ تہلکا کر بولا

”کسی مجرم کی ناخلف اولاد۔“ عمران درندگی آواز
 میں گرجا۔ ”زیادہ چالاک بننے کی کوشش نہ کرو۔ تمہاری اصلیت
 عیاں ہو چکی ہے۔ اس طرف دیکھو بدعاش!“ عمران نے
 بجلی اٹھا کر اس کی نگاہوں کے سامنے لہرادی۔ اس کے ساتھ
 ہی اس کا پہرہ بجھ گیا۔

”اپنا نام بتاؤ۔“ عمران کی سفاک آواز گونجی۔

نقلی نائب کے ہونٹ سختی سے بھینچ گئے اور عمران کے
 رے پر درندگی کے آثار نمودار ہونے چلے گئے۔ دوسرے لمحے
 نے اپنے یوٹ کی زوردار ٹھوکر نائب کی پسلیوں پر لگائی
 اونٹ کی طرح بلبلا اٹھا۔ پھر عمران نے دوسری ٹھوکر مارنے
 لیے اپنا پاؤں بلند کیا ہی تھا کہ وہ زور سے چیخا۔

بب۔ بب بتانا ہوں!“

عمران نے اپنا پاؤں نیچے کر لیا۔ اس کے چہرے پر ایسی
 اک درندگی تھی کہ جسے دیکھ کر ڈاکٹر زیدی بھی کانپ گیا۔ اور
 نے بوکھلا کر ایک بھر جھری لے کر معذہ دوسری طرف بھڑکیا۔
 نقلی نائب اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پر بوکھا ہٹ بھڑے
 میں زبان پھیرنے لگا۔

پنا نام بتاؤ فوراً!“ عمران نے دانت کچکچا کر کہا۔
 ٹھہرا کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے چہرے پر درد و کرب کے آثار

نمایاں تھے۔ پھنسی پھنسی آواز میں اس نے جواب دیا۔

”میرا نام مارک ہے!“

”ویری گڈ!“ عمران نے نعرہ لگایا۔ ”ڈاکٹر زید“

کی بیگم کو کیوں اغوا کیا گیا ہے؟

”مم — مجھے کچھ معلوم نہیں۔“ وہ بوکھلا کر بولا۔ ”پتہ

کہنا ہوں — میں کچھ نہیں جانتا۔“

اسی لمحے عمران کے بوٹ کی ایک زبردست ٹھوکر اس کی

پیلیوں پر پڑی اور اس ضرب سے اس کے حلق سے کراہ کو

آواز خارج ہو گئی۔ دوسرے لمحے وہ تھک کر عمران کی ٹانگوں

سے لپٹ گیا۔ عمران نے فوراً اس کی قبض کا کالر پکڑ کر اُسے

ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ کھڑا کر لیا اور ایک زبردست

گھونسہ اس کے جڑے پر لگانے کے بعد کہا۔

”جلدی اُگل دو ورنہ تمہارا جوڑ جوڑ الگ کر دوں گا۔“

”مم — میں جھوٹ نہیں کہتا۔“ وہ ہٹک کر بولا

اس کے ہونٹوں اور ناک سے خون جاری تھا۔

”یہ بتاؤ — تم یہاں کیسے آئے اور اصلی نائب کہاں۔“

عمران نے اُسے کسی درد کے کی طرح گھور کر پوچھا۔

”میں — میں درختوں کی آڑ لے کر اس عمارت میں

گھس گیا اور پھر جیسے ہی اصلی نائب باہر نکلا۔ میں نے اُسے

دبوتج لیا اور اُس کے سر پر ریلوے لور کا دستہ مار کر اُسے بیہوش

کر دیا۔ وہ اس وقت بھی سٹور روم میں بیہوش پڑا ہے۔ میں

گاہے گاہے جا کر اُسے اسی طرح بے ہوش کر دیتا تھا۔“

اس نے بتایا۔

عمران کو انتہائی غصہ آگیا اور اس کی آنکھوں سے وحشت

درندگی جھانکنے لگی۔ اس نے لائوں اور گھونسوں سے مار مار

کر مارک کو قریب المرگ کر دیا۔ وہ بیہوش ہو گیا۔

پھر عمران سٹور روم میں پہنچا اور واقعی اُسے الماری کے

چھپے پڑا ہوا نائب اسرار زیدی مل گیا۔ وہ اُسے اُٹھا کر تجربہ

ہا میں لے آیا۔ پھر ڈاکٹر زیدی بے چینی کے عالم میں اُسے

دش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں ہی

سے ہوش آگیا۔ اور وہ حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

مران نے اُسے تسلی دی۔

”بے فکر رہو۔ اب تمہیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں

ہے۔ تمہارے روپ میں آنے والا مجرم پکڑ لیا گیا ہے اور یہ

اُسے بیہوش پڑا ہے۔“

اسرار زیدی نے گھر کر اپنا سر تھام لیا۔

”آف — یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“

”حوصلہ رکھو، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“ عمران نے

اُسے دلا سہ دیا۔ اور پھر وہ مارک کو دوبارہ ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ جلد ہی ہوش میں آگیا۔ عمران اس سے خوشخوار لہجے میں مخاطب ہوا۔

”تم یہاں کس لیے آئے تھے؟“

جیسے ہی میڈیسن تیار ہو جائیں، میں لے کر تھویری سمیت فرار ہو جانا۔ اگر مجھے موقع ملتا تو میں باس کو مطلع کر دیتا۔“

”تم باس کو مطلع کرتے“ عمران غرا یا۔

”ہاں!“ اُس نے دھیمی آواز میں کہا۔

”باس کا حلیہ بناؤ!“ عمران خوشخوار آواز میں بولا۔

جواب میں مارک نے ڈاؤن کا حلیہ بنا دیا۔ وہ سمجھ گیا۔ پھر وہ کچھ سوچ کر مارک کے قریب ہونا چلا گیا۔ اس سے پیشتر کہ مارک کچھ سمجھتا، عمران نے ریوالور کا دستہ اُس کی کینٹی پیر ٹھکورا۔ دوسرے لمحے مارک بے ہوش تھا۔ اب وہ تیسری دفعہ بیہوش ہوا تھا۔ ڈاکٹر زیدی نے بتیابی سے عمران سے کہا۔

”اب کیا ہوگا؟“

”آپ کی بیگم کو تلاش کر لوں گا اور مجرموں کو جہنم میں پہنچا کر دم لوں گا۔ آپ مطمئن اور بے فکر رہیں۔ میں سب کچھ درست کر لوں گا!“

”ایک گھنٹہ گزر گیا ہے۔ بد معاش مجھے آدھے گھنٹے بعد فون

کرے گا۔“ ڈاکٹر زیدی نے عمران سے کہا۔

”ٹھیک ہے!“

عمران نے سر ہلایا اور فون کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے بلیک پیرو کے نمبر دکھائے اور پھر سلسلہ ملتے ہی جلدی سے بولا۔

”عمران اسپیکنگ!“ ڈاکٹر زیدی کی لیبارٹری میں ایک حنفی فام بد معاش بیہوش پڑا ہے۔ کسی نمبر کو بھیج کر اُسے دانش منزل منگوا لو۔ اور اُسے آپریشن روم میں بند کر دو۔“

”واہ!“ بہت خوب۔“ طاہر زور سے ہنسا۔ اب

آپ نے بیہوش آدمی بھی جمع کر کے شروع کر دیئے ہیں۔“

”پلیز طاہر!“ میں بالکل سنجیدہ ہوں!“ عمران خشک

ہے میں بولا۔

”یہ تو اچھی بات ہے کہ آپ سنجیدہ ہیں۔ کاش آپ ہمیشہ

یہ ہی رہیں۔“ طاہر بولا۔

”یہ بناؤ، اس وقت لیبارٹری کی نگرانی پر کون ہے؟“

ان نے پوچھا۔

”صفر!“ بلیک زیر و نے منجیرانہ آواز میں کہا۔

”کیا بات ہے؟“

ان کہنے لگا۔

اس کی نگرانی کے باوجود ایک آدمی اندر آگھا تھا۔“

نفتوں کا جھنڈ تھا۔ اور اگر وہاں سے کوئی بجلی کی سی نیزی سے نکل کر
میب کے دروازے میں داخل ہو جائے تو وہ نظر نہ آ سکتا تھا۔ پھر
مران نے خفیہ کے میجر سے بات کی اور وہاں چار فوجی تعینات کر
بیٹے گئے۔ صفر پھر اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا اور عمران اندر آ گیا۔
اس کے قدم تجربہ گاہ میں آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور پھر
وہ ڈاکٹر زیدی کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے
بعد عمران نے اس سے پوچھا۔

”میڈیسن کب تک تیار ہو جائے گی ڈاکٹر؟“

”اب زیادہ دیر نہیں لگے گی!“ ڈاکٹر زیدی نے ایک
ہر سانس لے کر جواب دیا۔

”ہوں!“ عمران نے کہا۔ ”اب مجرم تھبوری کا مطالعہ کریں
ڈاکٹر زیدی!“

”یوں ہی لگتا ہے۔“ ڈاکٹر زیدی نے کہا۔ ”اور انہیں مجھ
سے کیا چاہیے!“

عمران نے کوئی جواب، دیئے بغیر سٹ واپس میں وقت دیکھا اور
میرے لمحے فون کی گھنٹی زور سے چینی۔ ڈاکٹر زیدی نے لپک کر
پور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے عزاتی ہوئی آواز گونجی۔

”ڈاکٹر! یوں لگتا ہے۔ تمہیں اپنی بیگم کی زندگی نہیں چاہیے
ان کو تمہاری لیبارٹری میں جانتے دیکھا گیا ہے۔ غور سے سن

پھر اس نے بلیک زیرو کو نائب کے عہدے میں آنے والے کے بارے
میں تمام واقعہ بتا دیا۔ بلیک زیرو نے حیرت سے سیٹی بجائی۔
”نائب تو یہ لوگ بہت خطرناک ہیں۔ اور ایک خبر اور
سن لیں۔ دو لڑکیوں کی لاشوں کو سوٹل ریتیر کے ریکیڈیشر
ہال میں پانی بنا دیا گیا ہے۔ ملک کے مختلف شہروں میں ہمارے
کے کئی خوفناک دھماکے ہوئے ہیں اور پولیس نے کافی مقدار
میں ہیروئن اور ہیروین سمگل کرنے کی کوشش ناکام بنا دی
ہے۔“

”اس کو چھوڑو۔“ عمران نے ناگواری سے کہا۔
”پولیس اور انٹیلی جنس ان سے تپٹ لے گی۔“ یہ کہہ کر
عمران نے ریسپیر کمریڈل پر رکھ دیا اور پھر وہ ایک دم باہر نکل گیا۔ باہر
آکر اس نے سیکرٹ سروس کے ممبروں کے مخصوص انداز میں سیٹی بجائی
وہ اسی طرح ایک دوسرے کو مطلع کرتے تھے۔ اس نے پھر سیٹی بجائی۔
چند لمحوں کے بعد اسے جواب میں اسی قسم کی سیٹی سنائی دی۔ اور پھر
صفر اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

”تمہاری غفلت کی وجہ سے ایک آدمی اندر آگھا تھا۔“ پھر عمران
نے صفر کو بھی نقلی نائب کا واقعہ سنا دیا۔ صفر پریشان ہو گیا۔ وہ
سپرائیجٹ تھا۔ وہ جبران تھا کہ مارک اس کی نگاہوں سے کیسے
چوک گیا۔ پھر انہوں نے مل کر وہ جگہ دریافت کر لی۔ جہاں گھنے

لو۔ عنقریب تمہیں تمہاری بیگم کی لاش پہنچادی جائے گی۔
 ”میں نے عمران کو کچھ نہیں بتایا۔ وہ رہائشی بنگلے پر گیا تھا وہاں
 سے اُسے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔“
 آواز سخت غصے میں غرائی۔

”میرے فون کرنے کے بارے میں دربان کو کیا معلوم ہو سکتا
 ہے اور عمران کو بھی فون کے بارے میں کیا معلوم ہو سکتا ہے۔ کیا
 وہ کوئی جادوگر ہے یا نجومی ہے۔“
 ”کچھ بھی ہے، بہر حال میں نے اُسے کچھ نہیں بتایا۔“
 ڈاکٹر زیدی نے لے بسی کے سے انداز میں کہا۔ ”میری بیگم
 کو تم نے کس حال میں رکھا ہے۔“

”جس حال میں بھی وہ ہے ٹھیک ہے!۔“ ادھر
 سے انتہائی سخت آواز میں کہا گیا۔ ”مگر اب اس کی زندگی کی
 کمی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ اب عمران سے ہی کہو کہ وہ
 تمہاری بیگم کو زندہ سلامت تلاش کر کے تم تک پہنچا دے۔“
 ”نہیں!“ ڈاکٹر زیدی نے چیخ کر کہا۔ ”خدا کے
 لیے ایسا نہ کرنا۔ جو کچھ تم کہو گے، میں اس پر عمل کروں گا۔ عمران
 کو سختی سے روک دوں گا۔ مجھے ہر حال میں اپنی بیگم زندہ چاہیے۔“
 ”یوں لگتا ہے، تمہیں اپنی بیگم سے بہت پیار ہے، اسی
 لیے بہت بے چین ہو۔ چلو تمہاری بات پر لفتین کٹے ہی لیتا

ہوں۔ غور سے سنو۔ مجھے تھوڑی دیر بعد دوائیوں کے
 ایسے۔ بقیں ہے تم جلد ہی میڈیسن تیار کر لو گے۔“
 ڈاکٹر زیدی خاموش رہا۔

”میں جانتا ہوں اس وقت عمران تمہارے پاس موجود ہے
 بنم سب کچھ سمجھ گئے ہو۔ میری بات کو یاد رکھنا اور عمران
 کسی قسم کی کاروائی کرنے سے روک دینا ورنہ تمہاری بیگم....
 ”میں سب کچھ سمجھ گیا۔“ ڈاکٹر زیدی بوکھلا کر بولا۔
 ”میں تمہاری ہدایت پر عمل کروں گا۔ مگر میری بیگم.....“
 ”تھوڑی اور میڈیسن حاصل کرنے کے بعد ہم تمہاری بیگم کو زندہ
 کر دیں گے۔ سمجھ گئے۔“ سخت آواز گونجی۔
 ”سمجھ گیا!۔“ وہ غمگین آواز میں بولا۔

”ہم سے کسی قسم کی چالاکی نہ کرنا۔ تعاون سے کام لو گے تو
 اسی بیگم کا بال بھی بیکار نہ ہوگا۔ اب سے ٹھیک چار گھنٹے کے
 بنم اپنی بیگم سے گفتگو کر سکو گے۔“ اس کے ساتھ ہی
 صر سے رابطہ ختم کر دیا گیا۔

ڈاکٹر زیدی نے بے جان سے انداز میں ریسپور کریدل پر
 ردیا اور پھر پشمرہ انداز میں عمران کی طرف گھوما جو کہ بڑے
 مینان سے اس کی طرف دیکھتا ہوا چیونٹم چبا رہا تھا۔ ڈاکٹر زیدی
 سے لجاجت بھری آواز میں مخاطب ہوا۔

”عمران صاحب!۔ میری بیگم کی زندگی اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مجرموں نے کہا ہے کہ اگر عمران ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے گا تو وہ تھیری اور میڈلین حاصل کر کے میری بیگم کو چھوڑ دیں گے۔ اب تم ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرنا عمران!۔“

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ڈاکٹر؟۔“ عمران ڈاکٹر زیدی کو گھور کر بولا۔ ڈاکٹر زیدی کی کمرنگ آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ ”میں ملک و قوم کی خدمت کر رہا ہوں مسٹر عمران!۔ انسانیت کی بھلائی کے لیے میں نے کینسر کے علاج کی تھیری شب و روز کی انتھک محنت، کاوش اور جدوجہد کے بعد دریافت کر لی ہے اب میں میڈلین بھی تیار کر رہا ہوں۔ اگر مجرم تھیری اور میڈلین حاصل کر لیں گے تو کیا ہوگا۔ محض اتنا ہوگا کہ وہ اس سے کروڑوں روپے کا فائدہ اٹھالیں گے اور اس علاج کا سہارا ان کے ملک کے سر بندھے گا۔ اس سے کوئی فرق نہ پڑے گا۔ بہر حال بھلائی تو انسانیت کی ہوگی۔ میرا ضمیر مطمئن رہے گا۔ کہ میری تھیری سے کم وڑوں انسان شفا حاصل کریں گے اور کینسر ایسے موزی جان لیوا مرض سے نجات پاسکیں گے۔“ ڈاکٹر زیدی کی آواز گھوکی ہو گئی۔ ”مجھے اپنی بیوی سے بے انتہا محبت ہے۔ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔“

محبت کے ہاتھوں ایک عظیم ڈاکٹر کتنا بے بس دکھائی دے رہا تھا۔ اور عمران حیران تھا کہ کیا محبت ایسا ہی جادو ہے جس میں اچھے کد انسان سب کچھ فراموش کر دیتا ہے۔

عمران کے جیڑے پھینچ گئے۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ پھر وہ ڈاکٹر کی طرف بڑھنا چلا گیا۔ اس نے قریب آکر ڈاکٹر زیدی کے کندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔ جب وہ بولا تو اس کی آواز جذبات کی روشنی سے معمور تھی۔

”ٹھیک ہے۔ آپ کی محبت زندہ رہے گی ڈاکٹر زیدی!۔ اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ میں مجرموں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کروں تو نہ سہی۔ آپ نے انسانیت کی بھلائی کے لیے اتنی زبردست نیکی کی ہے کہ میں اپنا آپ بھی آپ پر قربان کر سکتا ہوں۔ آپ حوصلہ اور بہمت نہ ہاریئے!۔“

”مسٹر عمران!۔“ ڈاکٹر زیدی کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو چھلک آئے۔ پھر عمران پراسرار انداز میں آگے بڑھنا چلا گیا۔ پھر وہ گھوما اور ادھر ادھر کا غور سے جائزہ لینے لگا جیسے کسی چیز کی تلاش میں ہو۔ اب ڈاکٹر زیدی اسے گہرے تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ عمران کیا چیز ڈھونڈ رہا ہے؟ مگر عمران کی نگاہیں متجسسانہ انداز میں ادھر ادھر گھومتی چلی گئیں :-



اس نے کھڑکی دوبارہ بند کر دی اور اس کے قدم اپنی سیٹ کی طرف اٹھتے چلے گئے۔ اس وقت اس کے چہرے پر سرخ نقاب لگا ہوا تھا۔ آنکھوں پر گہرے شیشوں کا چشمہ تھا اور فلیٹ ہیٹ پیشانی پر جھکا ہوا تھا۔ اس طرح اس کے چہرے کے خدوخال کافی حد تک چھپ گئے تھے۔

”نگران جاسوس اب تک اپنی جگہ پر موجود ہے۔“ جیمز نے اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ Shabbir . S.A - ”ممکن ہے۔ ادھر عمران آہی نہ سکے۔“ ڈائین نے کہا۔ ”نہیں!۔ ڈاکٹر زبیدی کے ساتھ کسی قسم کی کارروائی نہ کرنے کے وعدے کے باوجود عمران ادھر ضرور آئے گا کیوں کہ ڈاکٹر زبیدی کی بیگم ہمارے پاس موجود ہے۔ عمران کے ساتھی نے اُسے مادیات ہوگا اور جب وہ اس طرف آئے گا تو ہم.....“

جیمز نے بات بیچ ہی میں چھوڑ دی اور اس کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس کی اس مسکراہٹ میں کوئی خاص یا مقصد پوشیدہ تھا۔

”آپ کا جواب پوری دنیا میں نہیں جیمز باس!۔“ رابرٹ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ ”تیر ایک چلے گا مگر شکار وہوں گے۔“

جیمز خاموش ہی رہا مگر اس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ

ماربل روڈ کے بنگلے کے ایک شاندار کمرے میں ڈائین جیمز اور رابرٹ موجود تھے۔ حسب عادت ڈائین کی آنکھوں میں ایک سگاریلنگ رہا تھا۔ اور آخری دموں پر تھا۔ اس سے نیلگوں دھواں اُٹھ رہا تھا۔ جیمز کے سامنے قریب ہی ایک مشین رکھی ہوئی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر ٹیلیفون موجود تھا۔ ایک ایک جیمز اپنی سیٹ سے اُٹھا اور کھڑکی کی طرف آ گیا۔ کھڑکی کھول کر اُس نے باہر جھانکا اور اس کے ہونٹ ایک گہری مسکراہٹ میں بھیگ گئے۔

صبح کے اُجالے میں اُسے نعمانی صاف دکھائی دے رہا تھا۔

مزید گہری ہو گئی۔ ڈاؤن نے دو تین کش ایک ساتھ کھینچے۔ پھر اس نے سگار کا ٹکڑا فرش پر پھینک کر جوتے سے مسل دیا۔

”ایک بات پر غور ہوتا چاہیے کہ ڈاکٹر زیدی کے پاس نائب کے روپ میں دوسری پارٹی کا آدمی موجود ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ وہ آدمی تھیبوری اور میڈلین لے کر فرار ہو جائے۔“

”ہم اس سے پہلے ہی عمران کو موت کی آغوش میں پہنچا دیں گے۔ پھر نقلی نائب سے بھی نبٹ لیں گے۔“ جیمز نے کہا۔
”عمران کو کیسے ختم کیا جائے گا؟“ ڈاؤن نے تیا سگار سلگا کر کہا۔

”ایک کھٹی مٹھی گولی کھلا دیں گے اور بس عمران مر جائے گا۔“
جیمز غریبا۔ ”کسی وقت تم بالکل احمقوں کی سی بات کرنے لگتے ہو۔ اسٹین گنوں سے ہمارے آدمی عمران کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔“

ڈاؤن اس کے اس طرح ڈانٹنے سے شرمندہ ہو گیا۔ پھر غصے سے اُس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ مگر اس نے سگار سلگا کر اپنے غصیلے جذبات پر قابو پالیا۔ پھر اس نے سنبھل کر تلخ آواز میں کہا۔

”ٹیلیفون پر عمران نے لیبارٹری سے اپنے کسی ساتھی کو ایک بیہوش آدمی کے بارے میں مطلع کیا تھا، وہ کون ہو سکتا

ہے؟“

”ظاہر ہے دوسری پارٹی کا آدمی ہوگا اور وہ نقلی نائب کے روپ میں ہوگا۔ اس بات کا تمہیں بڑی دیر کے بعد خیال آیا ہے۔ سمجھ لو۔ اب ہمیں نقلی نائب کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔“

”ہوں!۔“ ڈاؤن نے ہنکارہ بھرا پھر چند لمحے غور کرنے کے بعد بولا۔ ”ڈاکٹر زیدی کی بیگم کے غوا کا علم ہوتے ہی عمران نے یہی سمجھا ہوگا کہ اس میں نقلی نائب کا ہاتھ ہے۔ چنانچہ اُس نے اس پر ہاتھ ڈال دیا ہوگا۔“

”اس بار ہم عمران کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔“ رابرٹ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”جیگر کی وجہ سے مجھے اپنے پلان میں تبدیلی کرنی پڑ گئی ہے۔ ورنہ میں عمران کا وہ حشر کرتا کہ عمران ساری زندگی یاد رکھنا۔ جیگر کی مداخلت نے مجھے لائن آف ایکشن بدلنے پر مجبور کر دیا ہے۔“ جیمز نے کہا۔

”مجھے یقین ہے کہ وہ ہمارے مشن کو اچھی طرح نہ سمجھ پایا ہو گا۔“ ڈاؤن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہ سگار کے ہلکے ملے کش لینے لگا۔

”ٹھیک کہتے ہو ڈاؤن!۔ اُسے تو بس تھیبوری جلدی سے

بڑا خطرہ مول لیتا۔۔۔۔۔

ڈاین اور رابرٹ اب دونوں ہی خاموش تھے۔ غالباً انہیں جیمز کی بات وزنی اور درست ہی لگی تھی۔ کمرے میں سکون پھیلنا چلا گیا۔ اس گہری خاموشی میں جیمز پھر کھڑکی کی طرف چلا گیا۔ اس نے کھڑکی کھول کر باہر جھانکا اور پھر واپس اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔

دفعۃً اُس کے سامنے رکھی ہوئی مشین پر ایک سبز رنگ کا بلب جلنا ہوا۔ جھگ گیا۔ یہ دیکھ کر جیمز پریشان ہو گیا۔ پھر اس نے جلدی جلدی چند بٹن دیا مگر اس کا پریشان چہرہ ہٹاؤ نہ ہو سکا۔ پھر اُس نے ایک گہرا سانس لے کر مشین کو ایک طرف رکھ دیا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیلنی چلی گئی۔ وہ زہریلے نڈر میں بڑبڑایا۔

”ہوں!“ نو عمران نے ڈاکٹر زیدی کے فون کے رسیپور پر ہمارا گایا ہوا ٹرانسمیٹر ڈکٹا فون دریافت کر لیا ہے۔“ وہ زبڑاتا چلا گیا۔ ”ہوں۔۔۔ یقیناً اس کا اگلا قدم اب ہمارے منہ کے نیچے کی طرف اٹھے گا۔۔۔۔۔“

پھر اس نے بلند آواز میں رابرٹ اور ڈاین کو مخاطب کر کے کہا۔ ”غور سے سنو، ہمارا فرض ہے کہ یہاں وارد ہونے والے ہان کی ہم نوب خاطر مدد کرتے ہیں۔ اس کی اچھی طرح خبر لیں۔“

جلدی چاہیے۔ اس جگہ میں اندھے پن کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ پھر اُس نے کہا۔

”مجھے لگتا ہے وہ ہمارے پلان سے کسی حد تک واقف ہو گیا ہوگا۔ وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ ہمارا لفاظہ بدلوانا بھی اس کا ایک بڑا کارنامہ تھا۔ اگر وہ ہمارے پلان سے بالکل لاعلم ہوتا تو کیسی بھی اپنا آدمی نقلی نائب کے روپ میں لیبارٹری نہ بھیجتا کسی حد تک وہ ہمارے پلان سے باخبر لگتا ہے۔“ پھر وہ ان کو سخت نظروں سے گھور کر بولا۔

”یقین جانتے جیکمر کے آدمی نے عمران کو ہماری ہی نشاندہی کی ہوگی۔ نقلی نائب نے عمران کے ہاتھوں پکڑے جانے پر خود کو ہمارا آدمی بنایا ہوگا۔ جیکمر اس قسم کے ہتھکنڈے استعمال کر کے قابضہ اٹھانا جانتا ہے۔ میں اس کی لائن آف ایکشن کو خوب سمجھتا ہوں۔“ جیمز کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیلنی چلی گئی۔ پھر جب وہ بولا تو اس کی آواز بیحد زہریلی تھی۔

”اور جیکمر کے آدمی نے ڈاین کا نام لیا ہوگا کیونکہ جیکمر ڈائن کو اچھی طرح جانتا ہے۔“

”آپ کو اس قسم کا یقین کیسے ہے؟“ ڈاین نے اعتراض بھری آواز میں کہا۔

”حالات سے یہی ظاہر ہوتا ہے مسٹر ڈاین!۔۔۔ ورنہ جیکمر اتنا

سے باہر کیا دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہ تھے۔ بالکل سپاٹ چہرہ تھا اس کا۔

جیمز کے قریب کھڑا رابرٹ جیمز کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ مگر وہ اس کے چہرے سے کچھ اندازہ نہ لگا پا رہا تھا اس کے باوجود اس کی نگاہیں جیمز کے چہرے پر بھٹکتی چلی گئیں۔



”بالکل ایسا ہی ہو گا سر! —“ ڈاین نے خوشدلی سے کہا
”آپ بے فکر رہیں سر! —“ رابرٹ نے چمکتے ہوئے کہا
”ہم مہان کی اچھی طرح خبر گیری کر رہے ہیں۔“

”کیا تم نے اپنے آدمیوں کو اپنی اپنی جگہوں پر پوری تیاری کے ساتھ بٹھا رکھا ہے؟ —“
Shabbir 9. A

”بالکل سر! —“ ڈاین نے کہا۔

”ویری ٹائس! — یوں لگتا ہے، اب عمران زیادہ دیر کا مہان نہیں ہے۔“ یہ کہہ کر جیمز اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا گیا۔ رابرٹ بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہو گیا۔ پھر جیمز الماری کی طرف بڑھا۔ اس نے الماری میں اسے ایک دُوربین نکالی اور اسے لے کر پھر کھڑکی کی طرف آگیا۔ کھڑکی کھول کر وہ دُوربین سے باہر کا نظارہ کرنے لگا۔ ڈاین اس دوران میں اٹھ کر دروازے کی طرف لپکا اور باہر نکلتا چلا گیا۔ رابرٹ اب جیمز کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شاید اس کے لیے اس سے زیادہ دلچسپ کام اب اور کوئی نہ رہ گیا تھا۔ پھر اس کے بھی قدم کھڑکی کی طرف اٹھنے چلے گئے۔

اور

وہ جیمز کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ اور آہستہ دُوربین سے باہر کا نظارہ کرتے ہوئے دیکھنے لگا۔ جیمز نے دُوربین

دکور سی ڈبیا برآمد کی۔ اس کو الٹ پلٹ کر اچھی طرح دیکھا
مرا اس نے اس کے کٹی تار الگ کر دیئے۔ اُس نے ڈبیا
مراپنی جیب میں ڈال لی۔

”اب ہم آزادی سے بات کر سکتے ہیں ڈاکٹر!۔۔۔۔۔“
ان ڈاکٹر زیدی سے مخاطب ہوا۔

”یہ ڈبیا کیسی تھی؟“ ڈاکٹر زیدی نے حیرت بھری
باز میں پوچھا۔

”اس ڈبیا میں ٹرانسمیٹر ڈکٹا فون ہے۔ اسی کی وجہ سے
میری بات چیت مجرم سن لیتے تھے۔“ عمران بولا
”تو پھر اب تو مجرم جان چکے ہوں گے کہ ان کا فٹ کیا
! ڈکٹا فون غائب ہو گیا ہے۔ اور اب وہ گفتگو
میں سن رہے ہیں“

”بے شک وہ یہ جان چکے ہیں ڈاکٹر!۔۔۔۔۔“ عمران نے
پرواہی سے کہا۔

”کہیں ایسا نہ ہو وہ میری بیوی کو.....“ ڈاکٹر
بی نے خوف سے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”حوصلہ رکھئے ڈاکٹر!۔۔۔۔۔ اُس نے نرم لہجے میں ڈاکٹر
نسلی دی۔ ”مجرم میری نظروں سے بچ کر کچھ نہیں کر
تے۔ جس جگہ آپ کی بیگم موجود ہے وہاں میرا ایک نگراں

عمران کو غور سے ادھر ادھر دیکھتے دیکھ کر ڈاکٹر
زیدی نے اُس سے اس بارے میں پوچھنے
کا کئی بار ارادہ کیا مگر وہ ہر بار جھجک کر ٹک جاتا۔ اُسے پوچھنے
کا حوصلہ ہی نہ ہو رہا تھا۔ بس وہ اُسے غور سے دیکھتا چلا
گیا۔ عمران نے آخر کار ٹیلی فون کا ریسپور اٹھا کر اُس کا ماتھ
پیس والا ڈھکن کھولا۔ پھر اُس کے منہ سے حیرت
بھرے انداز میں سیٹی کی طرح آواز پیدا کرتی ہوئی ایک
طویل سانس خارج ہوئی۔
پھر اُس نے ماتھ پیس والے ڈھکن میں سے ایک

رشید سامنے بے ہوش پڑے مارک کی طرف دیکھا رہا تھا۔
 ”سر! — کیا اس بے ہوش آدمی کو لے جانا ہے؟“
 اس نے بڑے موڈ بانہ لہجے میں پوچھا۔

”بالکل! —“ عمران نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ دوسرے
 محے رشید نے بے ہوش مارک کو کندھے پر ڈالا اور کمرے
 سے باہر نکلتا چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد عمران نے
 بیک زبرد کے نمبر گھمائے اور رابطہ قائم ہونے پر کہا۔

”عمران سپیکنگ ڈیڑھاہر! — رشید بے ہوش
 لے کر دانش منزل روانہ ہو گیا ہے۔ اسے وصول
 کر کے لاگ اپ میں ڈال دو۔ اور مخصوص اسکرین پر
 اس کی احتیاط سے نگرانی ہو۔ بہت خطرناک اور چالاک
 آدمی ہے۔ اس نے بڑے اچھے ڈھنگ سے ٹھاکر
 بری کے نائب کامیاب آپ کر رکھا تھا۔ اور نعمانی
 کا مدد کے لیے تم نے کس کو روانہ کیا ہے؟“
 ”میں نے ڈاکٹر زبرد کے بنگلے سے صدیقی کو ہٹا کر
 صبر بھیج دیا ہے۔ تنویر وہاں کے لیے کافی ہے۔ کیا
 اس نے غلط تو نہیں کیا؟“ اس نے عمران سے
 پوچھا۔

”بالکل ٹھیک ہے۔ تنویر وہاں کی نگرانی کے

آدمی موجود ہے۔ وہ بنگلے کی بڑی ہوشیاری سے نگرانی کر
 رہا ہے۔ آپ ذرا بھی فکر مند نہ ہوں۔“
 اسی وقت ایک گارڈ اندر داخل ہوا۔ اس نے عمران
 کی طرف دیکھ کر کہا۔

”سر! — آپ سے ایک آدمی ملنے آیا ہے۔“
 ”اُسے یہاں ہی لے آؤ۔“ عمران نے کہا۔ گارڈ چل
 گیا۔ نھوڑی دیر کے بعد رشید اندر داخل ہوا۔ یہ ان کا نیا
 نیا ممبر تھا۔ جس سے چھوٹے موٹے کام لئے جاتے تھے۔
 عمران کو اس پر بھروسہ تھا۔ وہ ایک طاقتور جوان تھا۔
 اسے چھوڑ کر گارڈ واپس چلا گیا۔ رشید کی طرف دیکھ کر عمران
 چہرہ کا۔

”ہوں بھیا رشید! — تو اب تم سے مُردے دفنانے
 کا کام لیا جانے لگا ہے۔“

”میں تو یہی چاہتا ہوں عمران صاحب کہ خود اپنے ہاتھوں
 سے اپنے ملک کو میلی نظروں سے دیکھنے والے بد معاشوں
 کو لاشوں میں تبدیل کر کے دفنانا چلا جاؤں۔“ وہ
 سنجیدگی سے بولا۔

”ویری گڈ! — عمران احمقانہ انداز میں مسکرایا۔
 ”اچھا جذبہ ہے۔“

لیے کافی ہے — میں اب ماربل کے بنگلے کی طرف جا رہا ہوں ”
 ”کیا وہاں جانا ضروری ہے؟“ بلیک زیرو نے چونکتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”وہاں جانا بے حد ضروری ہے۔ ڈاکٹر زیدی اپنی بیگم کے لیے مراجعہ رہا ہے اور یوں لگتا ہے۔ اس کی بیگم ماربل روڈ کے بنگلہ نمبر تیس (۳۱) میں موجود ہے۔“ عمران نے کہا۔

”کیا واقعی؟“ بلیک زیرو زور سے چونکا۔
 ”لگتا یوں ہی ہے۔“

”تو اب آپ اُسے چھڑانے جا رہے ہیں؟“
 ”ہاں میں وہاں جا کر زبردست حملہ کروں گا۔ بیگم زیدی کو زیادہ دیر مجرموں کے قبضے میں نہ رہنا چاہیے۔ ورنہ میڈیسن کی تیاری میں دیر ہو جائے گی۔ ڈاکٹر زیدی اس وقت نیم جاں ساہو رہا ہے۔“ عمران بولا۔

”اس کا مطلب ہے۔ میں بھی پہنچ جاؤں۔“ بلیک زیرو نے زور دے کر کہا۔

”نہیں۔“ میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ زیادہ بھیڑ سے کام خراب بھی ہو سکتا ہے۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ

مجرموں نے ڈاکٹر زیدی کو دھمکی دی ہے کہ اس سلسلے میں کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ یہ سب کچھ میں اپنے طور پر کر رہا ہوں۔ اگر مجرم ذرا بھی مشکوک ہو گئے تو وہ بیگم زیدی کو ہلاک بھی کر سکتے ہیں۔“

”ہوں!۔۔۔“ بلیک زیرو نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ”جیسے آپ کی مرضی، ویسے میں چاہتا تھا کہ اس حملے کے وقت آپ کا ہاتھ بٹاؤں۔“

”تم اپنے ہاتھ کو دوسرے کاموں میں بٹانے کے لیے استعمال کرو۔۔۔ غور سے سُنو جو شخص تمہارے پاس پہنچ رہا ہے یہ اس شخص کا ساتھی ہے جو ہوٹل میں قیام پذیر تھا اور جس کے کمرے میں بم کا دھماکا ہوا تھا۔ اس کا نام ڈائین ہے اور اس کی تصویر ہمارے سیکرٹ فائل میں موجود ہے۔“

”بے ہوش آدمی کا کیا کیا جائے؟“

”یس اسے لاک آپ میں قید رکھو۔ یا پھر اگر تم مناسب سمجھو تو اسے ملٹری ہیڈ کوارٹر بھیج دو۔“

چند لمحوں کی سوتج کے بعد بلیک زیرو کی آواز سنائی دی۔
 ”میرا خیال ہے۔ اسے ملٹری ہیڈ کوارٹر میں ہی بھیج دوں۔“

بھہرے اعتماد کیجئے! میں کوئی غلط قدم نہ اٹھاؤں گا۔
 ”چار گھنٹے کے بعد مجرم کا فون آنے والا ہے۔ اس نے
 بھہ سے میری بیگم سے بات کرانے کا وعدہ کیا ہے۔“
 اس نے عمران کو بتایا۔
 ”چار گھنٹے کے بعد تو انشاء اللہ آپ کی بیگم آپ کے پاس
 رہے گی۔“

اللہ آپ کو کامیاب کرے عمران! — بہت زیادہ
 اطرہ کر کام کرنا۔ مجھے اپنی بیگم بہت زیادہ عزیز ہے۔
 عمران ڈاکٹر زیدی کو بمشکل یقین دلایا کہ آپ کی بیگم
 کو کچھ نہیں ہوگا۔ اور باہر آگیا۔ کچھ دُور تک پیدل چل کر
 اپنی ٹوسٹیئر کی طرف آگیا۔ اب صبح کی دھوپ اچھی طرح پھیل
 رہی تھی۔ سیٹرنگ سیٹ پر بیٹھتے ہی عمران نے پکیٹ نکال
 کر ایک چیوننگ پیس منہ میں ڈالا اور پکیٹ واپس جیب و
 ڈال کر چیوننگ چبانے لگا۔ پھر اس نے کار اسٹارٹ کر
 کر آگے بڑھا دی اور اس کی ٹوسٹیئر تیز رفتاری سے سڑکوں
 پر روندتی چلی گئی۔

ماربل روڈ کے بنگلہ نمبر تیس سے کچھ ادھر سی اس نے
 اپنی ٹوسٹیئر کو درختوں کے ایک جھنڈ میں لاکر روک دیا۔
 سوڑی دُور اُسے ایک درخت کے نیچے نعمانی کھڑا نظر

”جیسے تم جانو! — ہاں یہ بتاؤ — دھیمے گربن رنگ
 کے بنگلے کی کیا رپورٹ ہے؟ وہ بنگلہ جعفر روڈ پر ہے
 جو ہاجرہ کیمپ کے قریب ہی ہے۔“
 ”میں سمجھتا ہوں۔“ بلیک زیرو نے جواب دیا۔
 وہاں میں نے مگرانی کے لیے کامران کو بھیج رکھا ہے۔
 اس نے ابھی تک کوئی رپورٹ نہیں دی۔ کیا اس
 بنگلے میں.....“

”شش — عظمتی کی باتیں کرو۔“ اس
 کے ساتھ ہی عمران نے رابطہ ختم کر دیا۔ ریسپور کرڈیل
 پر رکھ کر وہ ڈاکٹر زیدی کی طرف آیا جو بیمار سا دکھائی دے
 رہا تھا۔ عمران نے اس کے کندھے غلوض بھرے انداز
 میں تھپتھپائے اور حوصلے سے لبریز آواز میں کہا۔
 ”آپ ہمت سے کام لیں ڈاکٹر! — جلد ہی بیگم زیدی
 آپ کے پاس ہوں گی۔“

”خدا کرے ایسا ہی ہو۔“ ڈاکٹر زیدی کے حلق سے
 گلوگیر سی آواز خارج ہوئی۔ ”بھے اسید ہے عمران! تم
 کوئی ایسا قدم نہ اٹھاؤ گے جس سے میری بیوی کی جان
 چلی جائے۔“

”آپ مطمئن رہیے ڈاکٹر زیدی۔ اللہ پر بھروسہ رکھیے اور

کافی عرصے کے بعد بنگلے کو حال ہی میں استعمال میں لایا گیا ہے۔

عمران نے فوراً کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر لیو اور کی موجودگی کا احساس کیا۔ پھر دیے پاؤں آگے بڑھتا چلا گیا۔ ایک پائپ کے قریب پہنچ کر وہ ٹک گیا۔ وہ گندے پانی کی نکاسی کا پائپ تھا۔ اور اوپر کی طرف جارہا تھا۔ عمران نے فوراً جوتے پاؤں سے اُتار کر جیبوں میں گھسیٹے۔ پھر وہ اُس پائپ پر اُوپر چڑھتا چلا گیا۔ ایک کھڑکی کے قریب پہنچ کر عمران ٹھہر گیا۔ ایک ہاتھ سے اُس نے پائپ کو تھامے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے کھڑکی کے پٹ کو دبایا۔ کھڑکی کھلتی چلی گئی۔

پھر عمران نے کھڑکی کی چوکھٹ پر مضبوطی سے قدم جما دیئے۔ دوسرے لمحے وہ کمرے میں کود گیا اور چند قدم اُٹھا کر وہ کمرے کا گہری نظروں سے جائزہ لینے لگا۔ کمرہ بالکل خالی تھا۔ اس کمرے کا دروازہ سامنے کھلتا تھا اس کے ذریعے شاید رہائشی پورشن میں پہنچا جاتا تھا۔ اس کمرے میں کتنے ہی روشندان تھے۔ دن کی روشنی میں وہ وہاں کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر اُس کے قدم دروازے کی طرف اُٹھتے چلے گئے۔ دفعتاً کمرے میں ایک گر جدار

آیا۔ دھیمے گہرین رنگ کا یہ بنگلہ جو دو منزلہ عمارت پر مشتمل تھا بالکل الگ تھلگ تھا۔ اور جہاں عمران نے اپنی کار کھڑی کی تھی وہاں سے وہ بنگلہ واضح اور صاف نظر آ رہا تھا۔ نعمانی درخت کی اڑلے کر کھڑ ہوا تھا۔ پھر عمران چہل قدمی کے سے انداز میں اس کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ نعمانی عمران کو اپنی طرف آنے دیکھ کر زور سے چونکا۔ وہ عمران کی طرف سے بڑھتا ہی چاہتا تھا کہ کچھ سوچ کر اس نے اپنے قدم دیہں جمالیئے۔ اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے عمران اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے چلتے چلتے اُس سے کسی راستے کا پتہ پوچھ رہا ہو۔ اس کی آواز بے حد دھیمی تھی۔

”رپورٹ دو نعمانی!“

”وہ سب اندر ہیں۔“ نعمانی نے آہستگی سے کہا۔ اور عمران لا تعلق سے انداز میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ کافی آگے جانے کے بعد وہ گھوما۔ اس بار اس کے قدم عمارت کی پشت کی طرف اُٹھ رہے تھے۔ بنگلے کے گرد چار دیواری تھی عمران کے لیے اس کو پھلانگنا ذرا بھی مشکل نہ ہوا۔ بنگلے کے عقبی کمپاؤنڈ میں جھاڑ جھنکار کی کثرت تھی۔ لمبا لمبا زرد گھاس دُور دُور تک بے ترتیبی سے دکھائی دے رہا تھا جسے شاید کبھی نہ تراشا گیا تھا اور یہ چیز اس بات کی طرف اشارہ کر رہی تھی کہ

آواز گونجی۔

”خبردار! اگے مت بڑھنا ورنہ تمہارا جسم گولیوں سے پھلنی ہو جائے گا اور تم سوراخ گننے کے لیے زندہ نہ رہو گے۔“

عمران زور سے چونکا اور ٹھٹھک کر رک گیا۔ آوار ایک روشندان کی طرف سے آئی تھی۔ عمران نے بے اختیار روشندان کی طرف نگاہیں اٹھائیں۔ تو اُسے ایک اسٹین گن کی نال روشندان کے پیچ دکھائی دی۔ عمران نے دوسرے روشندان کی طرف دیکھا۔ وہاں بھی یہی نظارہ تھا۔ غرضیکہ ہر روشندان میں اسی قسم کا خوفناک اور بھیاںک منظر تھا۔ قریب قریب ہر روشندان سے اسٹین گنیں جھانک رہی تھیں۔ ابھی عمران روشندانوں کا نظارہ کرنے میں مشغول ہی تھا کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھلتا چلا گیا۔ دوسرے لمحے ڈابن دراز قد ربلوئور کو مضبوطی سے ہاتھ میں پکڑے دروازے پر ایک چٹان کی طرح کھڑا تھا۔ عمران نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور بے اختیار اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی اور ساتھ ہی اس کے حلق سے ایک طویل سانس خارج ہوتی چلی گئی۔

جیگر نے اپنی رہائش کے لیے کتنے ہی بنگلے منتخب کر رکھے تھے۔ اس وقت وہ مہاجر کیمپ سے کچھ دور ایک چھوٹے سے بنگلے میں موجود تھا۔ اس کا ساتھی بنگالی اس وقت اس کے پاس موجود تھا۔ وہ بنگلہ نقامی آدمی بنگالی کے ہی تصرف میں تھا۔ اور وہ اس میں رہائش پذیر تھے۔ اس قسم کے اڈے جیگر نے ہی بنا رکھے تھے۔ وہ بابر کو بھی اسی بنگلے پر لے آیا تھا اور اسی بنگلے میں اس نے مارک کی رپورٹ سنی تھی۔ مارک کو ان نے ہی ڈاکٹر زیدی کے نائب کے میک آپ میں بھیجا

تھا۔ مارک اُس کا ایک بہترین لیجنٹ تھا۔ اور اس کی رپورٹ سے اس وقت جیگر بے حد خوش تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عنقریب مارک تھبوری اور میڈلین حاصل کر لے گا یا انہیں مطلع کر دے گا اور وہ ایک فائنل ایک کر کے خود حاصل کر لیں گے۔ اتنی کامیابی کے بعد بھی جیگر بے چین، پریشان اور کچھ مضطرب سا تھا۔ یہ بے چینی اس وجہ سے نہ تھی کہ اس کے ساتھیوں کو عمران نے قیدی بنا رکھا تھا۔ بلکہ یہ بچینی اُسے ڈاین کی طرف سے تھی۔ جلد یا کچھ دیر سے ڈاین اس کے ساتھی اور بہترین لیجنٹ مارک پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرے گا اور یہی بات اُس کے لیے بے حد پریشانی کا باعث تھی۔ اُسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر زیدی کی بیگم کو ڈاین نے اغوا کر کے اپنی قید میں رکھا ہوا ہے۔ وہ اس کے ذریعے تھبوری اور میڈلین حاصل کرنا چاہتا ہے۔

خدا وہ سوچ رہا تھا۔ اتنا ہی اُس کا ذہن اُلجھتا جا رہا تھا۔ اُس نے اپنے سامنے پٹری ہوئی شراب کی بوتل کھولی اور میز پر سے گلاس اٹھا کر تھوڑی سی اس میں انڈیلی۔ پھر اس نے سگلا سلگا لیا اور شراب کا ایک گھونٹ بھر کر وہ سگار کے کش لگانے لگا۔

دفترا دروازہ کھول کر بنگالی اندر داخل ہوا اور اس کے جیگر کی سمت بڑھتے چلے گئے۔ پھر اس کی ہلچائی ہوئی بن شراب کی بوتل پر جم گئیں۔ اور وہ پھر جیگر کے قریب آکر سی پر بیٹھ گیا۔ جیگر نے ایک نظر اُسے دیکھا۔ اور

الماری میں سے دوسری بوتل نکال لاؤ۔
یہ سن کر بنگالی نیزی سے اٹھا اور الماری کی طرف بڑھتا یا۔ اُسے دُر تھا کہ کہیں جیگر اُسے شراب پینے سے نہ کر دے۔ اُس نے جلدی سے شراب کی ایک بوتل۔ گلاس الماری سے نکال لیا اور میز کی طرف آ گیا۔ جیگر بن سے شراب پی رہا تھا جیسے اپنی پریشانیوں کو دور رہا ہو۔ اُس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔ اس نے ان کی طرف دیکھ کر دریافت کیا۔

قیدی کے مزاج کیسے ہیں بنگالی؟
اُس کے مزاج ٹھیک ہیں۔ کہو تو اُسے ٹھکانے دیا جائے۔

ابھی نہیں۔ وہ بنگالی کے چہرے پر نشے سے رخ آنکھیں جما کر بولا۔ مجھے اس کے بدلے میں اپنے ہی چھڑانے ہیں۔

”اگر تمہیں اپنی زندگی پیاری ہے تو میرے چند سوالوں کا جواب دے دو اور آزاد ہو جاؤ۔“

”مجھے کچھ علم ہی نہیں ہے تو سوالوں کا جواب کیسا دے سکتا ہوں۔“ اس کی آواز بالکل سپاٹ تھی۔

”یہ بناؤ پیٹر کو کہا رکھا گیا ہے؟“ جیگر نے غراہٹ مٹھری آواز میں پوچھا۔

”میں کسی پیٹر کو نہیں جانتا۔“ اس کی سرد آواز اٹھ مٹھری۔

”وہی پیٹر جس کی اطلاع پر تم مجھ تک آئے تھے۔ کیا اس پیٹر کو بھول گئے۔“ جیگر کا لہجہ انتہائی تلخ تھا۔

”یقیناً جانو میری کسی پیٹر سے واقفیت نہیں ہے۔ میں مہران کے ہمراہ یہاں آیا تھا۔ عمران نے مجھے کہا تھا کہ اگر بنگلے سے کوئی نکل کر فرار ہو تو میں اس کے نفاقب میں جاؤں۔“

”تم سیکرٹ سروس کے آدمی ہو۔“ جیگر اُسے گھور کر بولا۔

”میں تو اللہ کا بندہ ہوں۔“ بابر ایک گہرا سانس لے کر بولا۔

”اللہ کے تو سب ہی بندے ہیں۔“ وہ انتہائی سخت

یہ کہہ کر اُس نے بوتل منہ سے لگالی اور اُسے خالی کر۔ میز پر رکھ دیا۔ اور پھر وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سگار۔ لمبے لمبے کش لگانے کے بعد کوٹ اتار کر اُس نے جیک پہنی اور بھر الماری کی طرف بڑھنا چلا گیا۔ الماری میں۔ اُس نے ہولسٹر میں لگا بے آواز ریلوور نکال کر جیکٹ۔ نیچے پہن لیا۔ پھر اُس نے نئے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر جیکٹ کی جیب میں رکھ لی۔ بنگالی شراب کی چمکیاں۔ میں مصروف تھا۔ اس نے اسے سرسری نظروں سے دیکھا۔ اُسے تیار دیکھ کر بنگالی ایک دم اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر شراب کی بوتل اور گلاس لے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ پھر جیگر کے قدم بھی دروازے کی طرف اٹھتے چلے گئے۔ باہر آ کر اُس نے کمرے کا دروازہ مقفل کر دیا۔ اور پھر جیگر ادھر سے فارغ ہو کر سیڑھیاں اُترنے لگا۔ سیڑھیوں کے ختم ہوتے ہی بالکل قریب ایک کمرہ تھا۔ اس کمرے کے پیچ میں ایک کمرہ سی بابر سیٹوں کے ساتھ جکڑا بیٹھا تھا۔ رسیاں کمرے پر سے ہوتی ہوئی اُس کے جسم کو مضبوطی سے جکڑے ہوئے تھیں۔ جیگر اُس کی طرف بڑھنا چلا گیا۔ پھر اُس کے قدم اس کے قریب جا کر ٹک گئے۔ بابر کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے پاک تھا۔ جیگر چند لمحے اُسے گھوندارا۔ اور پھر غراہٹ۔

عمران پیدل ہی جا رہا تھا۔ اُس نے اپنی گاڑی کی رفتار آہستہ کر دی۔

عمران دور کھڑی ہوئی اپنی ٹوسٹیئر میں بیٹھ گیا۔ اس اثناء میں جیگر درختوں کے جھنڈ میں اپنی کار کھڑی کر چکا تھا۔ عمران کی ٹوسٹیئر کے آگے بڑھتے ہی اُس نے اپنی کار کا انجن سے ٹھٹکارٹ کیا۔ دوسرے لمحے اُس کی کار عمران کے تعاقب میں بڑھتی چلی گئی۔ اب وہ لیبارٹری کی طرف جانے کا ارادہ رک کر کے عمران کے پیچھے لگ گیا تھا۔ اسی طرح دونوں ایس آگے پیچھے بھاگتی ہوئی ماربل روڈ پر آگئیں۔ جیگر بڑی احتیاط سے عمران کا تعاقب کر رہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ عمران بہت چالاک اور ہوشیار آدمی ہے۔ اور واقعی عمران ابھی تک تعاقب کا شک نہ کر سکا تھا۔

ایک جگہ عمران کار روک رہا تھا۔ یہ دیکھ کر جیگر نے اپنی کار کی رفتار بالکل آہستہ کر دی۔ پھر اُس نے بھی کچھ فاصلہ دے کر اپنی کار روک لی۔ عمران کار سے اُترا اور جھپٹتی سے انداز میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہ عمران کی حرکات کو بغور دیکھ رہا تھا۔ پھر جیگر بھی اپنی کار سے اُتر آیا اور درختوں کی آڑ لیتا ہوا آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔ عمران اس کی نظروں میں تھا۔ پھر وہ اس آدمی کو دیکھ کر چونکا

آواز میں بولا۔ "سیکریٹ سروس سے تمہارا کیا تعلق ہے" میرا کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ عمران میرا دوسرے ہے۔ میں اکثر اس کے چھوٹے موٹے کام کر دیا کرتا ہوں یہ سن کر جیگر کے چہرے پر الجھن، تفکر اور پریشانی سائے پھیل گئے اور وہ ادھر ادھر کمرے میں چہل قدمی کر لگا۔ اس کی نیلی آنکھوں سے بے چینی منہرہ نکلتی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ اپنے ساتھی کو چھڑائیں گے انہیں میرے ساتھیوں کو آزاد کرنا پڑے گا۔ اس بات سے وہ پریشان تھا کہ عمران نے ابھی تک ادھر دھیان دیا تھا۔ شاید عمران کے لیے یہ آدمی اتنا اہم نہیں تھا حالانکہ کیپٹن بابر عمران کے لیے بہت اہمیت رکھتا تھا۔ اُس نے نفسیاتی چال چلی تھی اور دانستہ دیر کر دی تھی تاکہ جیگر بہت زیادہ پریشان اور بے چین ہو جائے۔

جب پریشانی زیادہ بڑھی تو اس کے قدم باہر کی سمت اُٹھتے چلے گئے۔ کچھ دیر کے بعد وہ اپنی کار میں بیٹھا جمشید کی لیبارٹری کی طرف اُڑا چلا جا رہا تھا۔ ابھی وہ لیبارٹری سے کچھ فاصلے پر ہی تھا کہ اس نے عمران کو لیبارٹری کی عمارت سے باہر نکلتے دیکھا۔ اُس کی نیلی آنکھوں میں تیز چمک پیدا ہو گئی۔ اس نے دیکھا کہ دوسری سمت

تے معنی خیز انداز میں اپنی گردن کو ہلایا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس طرح
 و عمران کے ساتھی کے علاوہ خود عمران بھی بنگلے میں موجود آدمیوں
 کی نظروں میں آگیا ہوگا۔ جیگر نے عمران کی طرف نظریں نہ کھیں
 اب عمران غائب تھا۔ وہ اُسے نظر نہ آ رہا تھا۔ جیگر کی
 ٹھوں میں حیرت پھیل گئی۔ سیدھی سڑک اس کی نظروں کے
 سامنے تھی۔ اور عمران اسی سڑک پر جا رہا تھا۔ پھر وہ
 ایک کہاں غائب ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ سمجھ گیا کہ
 ان کہاں چلا گیا ہے۔ اس نے چند لمحے ٹھہر کر کچھ فیصلہ
 کیا۔ پھر اُس نے ہولسٹر پر ہاتھ مار کر ریلوے کی موجودگی
 محسوس کیا۔

جیگر فوراً پیچھے کی طرف ہٹا۔ اب وہ درختوں کی
 ٹ میں آگے ہی آگے بڑھنا چلا گیا۔ اُس کا رخ بنگلے کی
 سمت کی طرف تھا کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ عمران بھی
 اسی طرف گیا ہے۔ جیسے ہی وہ بنگلے کے عقب میں
 باتو اُس کے حلق سے ایک گہرے سانس کی آواز خارج
 ہوئی۔ اس نے عمران کو چار دیواری پھلانگ کر اندر
 نئے ہوئے واضح دیکھ لیا تھا۔

عمران کے کوہ جانے کے بعد اُس نے چند لمحے انتظار
 گزارے۔ پھر وہ بھی چار دیواری پھلانگ کر اندر آ گیا۔

جو عمران کے سامنے موجود تھا اور یوں لگ رہا تھا کہ
 عمران اس سے راستہ دریافت کر رہا تھا۔ مگر جیگر فوراً
 گیا۔ کہ عمران ہی کا کوئی ساتھی ہے۔ اسی طرح جیگر بنگلے
 طرف دیکھ کر سمجھ گیا۔ کہ یہ ڈاین ہی کا بنگلہ ہے۔ اس کا
 تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ درختوں کی اوٹ میں پھر آگے
 بڑھنے لگا۔ کچھ دور جا کر جیگر روک گیا۔ عمران کچھ آگے
 بڑھ گیا تھا۔ جیگر کے رکنے کی اصل وجہ یہ بھی تھی کہ اب
 آگے کوئی درخت نہ تھا جس کی وہ آڑ لیتا۔ ظاہر ہے اُس
 روکنا ہی تھا۔ اور وہ عمران کے ساتھی کی نظروں میں نہ آنا چاہتا
 تھا۔ عمران کا ساتھی ایک درخت کی آڑ لے کر بے فکری اور
 لاپرواہی سے کھڑا تھا۔ جیگر نے عمران کی طرف دیکھا۔ وہ
 کافی آگے بڑھ گیا تھا۔ عمران کی طرف سے نظریں ہٹا کر اس
 نے بنگلے کی دو منزلہ عمارت کی طرف دیکھا۔ دوسرے لمحے
 وہ چونک کر اس طرح اچھلا جیسے اُس نے کوئی سانپ دیکھ
 لیا ہو۔ اُس نے دوسری منزل کے ایک کمرے میں ملکی
 سی چمک دیکھی تھی۔ اس سے وہ سمجھ گیا تھا کہ کوئی شخص
 دُوربین کے ذریعے باہر کا نظارہ کر رہا ہے۔ اس نے دیکھا
 کہ عمران کا ساتھی بائیں کھڑکی کی سیدھ میں کھڑا تھا۔
 ایک پراسرار مسکراہٹ جیگر کے ہونٹوں پر آ بھ آئی اور

اس نے دیکھا کہ عمران گندے پانی کے پائپ کے ذریعے
اوپر چڑھتا جا رہا تھا۔ جیگر کے ہونٹ ایک نہر ملی مسکایا
میں ڈوب گئے۔

جیگر دم بخود کھڑا تھا اور اُس کے قدم لمبے لمبے گھاس
پر چپکے ہوئے تھے۔ جب عمران کھڑکی کھول کر کمرے میں
اُتر گیا تو جیگر تیزی سے حرکت میں آیا اور اس کے قدم
بھی پائپ کی طرف اُٹھتے چلے گئے۔ دوسرے لمحے وہ
کسی بندر کی طرح پائپ پر چڑھ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ کھڑکی
کے قریب پہنچا تو اُسے ایک کرخت آواز سنائی دی۔ اور
وہ وہیں رُک گیا۔

”خبردار! — آگے مت بڑھنا ورنہ تمہارا جسم گولیوں
سے چھلنی کر دیا جائے گا اور تم سوراخ گننے کے لیے زندہ
نہ رہو گے۔“

آواز کی کڑھکی کو محسوس کر کے جیگر بہت زور سے چونکا
پھر وہ سمجھ گیا کہ عمران ان کے پھندے میں پھنس گیا ہے
کیوں کہ وہ دورین کے ذریعے عمران کو پیشتر ہی دیکھ چکے
تھے۔ جیگر کھڑکی کے بالکل قریب تھا اور کسی وقت
کو دکر اندر جاسکتا تھا۔

وہ سمجھ گیا تھا کہ عمران اُن کے نرغے میں آگیا ہے

اگر وہ خود اندر چلا گیا تو ڈابن اُسے قابو میں کر لے گا۔
اُس طرح وہ سب کچھ ہار جائے گا اور آپریشن کو کلیتہً
آپ کرنے کی بجائے خود کلین آپ ہو جائے گا۔ وہ ڈابن
کے قبضے میں جا کر یہ بازی ہارنا نہ چاہتا تھا۔ اس کے
ساتھی پہلے ہی عمران کی قید میں تھے۔ لیکن اُس
نے سوچا کہ عمران کو ہر حالت میں بچانا ہوگا۔ اگر عمران
بچ گیا تو اس کے ساتھی آزاد ہو جائیں گے ورنہ وہ اپنے
ساتھیوں سے ہمیشہ کے لیے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اور وہ
بہ کسی قیمت پر نہ چاہتا تھا پھر اُس نے فیصلہ کر ہی لیا اور
کھڑکی میں اُترنے سے پہلے اُس نے ریلوادر مکالم لیا۔
پھر اُس نے سر اونچا کیا اور کمرے کا جائزہ لینا چلا گیا۔
عمران کمرے کے پنج میں موجود تھا اور اس کے
سامنے جیگر کا پرانا دشمن فرانسیسی ڈائن کھڑا تھا۔ اور وہ
عمران پر ریلوالڈناتے چمکیلی، فاتحانہ اور فخریہ نگاہوں
سے اُسے دیکھتا جا رہا تھا۔ عمران کے دونوں ہاتھ
سر سے اوپر اُٹھے ہوئے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر اسے بلکہ ڈابن کو سامنے دیکھ کر اس
کے خون میں گرمی آگئی اور آنکھوں میں انتقام کی خورناک
لہک پیدا ہو گئی۔ وہ اب ایک وحشی درندہ دکھائی دے رہا

تھا اور زندگی آلود نظروں سے ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس کا خون کھول رہا تھا۔ وہ یہ کبھی بروہنت نہ کر سکتا تھا۔ کہ ڈاین اس پر سبقت لے جائے اور وہ ٹاپتا رہ جائے۔ وہ جس مشن کو ٹاپ سیکرٹ طریقے پر انجام دینا چاہتا تھا وہ اب کھل کر رہ گیا تھا۔ اور ڈاین اس سے اونچا جا رہا تھا۔

دوسرے لمحے ڈاین نے اُسے کھڑکی میں سے جھانکنے دیکھ لیا اور اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ اسی لمحے عمران نے برق رفتاری سے ڈاین کے ریلوور والے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارا اور وہ دروازے کی طرف کود گیا۔ دوسرے لمحے جیکر کے ریلوور سے گولی نکلی۔ اُس نے کھڑکی میں سے ہی فائر کر دیا تھا۔ شعلہ سالپکا۔ ڈاین عمران کی طرف اُپھلنا ہی چاہتا تھا کہ اس کے منہ سے کراہ کی آواز نکلی اور وہ وہیں اکٹ گیا۔ گولی ڈاین کی ٹانگ میں لگی تھی۔

جیکر کا آدھا جسم اب کھڑکی میں تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ اور زہریلی مسکراہٹ تھی۔ اس نے دائیں ہاتھ میں مضبوطی اور سختی سے ریلوور پکڑا ہوا تھا۔ وہ غراہٹ آمیز آواز میں چیخا۔

”جب تک میں زندہ ہوں ڈاین!۔ تم اس مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔“

اسی لمحے جیکر نے ریلوور سیدھا کیا۔ اُسے روشنیوں سے جھانکتی ہوئی اسٹین گنوں کی نالیوں کا کچھ پتہ نہ تھا۔ اس سے قبل۔ کہ جیکر اپنے ریلوور سے دوسرا شعلہ اُگاتا کتنی ہی اسٹین گنوں سے فائر ہوئے۔ کتنے ہی شعلوں کی بوچھاڑ کھڑکی کی طرف ہوئی۔ اور وہ دوسری گولی نہ چلا سکا۔

دوسرے لمحے اس کے ہاتھ کھڑکی کی چوکھٹ سے چھوٹ گئے اور اس کا جسم فضا میں تیزتا ہوا زمین کی لہر آتا چلا گیا۔ اسٹین گنوں کے فائروں نے اُسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اور اُس کا جسم گولیوں سے پھنی ہو گیا تھا۔ دوسرے لمحے ڈاین غرایا۔

”سن آف پنچ۔“ اُس نے اپنی ٹانگ پکڑی اور پھر اُس نے نفرت بھرے انداز میں فرش پر تھوکا۔ اس کی زخمی ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا اور فرش پر لیریں بن رہی تھیں۔ اس اچانک ہنگامے کی وجہ سے اس کے ذہن سے عمران کا خیال نکل گیا۔

عمران نے کمرے سے باہر کودتے ہی دروازہ بند کر دیا اور باہر سے کلپ چڑھا کر کھڑا ہو گیا۔ اسی لمحے ڈائن کو عمران کا خیال آ گیا۔ اور وہ کسی زخمی درندے کی سی غراہٹ کے ساتھ چیخا۔

”عمران جانے نہ پائے۔“ وہ دروازے کی طرف لپکا مگر دروازہ باہر سے بند تھا۔ ”اُٹو کے پٹھے نے دروازہ بند کر دیا۔ پکڑ لو۔ گولیوں سے عمران کے جسم کو داغدار کر دو۔ جلدی کرو۔ اسے پزہ کر نہ جانا چاہیئے۔“

بٹیری سے روشندانوں میں سے نالیال ہٹ گئیں ڈاین نے زور زور سے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ پھر اُسی لمحے اُسے ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے برابر کے کمروں کے دروازے بھی پیٹے جارہے ہوں۔ ”کیا ہو رہا ہے؟“ ڈاین شیر کی طرح دھاڑا۔ ”دروازہ باہر سے بند ہے سر!“ ساتھ والے کمرے سے ایک آواز سنائی دی۔

”اوہ!“ اُس نے غضب ناک انداز میں پاؤں پیٹا۔ اس کے چہرے پر غیظ و غضب کے تاثرات تھے۔ پھر وہ گھوما۔ اس کی آنکھوں میں سُرخ تھی۔

وہ بہت ہی خوفناک لگ رہا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس نے پھر غضبناک ہو کر دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیا۔ اُسے زخمی ٹانگ کی وجہ سے بے حد تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے جلدی سے بیب سے رومال نکالا اور اُسے زخمی جگہ پر باندھ لیا۔ اس طرح خون کا اخراج رُک گیا اور تکلیف میں بھی قدرے کمی واقع ہو گئی۔

”دروازے کو توڑ دو۔“ وہ زور سے چیخا۔ اور اس کی اس چیخ کے ساتھ ہی دروازے توڑنے کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔

عمران مسکرایا اور آہستگی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ پھر وہ یوں سیڑھیاں اُترنے لگا جیسے اُسے کسی کی پرواہ ہی نہ ہو۔

گر اوڈ فلور کا تمام حصہ خالی پڑا ہوا تھا۔ عمران نے تمام کمرے چھان مارے مگر اُسے کہیں بھی کوئی شخص نہ دکھائی نہ دیا اور اُس کے چہرے پر حیرت پھیل گئی۔ پھر اس نے اسی وقت اوپر بھاگتے قدموں کی آوازیں سنیں وہ اُس کے ہونٹوں پر ایک سفاک مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ وہ سمجھ گیا۔ کہ ڈاین کے ساتھ دروازہ توڑ کر

باہر نکل آئے ہیں۔ عمران نے اسی لمحے سیڑھیوں کے قریب ہی ایک کمرے کے دروازے کی آڑ لے لی ڈابن سے چھینا ہوا ریلوور اس کے ہاتھ میں تھا ہوا تھا عمران نے دیکھا کہ دو آدمی اسٹین گنیں ہاتھوں میں پکڑے تیزی سے سیڑھیاں اتر رہے ہیں۔ اسی لمحے عمران کے ریلوور نے دو شعلے اُگلے اور اسٹین گن بر وارٹر ہلکتے ہوئے نیچے آکر گرے۔ اس دھماکے کے بعد ہر طرف سکوت پھیل گیا۔ عمران اوٹ میں بکھڑا بدستور سیڑھیوں کی طرف دیکھ رہا تھا اور کسی کے نیچے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ لیکن جب کافی دیر گزر گئی اور کوئی سیڑھیوں سے نہ اُترا تو عمران اوٹ سے باہر آ گیا۔ اس افراتفری اور ہنگامے کے بعد پورا بنگلہ سنائے کی لپیٹ میں آ گیا تھا عمران کچھ دیر سیڑھیوں کے قریب بکھڑا رہا۔ اسے معلوم تھا کہ ڈابن ابھی تک اوپر ہی موجود ہے۔ مگر اُس کے لیے اُدھر جانے میں زبردست خطرہ تھا۔

یہ ایک عمران کو گیلیری میں آہٹ سی سنائی دی۔ وہ پھر لپک کر دروازے کی اوٹ میں ہوتا چلا گیا۔ مگر دوسرے لمحے آواز معدوم ہو گئی۔ پھر چند لمحوں کے بعد دوبارہ اسی طرح کی آواز اُبھری۔ عمران نے غور کیا۔ کوئی

دبے قدموں ادھر آ رہا تھا۔ عمران ایک دم الرٹ ہو گیا اور ریلوور تان لیا اور پھر جیسے ہی وہ آدمی عمران کی نگاہوں کی زد میں آیا۔ عمران کے منہ سے ایک لمبی سانس خارج ہو گئی۔ سامنے موجود آدمی نعمانی تھا۔ جو ریلوور ہاتھ میں پکڑے بڑی ہی مستعد انداز میں آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا۔

عمران لپک کر اُس کی نظروں میں آ گیا۔ نعمانی عمران کو دیکھ کر چونکا۔ پھر متوہانہ کہا۔

عمران صاحب کیا گولیوں کے دھماکے آپ نے کیسے تھے؟

”کچھ دوسروں کے دھماکے تھے کچھ میرے سمجھ لو۔“

عمران نے ریلوور جیب کے حوالے کر دیا۔ پھر اُس نے لہا۔ ”تمہیں باہر ہی رہنا چاہیے تھا۔“

”میں دھماکوں کی آوازیں سن کر آیا ہوں۔ پورا بلا ویران سنیان اور خالی پڑا ہے۔“ وہ بولا

”اس وقت یہی حال ہے۔ کسی کو تم نے باہر تو تے نہیں دیکھا۔“ عمران نے پوچھا۔

”بالکل نہیں!۔“

”کیا تمہیں پورا یقین ہے۔ کہ ڈاکٹر زبیری کے بنگلے

سے جسے اعواء گیا گیا تھا۔ وہ اسے لے کر اسی بنگلے میں آئے تھے؟۔۔۔

”بالکل!۔۔۔ آخر بات کیا ہے؟۔۔۔“ وہ

جلدی سے بولا۔

”یوں لگتا ہے۔ ہمیں ڈاج دے دیا گیا۔۔۔“

عمران بولا ”میرے ساتھ آؤ۔۔۔“

اس کے ساتھ ہی عمران سیڑھیوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ نعمانی اس کے پیچھے پیچھے ہو گیا۔ عمران نے دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھیں اور اوپر آگیا۔ سیڑھیوں کے ختم ہوتے ہی گیلری تھی۔ عمران نے جیب سے ریلوور نکال لیا اور مضبوطی سے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ نعمانی اس سے ذرا ہی پیچھے تھا۔ اس کے ہاتھ میں بھی ریلو تھا ہوا تھا۔ عمران نے گیلری میں کھڑے ہو کر سن گن لی اور گہری نظروں سے ادھر ادھر کا جائزہ لیا۔ اُسے یوں محسوس ہوا کہ یہ دوسری منزل اب بالکل خالی ہے۔ دوسرے لمحے اُسے اس بات کا یقین ہو گیا۔ کیوں کہ جن دروازوں کو عمران نے باہر سے بند کیا تھا ان میں سے دو دروازے لٹوٹے ہوئے تھے اور کمرے ویلا اور خالی پڑے ہوئے تھے۔ عمران نے چونک کر

گیلری کے اختتام کی طرف دیکھا۔ وہاں سیڑھیاں تھیں جو نیچے جا رہی تھیں۔ اس طرف عمران کی نظریں پہلے نہ گئی تھیں۔

”تو سفید پرندے اڑ گئے۔۔۔“ عمران چہکا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے ریلوور جیب میں ڈال لیا۔ وہ سیڑھیوں کی طرف آگیا تھا۔ نعمانی اس کے قریب پہنچ گیا ”ہوں۔۔۔ تو وہ ان سیڑھیوں کے ذریعے فرار ہو گئے۔۔۔“ نعمانی نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ عمران خاموش رہا اور سیڑھیاں اترنے لگا۔ نعمانی بھی اس کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں اترنے لگا۔ سیڑھیاں ایک کمرے کے دروازے پر جا کر ختم ہو گئی تھیں۔

عمران نے کمرے کی دیوار کو غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ ہاتھوں سے بھی ٹٹولتا جاتا تھا۔ پھر اس نے فرش کو بھی لغور دیکھا۔ اس نے سوچا تھا۔ کہ ماید کوئی خفیہ تہہ خانہ ہو یا پھر کوئی خفیہ دروازہ ہو۔ مگر اس کی یہ سوچ اور کوشش ناکام ہو گئی۔ کوئی خفیہ تہہ خانہ یا دروازہ نہ نکلا۔ وہ ریڈی میڈ کھوپڑی پہلا کر ٹہرایا۔

”حیرت ہے۔۔۔ آخر وہ کہاں جا چھپے؟۔۔۔“
 ”کون؟۔۔۔“ نعمانی نے بڑے متعجبانہ انداز میں پوچھا۔
 Shabbir S.A

”سیلوان کے سالے!۔۔۔ بڑے سفید فام سالے نے بڑی مشکل سے میرے کہنے پر سیلوان کو اپنی بہن کا ہشتہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر اب وہ سب کے سب بلنے کہاں غائب ہو گئے۔۔۔“ عمران کے چہرے پر ناقت کے تاثرات اُبھرتے چلے گئے۔ نعمانی یہ سن کر خیر ہو گیا۔ پھر جب بات اس کی سمجھ میں آگئی تو بے اختیار مسکرانے لگا۔

اس کمرے سے باہر کسی اور طرف نہ جایا جاسکتا تھا دوسری طرف کے کمروں کی طرف جانے کے لیے یہی

اس کمرے کو عمران نہ دیکھ سکا تھا۔ حالانکہ اس نے نیچے کی منزل کے تمام کمرے دیکھ ڈالے تھے۔ یہ کمرہ اس کی نظروں میں نہ آسکا تھا سیڑھیوں سے اتر کر اس کمرے میں داخل ہونا پڑتا تھا۔ کسی طرف جانے کا اور کوئی راستہ نہ تھا۔ عمران اس کمرے میں اندر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ کمرے میں کوئی آدمی نہ تھا بلکہ ٹوٹا پھوٹا سامان تھا۔ غالباً یہ سٹور روم تھا اسی لیے یہاں اتنا کاٹھ کباڑ پڑا تھا۔

بٹکا لگا۔ لکڑی کی چوکھٹ سے بندھی ہوئی ایک مضبوط سی نیچے لٹک رہی تھی۔ اور زمین کے ساتھ لگ رہی تھی۔ پھر اُس نے باہر سیڑھی کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک انسانی بسم بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ عمران نے یہ سب کچھ وراہی دیکھ لیا تھا۔

”تو ڈاؤن اپنے ساتھیوں سمیت اس کھڑکی کے ذریعہ نر ہو گیا۔“ عمران سر کھجا کہ بیڑ بڑایا۔ اس کے وجود وہ زبردست الجھن میں تھا۔ اس کی عقل اس بات کو تسلیم نہ کر رہی تھی کیوں کہ وہ سوچ رہا تھا کہ خون کے یضیوں کا اُس کمرے میں جلنے کا کیا مقصد ہے۔ پھر وہ جلد ہی سمجھ گیا۔ اس نے ایک طویل سانس منہ سے خارج کر کے نوانی کی طرف دیکھا پھر وہ کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔ عمران اب سب کچھ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ چونکہ ڈاؤن زخمی ہو گیا تھا اس لئے اُس کے زخم سے خون بہہ نکلا تھا اور وہ فرار ہونے کے لیے رسی لینے سٹور روم میں آیا تھا۔

بنگلے سے باہر آکر عمران عقب کی طرف آیا۔ وہ بے حس و حرکت جسم کو دیکھنا چاہتا تھا اور یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے۔ اُس نے قریب آکر دیکھا۔ اور

سیڑھیاں استعمال کرتا پڑتی تھیں۔ جس وقت عمران نے سیڑھیوں کی طرف قدم بڑھایا تو اُس نے سیڑھیوں کا اوپر خون کا ایک پھوٹا سا دھبہ دیکھا۔ اس نے جھک کر اس دھبے کو چھوا اور انگلی کو نظروں کے سامنے کر کے دیکھا۔ خون کا تازہ دھبہ تھا۔ آگے بھی ایسا ہی دھبہ تھا۔

عمران کی آنکھوں سے حیرت جھانکنے لگی۔ اُس نے دوبارہ کمرے کی طرف دیکھا اور پھر اس نے متعجب کھڑے نوانی کو دیکھا۔ نوانی اسی کو دیکھ رہا تھا۔ عمران نے جیب سے جیوننگم کا پیکیٹ نکالا اور ایک جیوننگم اس میں سے لے کر ریپر اٹارنے کے بعد منہ میں رکھ لیا۔ اور پیکیٹ کو دوبارہ جیب کے حوالے کر دیا۔ پھر وہ جیوننگم کچلتا ہوا، سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اوپر آکر اس کے قدم اُس کمرے کے سامنے رُک گئے جس میں اُس نے ڈاؤن کو بند کر دیا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور فرش پر تازہ خون کافی مقدار میں پھیلا ہوا تھا۔ پھر اُس نے سامنے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ کھلی ہوئی تھی۔ عمران بے اختیار اندر داخل ہوتا چلا گیا۔ کھڑکی کے قریب آکر اُس نے باہر جھانکا اور اُسے حیرت کا ایک زبردست

پھر سر کھلانے لگا۔ وہ جسم جیگر کا تھا اور گولیوں سے
چھلنی پڑا تھا۔ اور زخموں سے خون مکلی نکلی کر ادھر ادھر
پھیل رہا تھا۔ وہ اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً
اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔ اُس نے غسوس کیا
کہ جیگر کے جسم میں ابھی زندگی کے کچھ آثار موجود ہیں
وہ اُس پر جھک گیا۔ عمران نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں
ایک چوڑی سنہری زنجیر پڑی تھی۔ اُس نے وہ زنجیر اتاری
اس میں ایک ٹرانسمیٹر فٹ تھا۔ زنجیر سے ایک راڈ سی
باہر نکلی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ اُس نے مرنے سے
قبل کسی سے ٹرانسمیٹر پر بات چیت کی تھی۔ ابھی عمران
اس کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ دفعتاً جیگر نے
آنکھیں کھول دیں۔ اس کے ہونٹ کاپٹے لگے۔ عمران
نے دوسرے لمحے اپنے کان اُس کے لبوں کے
قریب کر دیئے۔ اس کی آواز بہت ہی دھیمی تھی۔
وہ کچھ کہہ رہا تھا مگر عمران کچھ نہ سمجھ پایا۔ پھر اُس نے
نے جیگر سے کہا۔

”جیگر! — جلدی سے بنا دو میرا آدمی کہاں
قید ہے؟ — اب تمہاری زندگی کا چراغ بجھ رہا ہے
میرے آدمی کی قید سے اب تم کوئی فائدہ نہ اٹھا سکو

گے۔“
جیگر کے ہونٹ پھر کاپٹنے لگے اور کاپٹتے ہوئے
ہونٹوں سے فراسی بلند آواز ابھری۔

”مہاجر کمپ کے قریب — شہلا روڈ — نیلے
رنگ کا بنگلہ — نمبر بائیس — میں ناکام ہو گیا —
مگر میرا مشن ضرور کلین آپ ہو گا — میرا مشن —
ہر حالت — میں کامیاب — ہو — گا —“

پھر اُس کی آواز دم توڑ گئی اور اس کی گردن
دوسری طرف ڈھلک گئی۔ عمران نے اس کی نبض
ٹٹولی۔ اب اُس میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہ تھی۔ جیگر
مر چکا تھا۔

ٹرانسمیٹر زنجیر کو عمران نے جیب میں ڈال لیا۔ پھر
اُس نے جیگر کی تلاشی لی اور اُسے نئے نوٹوں کی ایک
گٹھی ملی۔ کام کی اور کوئی چیز نہ ملی۔ اسی وقت اس
کی سماعت سے پولیس سائرن کی آواز ٹکرائی۔ وہ ایک دم
اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب عمران اور نفاذی مستعد حالت
میں تھے۔

دوسرے لمحے وہ بنگلے کی دیوار پھانڈ کر دوسری
طرف جا کودے۔ سامنے انہیں صدیقی دکھائی دے

گیا۔ جو شاید تھوڑی دیر پیشتر وہاں پہنچا تھا۔ پھر عمران نے اپنے دونوں ساتھیوں کو ساتھ لیا اور سامنے و محفل کی طرف آگیا۔ اور ایک لمبا چکر کاٹ کر درختوں کی آڑ لیتا ہوا اپنی ٹوسٹیر کے قریب پہنچ گیا۔ عمران ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دوسرے لمحے اُس نے ایجن اسٹارٹ کر دیا تیسرے لمحے ٹوسٹیر تیزی سے بھاگتی چلی گئی۔ دوسری سیٹ پر نعمانی اور صدیقی ٹھنس کر بیٹھے تھے اور سڑک کی طرف بے چینی سے دیکھ جا رہے تھے۔

عمران نے ٹوسٹیر سے پہلے صدیقی کو اس کے فلیٹ کے سامنے اُتار دیا۔ پھر ان نے نعمانی کو بھی اُس کے فلیٹ کے سامنے اُتار کر کار کو تیزی سے اپنے فلیٹ کی طرف بڑھایا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی وہ اپنے فلیٹ آگیا اور کمرے میں داخل ہوتا ہوا چلا گیا۔ وہ اپنے فلیٹ کے سامنے ملٹری ویں کو مڑا دیکھ کر چونکا تھا مگر اس نے پرواہ نہ کی تھی۔ عمران دیکھ کر سلیمان اس کی طرف لپک آیا۔

صاحب! ایک آدمی اندر بیٹھا کب سے آپ کا

لگا۔

”ارے ڈاکٹر صاحب! آپ یہاں!“
وہ مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”تشریف رکھیے!“ یہیں کوئی یہاں کا پریذیڈنٹ
نہیں ہوں جو آپ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ آپ کو اس
طرح نہ آنا چاہیے تھا۔ دشمن آپ کو نقصان پہنچا سکتے
ہیں۔“

”یہیں ملٹری وین میں آیا ہوں“ اس نے بیٹھ کر
جواب دیا اور بیس فوجی جوان میری نگرانی پر مامور تھے۔
میں اس لیے یہاں آیا ہوں کہ اپنی بیگم کا پتہ کر سکوں۔ بڑی
مشکل سے میجر جنرل احمد نے مجھے اجازت دی تھی۔“
”اوہ! — یہ آپ نے اچھا نہیں کیا — آپ کی
بیگم کو میں جلد تلاش کر لوں گا۔“ عمران نے کہا
وہ ڈاکٹر کو اس طرح اپنے فلیٹ میں دیکھ کر پریشان ہو
گیا تھا۔ مگر کیا کیا جائے کہ محبت جذبہ ہی ایسا ہے جس
نے ڈاکٹر زیدی کو بے تاب کر رکھا تھا۔ اور وہ انجام
سے بھی لاپرواہ ہو گیا تھا۔ عمران کے ذہن میں اچانک
روشنی کا جھماکا سا ہوا۔ وہ سوچنے لگا اگر ڈاکٹر کو اپنی
بیوی سے اتنی ہی محبت ہے۔ تو اس کے پاس وہ

انتظار کر رہا ہے۔“
”کون ہو سکتا ہے؟ — عمران نے سوچا۔ چہرہ سلیمان
کو گھور کر بولا۔
”ہجان کو چائے پلائی یا نہیں؟ —“
”آپ ہی نے تو منع کر رکھا ہے کہ کسی ایرے غیرے
کو چائے نہ پلائی جائے۔“ وہ شکایت بھرے لہجے
میں بولا۔

ارے وہ ایرا غیر صرف سوپہ فیاض ہے۔ اور کسی کو
چائے پلانے کے لیے میں نے تمہیں منع نہیں کیا۔“
سلیمان نے قہقہہ اٹھ لیا۔
”اور اگر تمہیں دلوار کی طرف دیکھنے سے فرصت ہے
تو فوراً چائے بنا کر لے آؤ۔“ یہ سن کر سلیمان کا
منہ بن گیا۔

”منہ کیا بنا رہا ہے سلیمان! — دلوار پر خوبصورت
چہرہ دیکھنے دیکھنے مرجائے گا۔ ہاتھ کچھ بھی نہ آئے گا۔“
سلیمان جھینپ گیا اور عمران احمقانہ انداز میں مسکراتے لگا
پھر سلیمان کے قدم کچن کی طرف اٹھنے لگے اور عمران اپنے
کمرے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ سامنے صوفے پر ڈاکٹر
انتظار زیدی کو بیٹھے دیکھ کر اُسے حیرت کا زبردست جھٹکا

عورت کون تھی؟ جس کی اُس نے آواز سُنی تھی۔ لیک ایک اس نے اس عورت کے بارے میں پوچھنے کا فیصلہ کر لیا۔
 ”ڈاکٹر صاحب! آپ کے پاس میں نے کسی عورت کی آواز سُنی تھی!“
 دوسرے لمحے ڈاکٹر زیدی کے چہرے پر خجالت کا رنگ لہرا گیا۔ وہ شرمندہ سا ہو کر بولا۔
 ”اوہ! عمران صاحب! آپ اس آواز کو بھولے نہیں۔ خیر بتائے دیتا ہوں کہ وہ عورت وہاں کیوں تھی۔ اس عورت کو میرا نقلی ناٹب لے کر آیا تھا۔ اس نے اُسے اپنی دوست بتایا تھا۔ میں نے اس پر غصے کا اظہار کیا تو اس نے اس عورت کو نکال دیا تھا۔ میں ایک مصروف شخصیت ہوں۔ ذرا سی بدنامی بھی میرا تمام مستقبل تباہ ویرا کر سکتی ہے۔ تم کسی شک میں مبتلا نہ ہونا آفیسر۔ میں نے بالکل سچ کہا ہے۔ اور اب اس بات کو اپنے دماغ میں ہی محفوظ رکھنا۔“
 ”آپ بے فکر رہیں ڈاکٹر! آپ کی عزت پر ذرا بھی آتخ نہیں آئے گی۔“ عمران نے ادب سے کہا۔
 ”ڈاکٹر صاحب! میرے اس طرح پوچھنے پر کسی خفگی کو اپنے دل میں جگہ نہ دینا۔“

”نہیں۔۔۔ نہیں آفیسر!۔۔۔“ وہ خلوص سے مسکرایا۔ ”میں تو خود اس بات کو آپ کے سامنے صاف کرنا چاہتا تھا۔ سو موقع مل ہی گیا۔“
 عمران بھی مسکرا دیا۔
 ”مجھے آفیسر نہیں، عمران کہو ڈاکٹر!۔۔۔“
 سلیمان نے چائے لاکر ان کے سامنے رکھ دی۔ عمران نے ایک پیالی ڈاکٹر زیدی کو دی اور ایک خود اُٹھالی۔
 پھر وہ خاموشی سے چائے پینے لگے۔ چائے سے مارغ ہو کر ڈاکٹر زیدی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
 ”میں اب چلتا ہوں!۔۔۔ مجھ سے میری بیگم کو جلد سے جلد ملا دو عمران!۔۔۔“
 ”آپ مطمئن رہیں۔ جلد ہی آپ اپنی بیگم سے ملیں گے۔“
 پھر عمران، ڈاکٹر زیدی کے ساتھ ملٹری وین تک آیا۔
 ”نہ ڈاکٹر زیدی کو ملٹری فورس کے حوالے کیا اور پھر واپس اپنے فلیٹ کی طرف بڑھنا چلا آیا۔“
 جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا۔ اُسے ٹیلی فون کی نیٹی سنائی دی۔ وہ اُس طرف لپکتا چلا گیا۔ اس نے سیور اُٹھا لیا۔

”بلیک زیرو اسپیکنگ! —“ ادھر سے کہا گیا۔
 ”کالے صفر! — کچھ کہو گے بھی یا اسپیکنگ اسپیکنگ“
 رٹ لگانے رہو گے۔“

”سینے —“ دوسری طرف سے بلیک زیرو نے
 مسکرا کر کہا۔ ”کیا آپ بنگالی غنڈے کو جانتے ہیں؟“
 ”بنگالی غنڈے نہیں بہت شریف ہوتے ہیں! —“
 عمران چہکا۔ ”تو کیا کالے صفر! — تم بنگالیوں کو
 غنڈے سمجھ رہے ہو؟“

”جی نہیں۔“ بلیک زیرو نے کہا ”سنجیدگی —“
 میری بات سنئے — بنگالی بد معاش کے پاس بایر قبہ
 ہے۔ وہ اب کافی آرام کر چکا ہے۔ اُسے لے آئیے
 جا کر۔“

”مجھے اس کا پتہ معلوم ہے — کیپٹن بایر نیلے رنگ
 کے بنگلے میں قید ہے۔ بنگلے کا نمبر بائیس ہے اور وہ
 بنگلہ شہلاروڈ مہاجر کیپ کے قریب واقع ہے۔“
 ”کمال ہے۔“ بلیک زیرو نے حیرت سے کہا
 ”کمال کا بھائی جہاں مجھے ملتا تھا اسی نے یہ پتہ مجھے
 بتایا ہے۔ اور اُس نے مجھے ایک کنواری لونڈ
 کے متعلق بھی بتایا تھا اور کہا تھا کہ بلیک زیرو سے

اس کی شادی کر دو۔ بہت نیک اور سنگھڑ اور فرمانبردار
 لڑکی ہے اور“
 بلیک زیرو نے گہرا کر اس کی بات کاٹتے ہوئے
 کہا۔

”عمران صاحب! — یہ سب کچھ چھوڑیے اور جا
 کر کیپٹن بایر کو لے آئیں۔ صدیقی نے رپورٹ دی
 ہے کہ آپ بنگلے کے اندر گئے تھے مگر وہاں کچھ نہیں
 - نعلانی نے بھی یہی بتایا ہے۔ پھر بیکم ڈاکٹر زیدی
 ل ہو سکتی ہے؟“

”کسی جاسوس سے پتہ کر کے بتاؤں گا۔ جب میں
 اس میں داخل ہوا تھا تو مجھے وہاں پانچ ہیچر لے
 جو لارا لپا گا رہے تھے۔ اور میں بھی ان کے
 مل کر آڈی ٹیپا آڈی ٹیپا گانے لگا۔ اور پھر بھی
 لپتے ہو کہ مجھے بنگلے پر کچھ نہیں ملا۔“

پلیز سنجدگی اختیار کیجئے عمران صاحب! — آخر
 یہی کو کہاں غائب کر دیا گیا؟“

میں اُسے پاناں سے بھی تلاش کر کے لے آؤں
 مفید فام بد معاش مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتے۔
 مفید فام باس جیکر تو ختم ہو گیا۔ یہ دوسری پارٹی

کا باس تھا۔ اب فرانسیسی ڈائن اور اس کی پارٹی رہ گئی ہے۔ میں اب اسے ختم کر کے ہی دم لوں گا۔ عمران کا لہجہ زندگی آمیز تھا۔

”لیکن نعمانی نے بتایا ہے۔“ بلیک زبیر بولا۔
مرنے سے پہلے جیگر نے ٹرانسمیٹر پر کسی سے بات کو تھی۔ اس کا مطلب ہے اس کے سب ہی آدمی ہمارے قید میں نہیں ہیں۔ باقی جو ہیں ان سے جیگر نے بات کو ہوگی۔ ابھی دوسری پارٹی باقی ہے۔ ہمیں دونوں پارٹیوں کی طرف سے ہوشیار رہ کر ان کا قلع قمع کرنا ہے گا۔“

”قلع بھی کر دوں گا اور قلع بھی کر دوں گا۔ بلکہ ایک قلعے میں دونوں پارٹیوں کے مفترے بنا دوں اور دور دور سے سیاح اس قلعے کو دیکھنے آیا کریں۔ اور ہمارے تعریف کریں گے۔ کہ یہ ہے بھٹی عمرا صاحب کا کارنامہ۔“

”واقعی یہ آپ کا بہترین کارنامہ ہوگا۔“ بلیک زبیر مسکرا کر تعریف میں بولا۔

”ویری گڈ۔“ عمران خوشی سے چہکا۔ بس ا پھر سب سے پہلے تم ہی اس قلعے کو دیکھنا۔“

”ضرور دیکھوں گا عمران صاحب!۔“
”شاید بنگالی کو اس نے ٹرانسمیٹر پر کچھ ہدایت دی ہو۔“ عمران بولا۔

”یہ بات حلق میں نہیں اترتی عمران صاحب!“
بلیک زبیر بولا ”بنگالی جیسے معمولی بدعاش ٹرانسمیٹر نہیں رکھ سکتے۔“

”ہو سکتا ہے۔ جیگر نے اسے زنجیر ٹرانسمیٹر بخش دیا ہو۔“ Shabbid S.A

”ہوں!۔ معلوم کر لیں گے۔ ویسے میرا قیاس ہے۔ کہ ابھی جیگر کے کچھ ساتھی یا ایک ساتھی ابھی کسی محفوظ جگہ پر موجود ہے۔ اور وہ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔“

”نبٹ لیا جائے گا اس سے!۔“ عمران چپکتے ہوئے بولا۔

”اب ڈاکٹر زبیدی کی بیگم کو کہاں تلاش کریں گے۔ پیار کے جھوٹ نے اسے بے دم کر رکھا ہے۔“

”فکر نہ کرو۔ جلد ہی جھوٹ اتر جائے گا اور میں اللہ کرتا جنگلوں میں نکل جاؤں گا۔ شاید کسی درخت کے نیچے بیٹھی بیگم زبیدی مل ہی جائے۔“

”تو پھر نکل جائیے فوراً۔“ بلیک زیرو سنس دیا
 ”ہاں تیار ہی میں ہوں۔“ عمران نے کہا۔ ”جس
 بنگلے کا پتہ میں نے تمہیں درج کرایا تھا۔ اس کے متعلق
 کیا رپورٹ ہے تمہارے پاس؟“
 ”کامران بدستور اُس بنگلے کی نگرانی میں مصروف
 ہے۔ مگر ابھی تک اس کی طرف سے کوئی رپورٹ
 نہیں ہے۔“

”اُس بنگلے میں قیام پذیر لوگوں کے متعلق معلومات حاصل
 کہہ دو تو زیادہ بہتر ہے۔“
 ”بہت بہتر عمران صاحب!۔ اور فرمائیے۔“
 اس کی آواز شوق تھی۔

”اجی یہ بندہ خاقان اعظم عمران تو بس آپ کا خادم ہے
 عمران نے احمقانہ آواز میں کہا۔ اور اُسے بلیک زیرو کی ہنس
 سنائی دی۔ پھر اس نے ریسپورڈ کمریڈل پر رکھ دیا۔ اس
 لمحے سلیمان آداس و مغنوم اندر داخل ہوتا چلا گیا۔ اس کا
 منہ اس طرح بنا ہوا تھا کہ جیسے اس کی ماں مر گئی ہو۔
 عمران چپکا۔

”سلیمان! کیا بات ہے؟ یہ تمہارے چہرے
 پر ماتم کیوں ہو رہا ہے؟“

سلیمان نے عمران کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔
 ”یہ سب آپ کی ہی شرارت ہے صاحب!۔“
 وہ کھٹکنے لگے کی طرح بولا۔ ”میں سمجھتا ہوں۔ وہ یوں اچانک
 ہمارا پڑوس چھوڑ کر نہ جاسکتے تھے۔“
 ”اے مجھ پر الزام لگاتا ہے!۔“ عمران نے آنکھیں
 دکھائیں۔

”صاحب!۔“ سلیمان غصا یا۔ ”مجھے تو پورا یقین
 ہے۔ آپ نے ہی باپ بیٹی کو بھگایا ہے۔“
 ”اچھا تو اب مجھ پر اغوا کا کیس بنانے چلا ہے۔ یہ
 مت بھولو کہ سو پہ فیاض میری بجائے تمہیں جیل میں بند
 کرنے کے لیے زیادہ بے چین ہے۔“
 ”اب زندگی میں کیا رہ گیا ہے۔ جیل میں بند ہو جاؤں
 تب بھی ایک ہی بات ہے۔“

”ہائیں!۔“ عمران اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے
 لگا۔ ”کنفیوژس کہتا ہے۔ کہ اگر جذبہ عشق صادق ہو
 تو وہ دیوار والی لڑکی پھر واپس آجائے گی۔“
 ”صاحب!۔ اپنے کنفیوژس اور صادق کہ اپنے
 پاس ہی رہنے دیجئے۔ آپ نے ہی انہیں بھگایا ہے۔
 اور اب آپ ہی بائیں بنا رہے ہیں!۔“

اسی لمحے کال بیل ٹرٹرائی۔ اور سلیمان تنھکے تنھکے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے جا کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے کیپٹن فیاض تھا۔ سلیمان نے مغموم آواز میں کہا۔

”آئیے صاحب!“

”وہ احمدی عمران اندر ہے؟“

”صاحب اندر ہیں جی، آجائیے!“ سلیمان نے بڑے مہنوم انداز میں کہا۔ اور فیاض اُسے مارے حیرت کے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ پھر حیرت میں ڈوبا ہوا اندر آگیا۔ اور سلیمان کی طرف دیکھ کر متغیرانہ لہجے میں بولا۔

”کیا بات ہے سلیمان! — آج تو بڑے مسکین بنے ہوئے ہو۔“

”کیپٹن صاحب! — آپ بھی آج اپنے ارمان نکال لیجئے اور مجھے بکڑ کر جیل میں بند کر دیجئے!“ سلیمان نے گلوکیر آواز میں کہا۔ ”اب یہ فلیٹ اور کمرے مجھے چکن نظر آنے لگے ہیں۔“

”ابے کچن کہو سلیمان! —“ عمران نے تصحیح کی۔

”کچھ بھی کہو صاحب! — اب یہ جگہ مجھے قید خانے

کی کوٹھڑیاں دکھائی دینے لگی ہے۔“

”ابے سلیمان! — میرے فلیٹ کو قید کی کوٹھڑیاں کہتا ہے۔ بڑا نافرمان ہے تو۔ جاسونگ کی وال پکا کر لے آ۔ سوپر فیاض آئے ہیں۔“

”زخم ہی اتنا گہرا لگا ہے صاحب! آج مجھ سے کچھ نہ بنے گا۔ پہلے بھی چائے بڑی مشکلوں سے بنا کر لایا تھا دل کے زخموں سے خون رس رہا ہے۔ اور جب دیوار کی طرف نظریں اٹھتی ہیں تو یوں لگتا ہے۔ کہ جیسے چودھویں کے چاند پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کالے بادلے چھا گئے ہیں۔ اب چاند کبھی نظر نہیں آئے گا۔ آہ! — اب کبھی نظر نہیں آئے گا۔“ سلیمان غمگین ہوتا چلا گیا۔

”کنفیوژس نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ عشق کا روگ دنیا کی سب سے بڑی بیماری ہے۔“ عمران نے کہا۔

”کنفیوژس کچھ بھی کہے آپ کا۔ مگر مجھے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے اب میں اس بیماری میں ہی اللہ کو پیارا ہوں جاؤں گا۔“

”عمران یہ قصہ کیا ہے آخر! — فیاض جواب تک سب کچھ حیرت سے سن رہا تھا، بولا۔ ”یہ سلیمان آج مر جانے کی باتیں کیوں کر رہا ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے۔“

”ہاں! —“ عمران نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ”وہ کہہ رہی تھی کہ پولیس آفیسر چاہے بال بچے والا ہو، وہ پھر بھی اس سے شادی کر لے گی۔ وہ کسی پولیس آفیسر سے شادی کی شوقین لگتی ہے۔“

یہ سن کر سلیمان نے اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔ اور غصے میں بھر کر جلدی جلدی چائے کے خالی برتن سیٹھنے لگا۔

”پھر تو لڑکی بڑے اچھے ذوق کی لگتی ہے۔“ سوپر فیاض دلچسپ نظروں سے عمران کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”کیا وہ لڑکی خوبصورت ہے؟“

”بالکل چودھویں کا چاند ہے۔ سلیمان کو تو وہ چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ کہو تو تمہارے لیے اس سے بات کروں مگر بھابی کے سینڈلوں سے ڈر لگتا ہے۔“

”اُس کے سینڈلوں کی فکر مت کرو۔“ فیاض شرما کر بولا۔ ”اس سے میرے لیے بات کرو۔“

سلیمان نے اشتعال بھری نظروں سے عمران کی طرف دیکھا اور پھر اس کی غضب ناک نگاہیں فیاض کے چہرے پر آ کر رُک گئیں۔ فیاض نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا۔

اس پر پاگل پن کا دورہ پڑا ہے۔“
”دورے کئی قسم کے ہوتے ہیں! —“ عمران چہک کر کسی پر مرگی کا دورہ پڑتا ہے، کسی پر دل کا دورہ پڑتا ہے۔ اور کسی پر نئی نئی اور خوبصورت سیکرٹریاں رکھنے کا دورہ پڑتا ہے مگر ہمارے سلیمان پر عشق کا دورہ پڑا ہے۔ اور یہ سب دوروں سے زیادہ خطرناک ہے۔

اسی لئے سلیمان مرجانے کی باتیں کر رہا ہے۔“
فیاض نئی نئی سیکرٹریاں رکھنے والی بات پر جھینپ گیا تھا۔ اور جھینپ مٹانے کے لیے اب مسکرانے لگا تھا وہ جلدی سے بولا۔

”میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا عمران یہ سب تو نے کیا بکواس کی ہے۔“

”غور سے سنو سوپر فیاض! — ہمارے پڑوس میں ایک لڑکی رہتی تھی۔ سلیمان نے اُسے اپنی محبوبہ بنا لیا۔ مگر وہ آج اپنے باپ کے ساتھ فلیٹ چھوڑ کر چلی گئی۔ جاتے جاتے اُس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ ایک باورچی سے شادی نہیں کر سکتی بلکہ کسی پولیس آفیسر سے شادی کرے گی۔“

”پولیس آفیسر سے شادی کرے گی؟“ فیاض چونکا

”سلیمان ! - منزے دار چائے بنا کر لاؤ۔ اور ہاں اور آؤ۔۔۔“ سلیمان اسی جگہ کھڑا رہا۔

فیاض مسکراتے جا رہا تھا۔ پھر اس نے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر سلیمان کی طرف بڑھایا ”یہ رکھ لو سلیمان اور غم غلط کرنے کے لیے سینما دیکھ آنا۔“

”اسے اپنے ہی پاس رکھ لو صاحب !۔۔۔ میں اس قسم کے نوٹ دیکھتا ہی رہتا ہوں۔“

پھر فیاض نے جیب سے پانچ سو روپے کا نوٹ نکالا اور کہا۔

”کیا اس قسم کے نوٹ بھی دیکھتے رہتے ہو؟۔“

”ہاں یہ بھی دیکھتا ہوں !۔۔۔“ سلیمان سخت آواز میں بولا۔

”زیادہ غم کرو گے تو صحت خراب ہو جائے گی۔ لو اسے جیب میں رکھ لو اور موج آڑاؤ !۔۔۔“ اسی لمحے فیاض کی نظر پچا کر عمران نے سلیمان کو آنکھ مار کر نوٹ لے لینے کا اشارہ کیا اور سلیمان نے لپک کر فیاض کے ہاتھ سے نوٹ اُچک لیا۔

”شکریہ صاحب !۔۔۔ اب میں اس نوٹ سے ہی غم غلط کرنے کی کوشش کروں گا۔۔۔“ ابھی سلیمان

خاموش ہوا ہی تھا کہ اچانک عمران کرسی سے نیچے پھسل گیا اور گولی جا کر سامنے دیوار میں لگی اور پلنٹر اُکھڑ گیا۔

عمران نے گرتے گرتے بجلی کی سی تیزی سے ریوالور نکال لیا تھا۔ پھر اس کے ریوالور نے شعلہ اُکھلا اور سامنے کھڑا وہ غنڈہ ایدم نیچے گرا۔ عمران کی چلائی ہوئی گولی اس کے دل میں اتر گئی تھی۔

یہ کہاں سے آگیا تھا؟۔۔۔“ فیاض گھبرا کر ایدم اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ عمران نے ہکا بکا کھڑے سلیمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

”اپنے عاشق زار سلیمان دروازہ بند کرنا بھول گئے تھے

ورنہ یہ کیسے اندر آسکتا تھا۔ عشق واقعی نکما کر دیتا ہے۔“

فیاض لپک کر صحن میں آگیا۔ نووار و مرجحکا تھا۔ عمران نے اس کے چہرے پر ہانہ پھیرا اور ایک جھلتی آتاروی۔

”ہ ایک مقامی غنڈہ تھا۔ میک آپ کر کے اُسے سفید فام

نادیا گیا تھا۔ عمران نے فیاض کی طرف دیکھا اور کہا۔

”پولیس سے کہو اسے اُٹھا کر لے جائے۔“

فیاض نے پولیس کو فون کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد

ولیس آگئی اور ضروری پوچھ گچھ کے بعد لاش اٹھوا کر لے

نئی۔ سلیمان اپنا عشق بھول کر صحن میں سے خون دھونے

لگا۔ عمران فیاض کی طرف دیکھ کر چپکا۔
 ”سلیمان کی محبوبہ کیا بھاگی۔ مجھے ہی لے چلی تھی۔“
 پھر اس نے فیاض سے پوچھا۔ ”پیارے سوپر فیاض
 کیسے آنا ہوا؟“
 ”فیاض جو اس اچانک حادثے سے بوکھلایا ہوا تھا،
 سنبھل کر بولا۔

”بس ادھر سے گزر رہا تھا۔ سوچا تم سے گپ شپ
 لڑاؤں۔ اب میں چلتا ہوں۔“
 ”ارے بیٹھو بیٹھو۔“ عمران نے کہا ”چائے
 پی کر جانا۔“ پھر اس نے ہانک لگائی۔
 ”سلیمان! چائے بنا کر لے آؤ۔“
 ”جیتی ختم ہے صاحب!۔“ اس نے وہیں
 سے جواب دیا۔

”بس اب میں چلتا ہوں۔“ یہ کہہ کر فیاض گھوما اور
 دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

ایک شاندار کمرے میں وہ موجود تھے
 سامنے چمڑے کی کرسی پر ڈائن بیٹھا
 تھا۔ اس کی پنڈلی کے زخم پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور
 وہ جینز کو کمرے میں بے چینی سے ٹھٹھکتے ہوئے دیکھ رہا
 تھا۔ اس کے قدم مضطرب انداز میں قیہنی اور موٹے
 فالین کو روند رہے تھے۔ کمرے میں گہری خاموشی
 چھائی ہوئی تھی۔ ڈائن کی انگلیوں میں سگار سلگ رہا
 تھا۔ وہ گاہے گاہے اس کے کش لگا رہا تھا۔ اور
 نیگلوں دھواں فضا میں چکر رہا تھا۔ یکایک فنون کی

گھنٹی زور سے چینی اور کمرے کے سکوت کو درہم برہم کرنے لگی۔

جیمز تیزی سے ٹیلیفون کی طرف لپکا۔ ریسپور اٹھاتے ہی وہ ماؤتھ پیس میں غڑبایا۔
 ”جیمز اسپیکنگ!“

”منفامی بد معاش جسے ہم نے سفید فام کے میک آپ میں عمران کو قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ عمران نے اُسے ختم کر دیا ہے اور اس کی لاش پولیس اٹھا کر لے گئی ہے۔“

”اوہ!۔۔۔“ جیمز کے حلق سے کراہ خارج ہوئی ادھر سے پھر کچھ کہا جانے لگا۔ پھر اچانک اس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے چہرے پر موت کے سائے منڈلا رہے ہوں۔ پھر اس نے مضبوطی سے ریسپور کو یوں پکڑ لیا جیسے وہ اسے مروڑ دینا چاہتا ہو۔ لیکیک وہ غڑبایا۔

”ہوں!۔۔۔ دیکھتا ہوں وہ کہاں تک پتہ ہے۔ تم فوراً واپس چلے آؤ!۔۔۔“ اتنا کہہ کر اس نے ریسپور کو ہڈیل پر زور سے پٹخ دیا۔
 اب جیمز کے چہرے پر غیظ و غضب کے تاثرات

پھیلنے لگے تھے۔ آنکھوں میں قہر کی بجلیاں ترپنے لگی تھیں۔ وہ سخت غصے، جوش اور اشتعال کے انداز میں پھر قالین کو روندنے لگا۔ وہ ساتھ ساتھ بڑبڑاتے والے انداز میں مغلطات بھی بکتا جا رہا تھا۔ یہ انداز اس کے سخت غصے کی غمازی کر رہا تھا۔ ڈایں جیمز کو اتنے شدید اشتعال میں دیکھ کر چونکا۔ مگر پھر وہ بے پرواہی سے سگار کے کش لینے لگا۔

جیمز چند منٹ اس حالت میں رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کا چہرہ نارمل ہونا چلا گیا۔ اور اس نے قالین سے کو روندنا بند کر دیا۔ پھر وہ ڈایں کے سامنے آکر چمڑے کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ڈایں اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”وہ پھر بڑبڑا گیا۔“ جیمز نے عراقی ہوئی آواز میں کہا۔ ”مقدر اس کا پورا پورا ساتھ دے رہا ہے۔“ پھر اس نے سخت آواز میں کہا۔ ”ورنہ وہ آج پنج نہ ملتا تھا۔“

”وہ واقعی خوش قسمت ہے جیمز باس!۔۔۔“ ڈایں نے سنجیدگی سے کہا۔

”میں دیکھتا ہوں وہ کب تک لٹی رہے گا۔“ جیمز

غزایا۔ "میں جلد ہی اُسے ختم کر دوں گا۔ اس کی موت میرے ہی ہاتھوں لکھی ہے سٹر ڈاین!۔۔۔ میرے ہاتھوں لکھی ہے۔"

پھر جیمز نے ہاتھ سے ٹیلیفون کھسکا کر اپنے قریب کر لیا اور نمبر دکھانے لگا۔ سلسلہ ملنے پر وہ غزایا۔

"ڈاکٹر زیدی!۔۔۔ تم نے میری بات نہ مانی۔ اس کا انجام اب خود ہی بھگتنا۔ تم نے عمران کو بھیج کر اچھا نہیں کیا۔"

"میں نے کسی کو نہیں بھیجا۔ وہ اپنے طور پر گیا ہوگا۔ ڈاکٹر زیدی بوکھلا کر بولا۔

"میرا خیال ہے۔ تم اپنی بیگم کو زندہ دیکھنا نہیں چاہتے۔" جیمز نے موت کی طرح سرد لہجے میں کہا۔

"ایسا نہ کہو۔" ڈاکٹر زیدی بہت زیادہ گھبرا گیا۔ "تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میری بیگم سے میری بات کراؤ گے۔"

"ہاں وعدہ کیا تھا۔" لہجہ سرد تھا۔ "مگر تم اپنے وعدے پر قائم نہیں رہے تو پھر مجھے اپنا وعدہ پورا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اب عمران سے کہو۔ وہ مجھے تمہیں تمہاری بیگم سے ملائے گا۔"

"یوں نہ کہو۔" ڈاکٹر زیدی کمر بناک انداز میں چیخا۔ "میں نے عمران سے کچھ نہیں کہا تھا۔ اس کی کسی حرکت کی سزا مجھے مت دو ظالم! میں تمہاری ہر بات مانوں گا۔ بس مجھ سے میری بیگم کی بات کرا دو۔"

"ہوں!۔۔۔" جیمز سخت آواز میں بولا۔ "تم نے کچھ ہی لیا ہے کہ عمران کچھ بھی نہیں کر سکا ہے۔ اور ہماری بیگم ہمارے قبضے میں ہے۔ وہ تو عمران کی مت اچھی تھی جو بچ گیا۔ ورنہ وہ ہم سے زندہ نہ بچتا تھا۔ کیونکہ جال ہی ہم نے ایسا پھیلایا تھا۔" ہر اُس نے چند لمحوں کے بعد کہا۔ "یہ بتاؤ جو آدمی ہمارے نائب کے نقلی بھیس میں تھا۔ اُسے عمران کہاں لے گیا ہے۔ جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں ملے ہی بہت کچھ جانتا ہوں۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔ کہ وہ اُسے کہاں لے گیا ہے۔" "خیر کوئی بات نہیں۔ ہم اس سے ٹپٹ لیں گے۔ میڈلس کب تک تیار کر لو گے؟"

"جلد ہی۔" وہ پریشان آواز میں بولا۔ "میری کی غیر موجودگی مجھے بے حد پریشان اور فکر مند کئے ہوئے ہے۔ میڈلس کی تیاری میں ذہنی یکسوئی سے

”یہاں کانمبر ٹیلیفون ڈاکٹر یکٹری میں نہیں مل سکتا۔
 ”میچھ گئے!۔۔۔۔۔“ یہ کہہ کر وہ ہونٹوں پر پھیلی ہوئی
 سکر ایٹ سمیٹنے لگا۔

”اوہ!۔۔۔۔۔“ ڈاین نے کرسی کی پشت سے ٹیک
 کا دی اور سگار کے کش کھینچنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد
 اس نے کہا۔

”ہمارا ایک دشمن جیگر تو مر گیا۔ اس چکر میں ہمارے
 و آدمی بھی ختم ہو گئے۔“

”ابھی اس کے سانھی موجود ہیں۔ یہاں وہ اکیلا تو
 یا ہوگا۔۔۔۔۔“ جینر ڈاین کو غور سے دیکھ کر بولا۔

”یہ ٹھیک ہے۔ لیکن اپنے باس کے مرنے کے
 بد وہ کیا کر سکتے ہیں۔“

”ہوں!۔۔۔۔۔ مجھے یقینی نہیں آتا کہ میں نے اپنے ایک
 برینہ اور زبردست دشمن کو ختم کر دیا ہے۔“

”یقین کر ہی لو۔ اب تو وہ ختم ہو گیا۔“ ڈاین
 لہکا کر بولا۔

ابھی وہ خاموش ہی ہوا تھا کہ اسی لمحے رابرٹ اندر
 خل ہوا۔ ان کی نگاہیں اس کی طرف اٹھتی چلی گئیں۔
 و نے چوڑے چھتے کا ہیٹ ماتھے پر جھکا رکھا تھا۔

”کام نہیں کر رہا ہے۔“
 ”یکسوئی سے کام کرو ڈاکٹر!۔۔۔ تمہاری بیگم تمہیں مل
 جائے گی۔ اگر تم نے ہمارے ساتھ کسی چالاکی سے کا
 لیا تو ہم تمہاری بیگم کو پہلے ہی ختم کر دیں گے پھر کچھ او
 کر دیں گے۔ اس لیے تم تھویری اور میڈیسن دے
 ہی اپنی بیگم کو حاصل کر سکو گے یہ بات ہر حال میں ذہن
 میں رکھنا۔“

”تمہاری بات مانی جائے گی!۔۔۔۔۔“ ڈاکٹر زیدی
 نے کہا۔

”اوسکے!۔۔۔۔۔“ جینر نے کہا۔ ”ڈاکٹر تمہیں جلد
 تھویری اور میڈیسن ہم تک پہنچانے کے بارے میں ہدایا
 مل جائیں گی اور تمہیں ان کے مطابق ہی کام کرنا ہوگا۔“

اس دوران میں ڈاین نے دوسرا سگار سلگا لیا تھا،
 اس کے کش لگا رہا تھا۔ وہ جینر کو بغور دیکھ کر بولا۔

”باس!۔۔۔۔۔ اگر آپ خفا نہ ہوں تو کچھ کہوں۔“
 ”کہو!۔۔۔۔۔“ جینر اُسے گھور کر بولا۔

”یہاں کانمبر ٹیلیفون ہمیں استعمال نہ کرنا چاہیے۔ یہ جگہ
 کسی کی نظروں میں نہ آئے تو بہتر ہے۔“

”مجھے احمق سمجھتے ہو کیا۔۔۔۔۔“ جینر مسکرا کر بولا۔

اور گہرے شیشوں کا چشمہ آنکھوں پر لگا رکھا تھا۔ اس سے قریب آدھا چہرہ اس کا چھپ گیا تھا۔ وہ قریب آ رہا تھا۔ جیمز نے بے چینی سے پوچھا۔

”کیا بنا؟“

”عمران اپنے فلیٹ سے نکل کر شارداروڈ کی ایک عمارت تک گیا تھا۔ اس عمارت کے بارے میں میں نے معلومات حاصل کی ہیں۔ وہ عمارت کسی لانا افلاطون کی ملکیت ہے۔ میں نے شارٹن کو اس کی نگرانی پر متعین کر دیا ہے۔“

”ویری نائٹس۔ میرا یہ آخری حملہ ناکام نہ ہونا چاہیئے اب میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہ کروں گا۔“ اس نے یہ سب کچھ ڈاین کی طرف دیکھ کر کہا۔

”میں چاہتا ہوں باس! کہ آپ عمران کو نہ ہی چھیڑیں تو بہتر ہے!“ ڈاین جھجھک آلود آواز میں بولا۔

”پھر وہی بے وقوفی کی بات۔“ جیمز غرایا۔ ”ڈاین! ہمارے پلان کا سب سے اہم حصہ یہی ہے کہ پہلے ہم عمران کو ختم کریں پھر کوئی قدم اٹھائیں۔ یہی ایک وہ شخص ہے جس کے دم سے سیکرٹ سروس خوفناک سے خوفناک اور

اُبھٹے ہوئے کارتلے سرانجام دیتی ہے۔ اگر عمران مر گیا تو سیکرٹ سروس ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔“ ڈاین کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ نے قبضہ ممالیا۔

”ہوں!۔“ ڈاین بولا۔ ”پھر کیا ہوگا؟۔“ ”تم اور تمہارے ساتھی سٹرڈاین!۔ تھیوری اور میڈلین لے کر یہاں سے چلو گے۔“

رابرٹ اور ڈاین چونکے۔ وہ سمجھ گئے کہ جیمز انہیں ن دنیا سے ہی رخصت کر کے خود تھیوری اور میڈلین لے کر ملک برائٹس چلا جائے گا تاکہ تمام فائدہ خود ہی اٹھا سکے۔ اس سوچ سے ڈاین کے ہونٹوں پر پراسرار مسکراہٹ رہ گہری ہو گئی جبکہ رابرٹ کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار پھیلنے چلے گئے۔

”وہ لاشیں اٹھوالی گئی تھیں۔“ بلیک زیرو نے بتایا
پھر مسکرا کر بولا۔ ”اس کیس میں تو لاشیں اٹھوانے اور
بے ہوش آدمیوں کو اٹھانے کا ہی کام کر رہا ہوں۔ خوب
کام لے رہے ہیں آپ مجھ سے!“

”کبھی کبھی اس طرح کے کام بھی کر لیا کرو میری جان کالے
صفر!۔ اس کیس کا مجھے ابھی تک کوئی سرپیر ہی نظر
نہیں آ رہا ہے۔ پھر تمہیں اور کس کام پر لگاؤں۔ یوں
لگتا ہے۔ ڈائن کچھ زیادہ ہی اُلجھا کر کام کر رہا ہے۔“
”شاید!“ بلیک زیرو نے کہا۔ پھر اس نے چونک
کر کہا۔ ”ہوں تو یہ بات ہے۔“ اس کے
ساتھ ہی بلیک زیرو کی آنکھیں چمکنے لگیں۔
”کیا بات ہے؟“ عمران نے چونک کر پوچھا۔

”آپ نے بتایا تھا کہ ڈائن اور اس کے ساتھ رستی
کے ذریعے کھڑکی کے راستے فرار ہوئے تھے اور اس
کھڑکی کے نیچے جیگر کا جسم باوجود گولیوں سے چھلنی ہونے
کے زندہ تھا۔ اور شدید زخمی حالت میں وہ اپنے
کسی ساتھی سے زنجیر ٹرانسمیٹر پر بات کر رہا تھا۔ اس
صورت میں اگر ڈائن کھڑکی کے راستے فرار ہوتا۔ تو کیا
جیگر ڈائن کو زندہ بھاگ جانے دیتا جبکہ وہ اس کا زبردست

عمران دانش منزل کے آپریشن روم میں بیٹھا بلیک
زیرو کو بنگالی غنڈے کی فید سے چھڑا کر
لانے کا واقعہ سن رہا تھا۔ بلیک زیرو مسکرا رہا تھا۔ واقعہ سننے
کے بعد عمران تیزی سے جبرٹے چلا کر چیونگم کچنے لگا۔
”کیا بنگالی کے پاس سے زنجیر ٹرانسمیٹر برآمد ہوا؟“
بلیک زیرو نے پوچھا۔

”نہیں!“ عمران نے مختصر جواب دیا۔ چند لمحے
خاموشی رہی۔ پھر عمران نے پوچھا۔ ”ان لاشوں کا کیا بنا
جو میں ڈائن کے بنگلے پر چھوڑ آیا تھا۔“

”ایک بار مجھے پھر اس بنگلے کی دیکھ بھال کرنا ہوگی۔ یہ معلوم کرو وہ بنگلہ کس کی ملکیت ہے بلیک زیرو۔“
 ”اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا عمران صاحب!۔ وہ بنگلہ نجر مہوں نے کرایہ پر لیا ہوگا۔ یا زبردستی قبضہ کر لیا ہوگا۔“

”کچھ بھی ہے۔“ عمران بولا۔ ”تم بنگلے کے بارے میں تصدیق ضرور کرو۔ میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔ شاید میری یہ سوچ صحیح ثابت ہو۔“
 ”بلیک زیرو نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا اور چند لمحے نمبر گھمانے کے بعد سلسلہ ملنے پر کسی سے بات کرنے لگا اور پھر عمران سے مخاطب ہوا۔

”ابھی معلوم ہوا جاتا ہے عمران صاحب!۔“
 ”بہت تیر ہاتھ دکھانے لگے ہو آج کل!۔“ عمران مسکرایا
 ”یہ سب آپ کی دعا اور مہربانی کا نتیجہ ہے جناب!۔“
 ”یہ بتاؤ بلیک زیرو!۔ لیبارٹری کی نگرانی کون کر رہا ہے؟“

”صدر اور چوہان!۔“ بلیک زیرو بولا۔ ”رات ڈیوٹی پر چوہان ہوتا ہے اور صبح کی ڈیوٹی صدر سنبھالتا ہے۔“

دشمن تھا۔“
 یہ سن کر عمران ایک دم الرٹ ہو کر بیٹھ گیا۔ ”تمہارے یہ بتانے کا مقصد کیا ہے؟“ عمران نے پوچھا۔
 ”مقصد یہ عمران صاحب!۔ کہ ڈائین کھڑکی سے نہیں کسی اور راستے سے بھاگا تھا۔ صدیقی کچھ دیر پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔ اگر ڈائین کھڑکی کے راستے فرار ہوتا تو پھر صدیقی اسے یقیناً دیکھ لیتا کیونکہ صدیقی بنگلے کے عقب میں ہی موجود تھا۔ اس کے علاوہ جبکہ جو کہ زندہ تھا ڈائین کو دیکھ کر گولی مار دیتا۔ یا ڈائین جگمگے کو زندہ دیکھ کر اسے ختم کر دیتا۔ مگر آپ کہہ رہے تھے کہ جگمگے زندہ تھا۔“

”دبیری گڈ!۔ مگر تم بھول رہے ہو بلیک زیرو!۔“
 دروازے پر نعمانی موجود تھا۔ بچلی منزل میں میں خود تھا۔ بنگلے کی عقبی طرف صدیقی موجود تھا۔ تو ڈائین اور اس کے ساتھی چھت پر جا کر سوا میں اڑ کر کہیں غائب ہو گئے یا فضا میں تحلیل ہو گئے۔“

”یہ بات نہیں۔“ بلیک زیرو بولا۔ ”انہوں نے کوئی خفیہ راستہ استعمال کیا ہوگا جناب!۔“
 ”شاید!۔“ عمران نے کہا۔ ”یہ امکان تو ہے“

عمران چونکا۔ "یہ بنگلہ بھی اُسی کی ملکیت تو نہیں ہے جس کی ملکیت زرد بنگلہ ہے۔"

"بالکل وہی جنرل ہے۔"

"بس تو پھر یہ جنرل اب ہماری لسٹ پر آ گیا ہے۔ اب اس مشکوک جنرل کی بیس اچھی طرح دیکھ بجالا کر دوں گا۔ عجیب جنرل ہے۔ ریٹائر ہونے کے بعد بنگلے خرید کر مجرموں کو دیتا پھرتا ہے۔"

ابھی عمران خاموش ہی ہوا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی پھر ٹرٹرائے لگی۔ بلیک زیرو نے ریسپورڈ اٹھا لیا اور مخصوص بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ایکسٹو!۔"

دوسری طرف صفدر تھا۔ اُس نے موڈ بانہ کہا۔

"صفدر اسپیکنگ سر!۔"

"کیا بات ہے صفدر۔"

"رپورٹ دینا چاہتا ہوں سر!۔"

"کیا رپورٹ ہے؟۔"

"میں لیبارٹری کے سامنے ڈیوٹی پر تھا سر!۔"

صفدر نے رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔ "کہ ایک آدمی مجھ سے کچھ فاصلے پر کارٹھہر کر اس میں سے اُترا اور آگے

"چرواہان کی کیا رپورٹ ہے؟۔" عمران نے پوچھا۔

"اوکے رپورٹ ہے۔ وہاں سکون ہی سکون ہے۔"

"سکون کے بعد ہی طوفان آتا ہے۔ کنفیوشس نے کم از کم یہی کہا ہے۔" عمران نے یہ کہا اور پھر ایک دم سنجیدہ ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ بلیک زیرو اسے استفسار میں نظروں سے دیکھنے لگا۔ عمران نے ہاتھ آگے بڑھا کر ٹیلیفون اپنی طرف گھسیٹ لیا۔ اور چرواہان کے نمبر گھمائے۔ پھر اس نے ریسپورڈ کانوں سے لگا لیا۔ وہ صوفے پر ذرا سا آگے جھک آیا۔ کچھ دیر کے بعد سلسلہ ملا۔ عمران نے کہا۔

"کیسے جا رہے ہو؟۔"

"سب کچھ ٹھیک ہے!۔" اس نے مستعدی سے جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی عمران نے سلسلہ ختم کر دیا۔ ابھی وہ ریسپورڈ کمریڈل پر رکھ کر فارغ ہی ہوا تھا کہ فون کی گھنٹی چینیٹے لگی۔ اب ریسپورڈ بلیک زیرو نے اُٹھا لیا۔ اور دوسری طرف کی گفتگو سننے لگا۔ اس کے بعد وہ ریسپورڈ کمریڈل پر رکھ کر عمران کی طرف مڑا اور اس سے کہا۔

"جس بنگلے کے بارے میں آپ نے معلومات چاہی ہیں تو سن لیجیے۔ وہ بنگلہ کسی جنرل کی ملکیت ہے۔"

بڑھ کر کچھ دیر لیبارٹری کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر وہ واپس اپنی کار کی طرف آگیا۔ مجھے وہ آدمی مشکوک لگا اور میں اپنی کار میں بیٹھ کر اس کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ میں اس کے تعاقب میں مہاجر کیمپ سے آگے مچھروں کی بستی کے قریب رُک گیا۔ شاید اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ مگر اس نے میری کوئی پرواہ نہ کی۔ کچھ مجھیرے اُسے مشکوک آدمی سمجھ کر اس کی طرف لپکے لیکن اس نے جیب سے ریوالتور نکال کر اُن پر فائرنگ کی جس کے نتیجے میں چار مجھیرے دم توڑ گئے۔ وہ چار ہی مجھیرے تھے۔ میں اس کی طرف لپکا تو اس نے مجھ پر فائر کر دیا۔ لیکن اس دورانے میں میں پسندول نکال کر اُس پر فائر کر چکا تھا جس کے نتیجے میں اس کی کھوپڑی اڑ گئی۔ وہ مردہ ہو کر گر گیا۔ میں نے اس کی تلاشی لی تو اس کی جیب سے ایک کٹل فٹش نکلی۔ میں نے اس کا پیٹ کھول کر دیکھا تو اس میں قیمتی ہیرے تھے۔ اچانک مجھے سامنے سے کچھ مجھیرے آتے دکھائی دیئے اور میں لپک کر ذرا فاصلے پر چٹانوں کے عقب میں ہو گیا۔ اب میرے لیے کیا حکم ہے۔ میں اس جگہ سے تھوڑے فاصلے پر ایک ٹیلیفون بوتھ سے فون کر رہا ہوں۔ ”پھر اس نے پتہ بتا دیا۔

”ہوں!۔۔۔“ ایکسٹو سخت آواز میں بولا۔ ”فون بوتھ کے قریب ہی ٹھہرو!۔۔۔ میں تمہارے پاس عمران کو بھیج رہا ہوں۔ سیمان کی حبیبہ۔۔۔“
 ”اوکے۔۔۔“ سدا بولا۔ ”اور تم ہو کہ مارے غصے کے دیوانے ہوئے جا رہے ہو۔“
 عمران کو ایک طویل سانس کھینچنے کی آواز سنائی دی۔ اور جب فیاض بولا تو اس کی آواز بے حد نرم تھی۔
 ”تو مجھ پر کیا بنا عمران صاحب؟۔۔۔“
 ”مجھ کو پھنس گئی!۔۔۔“ عمران نے مسکرا کر ریسپورڈ کو آنکھ ماری۔

”کیا مڑھا چلا گیا۔۔۔“ چند لمحوں کی بات چیت کے بعد عمران اُس سے مخاطب ہوا۔
 ”اب تم لیبارٹری کی نگرانی پر پہنچ جاؤ!۔۔۔ یہ سوپر ایض کا کیس ہے۔ وہ اس سے بخوبی نبٹ لے گا۔“
 ”بہت بہتر جناب!۔۔۔“ صدر نے کہا اور اپنی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ صدر کے جانے کے بعد عمران یفون بوتھ میں گھس گیا اور مناسب سگے انٹرمنٹ میں ل کر فیاض کے نمبر گھمائے۔ جلد ہی رابطہ قائم ہو گیا۔

پھر عمران آواز بدل کر بولا۔
”کہو، تمہاری نئی سیکرٹری کا کیا حال ہے سپرنٹنڈنٹ

فیاض!۔“

صاحب،۔۔۔ کیپ تنے آگے پھیرنے والے انداز میں
قریب رک گیا۔ شاید اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔۔۔
نے میری کوئی پرواہ نہ کی۔ کچھ چھیرے اُسے مشکوک آدمی
سمجھ کر اس کی طرف لپکے لیکن اس نے جیب سے ریوالور
نکال کر اُن پر فائرنگ کی جس کے نتیجے میں چار چھیرے دم
توڑ گئے۔ وہ چار ہی چھیرے تھے۔ میں اس کی طرف
لپکا تو اس نے مجھ پر فائر کر دیا۔ لیکن اس دورانے
میں میں پستول نکال کر اُس پر فائر کر چکا تھا جس کے
نتیجے میں خراہڑاؤں کے، خبیث آؤں کے پچھلے وہ ہو کر گرے۔ میں
تمہاری آواز سن کر پاگل ہو گیا ہوں۔ تمہیں ابھی جیل بھیجنے
کا بندوبست کرتا ہوں۔ میں پتہ نہ کر پاتا ہوں کہ تم کہاں
سے بول رہے ہو۔ میں تمہیں ساری عمر کے لیے جیل
میں سزا دوں گا۔“ فیاض انتہائی غصے میں گرج
رہا تھا۔

”بس بس۔۔۔ سو پر فیاض!۔۔۔“ عمران نے اپنی
اصل آواز میں کہا۔ ”اتنے جوش میں نہ آؤ۔ تم کافی عرصہ

سے مجھے جیل میں بھجوا رہے ہو۔“
”تم احمق اعظم خبیث تمہیں بات کرنے کا سلیقہ بھی
نہیں ہے۔“ وہ اور زیادہ جوش میں گر جا۔

”ارے میں نے سیلمان کی محبوبہ سے تمہاری بات کی تھی۔“
عمران مسکرا کر بولا۔ ”اور تم ہو کہ مارے غصے کے دیوانے
ہوئے جا رہے ہو۔“

عمران کو ایک طویل سانس کھینچنے کی آواز سنائی دی۔ اور
جب فیاض بولا تو اس کی آواز بے حد نرم تھی۔

”تو پھر کیا بنا عمران صاحب؟۔“

”سیچھ لو پچھتس گئی!۔“ عمران نے مسکرا کر ریسپور
کو آنکھ ماری۔

”کیا مطلب؟۔“ فیاض اُلجھ کر بولا۔

”وہ تم سے شادی کرنے پر رضا مند ہے۔“

عمران ہنس کر بولا۔

”یہ تو بیحد اچھی بات ہے!۔“ فیاض خوش
ہو کر بولا۔

”اور اس سے بھی اچھی بات تمہارے لیے یہاں

میرے پاس موجود ہے۔ فوراً بھاگتے چلے آؤ۔“
”کہیں فضول ہی بھاگ دوڑ نہ کر دینا۔“ فیاض

مشکوٰۃ ہو کر بولا۔

”تمہارے مطلب کی بات ہے، آکر سن لو۔“
 عمران نے کہا۔ پھر اس نے اسے فون بوتھ کا پتہ بتا دیا
 ”اچھا آ رہا ہو۔“ اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع
 کر دیا گیا۔

عمران نے فیاض کے آنے پر ٹل فٹش اس کے
 حوالے کر دی۔ اور ہیرے دیکھ کر کیپٹن
 بن جیران رہ گیا۔ پھر عمران نے اُسے بتایا کہ مجھیروں کی
 کے قریب ہی کہیں کوئی ہیریوں اور منشیات کی اسمگلنگ
 ہے۔ چھان بین کرو گے تو پتہ چل جائے گا۔ پھر اس
 بیٹیوں اور اس بد معاش کی لاش کا پتہ بھی بتلا دیا جس کے
 سے صفدر نے ٹل فٹش برآمد کی تھی۔ فیاض کا رہیں بیٹھ
 بیٹیوں کی لاش کی طرف چلا گیا۔ اور عمران نے اپنی ٹو سیٹر
 پر آگے بڑھائی۔ ابھی عمران تھوڑی ہی دُور گیا تھا کہ

ایک سرخ رنگ کی ٹوپیٹا کارمچھروں کی بستی کی طرف سے آئی اور تیزی سے سڑک پر بھاگنے لگی۔ عمران اس کار کو دیکھ کر چونکا۔ پھر اس نے کچھ فاصلہ رکھ کر اس کا تعاقب شروع کر دیا۔

وہ آگے پیچھے بھاگتے ہوئے ایک ویران اور سنسان علاقے میں آگئے۔ وہاں دور دور تک کوئی ذی روح نظر نہ آ رہا تھا۔ دور تک درخت ہی درخت پھیلے ہوئے تھے درختوں پر پرندے چپک رہے تھے۔ اب ان کی کاریں کچے راستے پر آگے پیچھے بھاگ رہی تھیں۔ دس کلومیٹر جانے کے بعد سرخ رنگ کی ٹوپیٹا درختوں میں گھس گئی اور غائب ہو گئی۔ عمران نے اپنی کار پیچھے ہی روک لی۔ اور کچھ دیر انتظار کیا۔ پھر وہ اپنی کار سے اترے اور درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھنے لگا۔

جھنڈ میں داخل ہو کر وہ رک گیا۔ اُس نے ٹھٹھک کر سامنے دیکھا۔ ایک چھوٹا سا سفید بنگلہ تھا۔ پھر اس نے اندر جانے کا فیصلہ کر لیا گیٹ پر کوئی نہ تھا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ریولور کی موجودگی کا احساس کیا۔ اور پھر ہاتھ جیب میں ہی رکھے آگے بڑھنا چلا گیا۔ کمپاؤنڈ میں ایک طرف سرخ رنگ کی ٹوپیٹا کھڑی تھی۔ وہ سمجھ گیا۔ کہ جس

کے تعاقب میں وہ آیا تھا، وہ اندر چلا گیا ہے۔ پھر عمران کا ریڈو کے قریب پہنچ گیا۔ سامنے صدر دروازہ تھا۔ اس نے برآمدے میں آکر دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔ پھر ادھر ادھر کا جائزہ لے کر دروازے کے بٹ پر ہاتھ رکھ دیا۔ دروازہ اندر کی طرف کھلتا چلا گیا عمران دیے پاؤں اندر داخل ہو گیا۔ وہ ایک اُجاڑا سا لمرہ تھا جو کہ ہر قسم کی آرائش سے محروم تھا۔ سامنے ایک روازہ اور دکھائی دے رہا تھا۔ عمران ادھر قدم بڑھاتا لایا۔

ایک ایک اس کے سر پر پیچھے ایک دھماکہ سا ہوا۔ عمران دیوں لگا کہ جیسے اس کا سر کسی پٹان نے کچل دیا ہو۔ برائے کچھ ہوش نہ رہا۔ بیہوش ہونے سے پہلے وہ رف اتنا محسوس کر سکا کہ جیسے وہ کسی اندھیرے کنوئیں بن گمنا جا رہا ہو۔

عمران کے گمرتے ہی دو آدمی اس کی طرف پلکے اور سے گھسیٹ کر ایک شاندار کمرے میں لے آئے۔ وہاں اور ڈائن موجود تھے۔ جیمز فانتانہ نگاہوں سے عمران دیکھ رہا تھا۔ اور ڈائن جیٹ سے عمران کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا

کرائے پر خریدے گئے تھے۔ جس کے تعاقب میں عمران آیا تھا وہ بھی کرائے کا غنڈہ تھا۔ وہ آدمی عمران کو اٹھا کر باہر چلے گئے۔ جیمز اور ڈاین بھی باہر آ گئے۔ عمران کی جیب سے ریوالور نکال لیا گیا تھا۔ ہیلی کا پٹر کا انجن سٹارٹ تھا اور پٹکھا تیزی سے گھوم رہا تھا۔

پھر عمران کو ہیلی کا پٹر سے سیڑھی نکال کر اس کیساتھ ضبطی سے باندھ دیا گیا اور پائیلٹ شیشے کے کاک پیٹ میں چلا گیا۔ جیمز کے حکم پر ہیلی کا پٹر اوپر اٹھنے لگا۔ جب وہ بلندی پر پہنچ گیا تو سیڑھی تن گئی اور عمران کلاک کے پنڈولم کی طرح فضا میں ڈولنے لگا۔ ہیلی کا پٹر بلندی میں بنگلے کے ارد گرد چکر کاٹنے لگا تھا۔

اسی لمحے جیمز بے اختیار زور زور سے قہقہے لگانے لگا۔ ڈاین حیرت سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے عمران کو ضامیں ڈولتے دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر فضا میں لہرنے کے بعد ٹھنڈی ہوا سے عمران ہوش میں آ گیا۔ اس نے نکھیں کھولیں۔ اور چند لمحوں میں وہ سب کچھ سمجھ گیا۔ عمران اس وقت سخت تکلیف میں تھا۔ یہ اچھی بات تھی کہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے نہ تھے۔ اس نے کلائی کی طرف دیکھا۔ وہاں واپچ ٹرانسمیٹر موجود تھا۔ اُس

کہ ناقابل تسخیر عمران اس حالت میں بھی ان کے سامنے آ سکتا ہے۔ جیمز باس کی اس کامیابی پر وہ بہت زیادہ حیرت زدہ تھا۔ جیمز نے عمران کے بے ہوش جسم سے نگاہیں ہٹا کر ڈاین کو دیکھا۔

”کیوں مسٹر ڈاین، یہی وہ عمران ہے جس سے تم خوفزدہ تھے۔ اب میں اسے ہیلی کا پٹر سے اٹا لٹکا دوں گا اور اس کی جان کو نیچے کھڑے ہو کر آہستہ آہستہ نکلتے دیکھوں گا۔“
”تم نے یہ بہت بڑا کارنامہ کیا ہے جیمز باس۔“
ڈاین نے اس کی تعریف کی۔ پھر جیمز نے انٹر کام کا بٹن دبایا۔ دوسری طرف سے آواز گونجی۔
”کیا حکم ہے باس۔“

”ہیلی کا پٹر تیار ہے؟“ جیمز نے پوچھا۔
”ہیلی کا پٹر بنگلے کے عقبی حصے میں تیار ہے باس!۔“
دوسری طرف سے آواز ابھری۔
”اس کا انجن اسٹارٹ کر دو اور دو آدمی بھیج دو، جو عمران کو اٹھا کر ہیلی کا پٹر تک لے جائیں۔“
”اوکے باس!۔“

جیمز نے بٹن دبا کر انٹر کام بند کر دیا۔ اسی لمحے دو دروازے آدمی اندر داخل ہوئے۔ وہ مقامی آدمی تھے جو

نے بمشکل ہاتھ آگے بڑھا کر ونڈراڈ باہر کھینچی۔ اور یہی جدوجہد اور محنت کے بعد وہ اپنا منہ وراج ٹرانسپیر قریب کر سکا۔ جو جو کی آواز کے بعد رابطہ قائم ہو گیا۔ ہیلی کا پٹر کا شور اتنا تھا کہ آواز نہ سنائی دے رہی تھی ہیلی کا پٹر چونکہ کافی بلندی پر تھا۔ اس لیے نیچے کھڑے ہو اور ڈائین سمجھ نہ پا رہے تھے کہ عمران کیا حرکتیں کر رہا ہے۔ عدا کو وہ بھی نیچے کھڑے کھلونوں کی مانند دکھائی دے رہے تھے۔ اُسے آخر کار بلیک زیریرو کی آواز سنائی دی۔

”ایکسٹو!۔۔۔“

”عمران اسپیکنگ!۔۔۔ اور۔۔۔“

”کیا بات ہے عمران صا د ب؟۔۔۔“ بلیک زیریرو نے پوچھا۔

”میں اس وقت سخت مصیبت میں گرفتار ہوں۔ مجھے دشمنوں نے ہیلی کا پٹر سے باز رکھ کر اٹا لٹکایا ہوا ہے۔ تم فوراً ہیلی کا پٹر لے کر میری مدد کو پہنچو۔“

”اوہ!۔۔۔ آپ کہاں ہیں؟۔۔۔“ عمران کو بلیک زیریرو کی بدکھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

”میں اس وقت سمتند کے ساحل کے بالکل سامنے مشرق میں ہوں۔ جب تم شمال میں پہنچو گے تو تمہیں ہیلی کا پٹر نظر

آجائے گا۔۔۔ اب تمہارے لیے کام نکل آیا ہے فوراً پہنچو۔“

”میں پہنچ رہا ہوں جناب!۔۔۔“

عمران نے کہا۔ ”اور اپنڈ آل۔۔۔“ اور ٹرانسپیر آف کر دیا۔ ونڈراڈ پھر اندر چلی گئی۔ ہیلی کا پٹر کو فضا میں پتھر کاٹتے میں متٹ سے زیادہ نہ گزرے تھے کہ نیچے کھڑے جیمز اور ڈائین لو ایک، ہیلی کا پٹر سامنے سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ حیرت سے اس ہیلی کا پٹر کو دیکھنے لگے۔ ابھی وہ کچھ سمجھنے بھی نہ پائے تھے کہ سامنے فضا میں بڑھتا ہوا ہیلی کا پٹر ان کے ہیلی کا پٹر کی طرف آنے لگا۔ یہ دیکھ کر وہ زور سے چونکے۔ اچانک وہ ہیلی کا پٹر ان کے ہیلی کا پٹر کی جانب جانے کی بجائے تیزی سے ان کی طرف آنے لگا۔ اور پھر اس میں سے اسپین گنوں سے فائرنگ ہونے لگی۔ ڈائین اور جیمز بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئے۔ اس صورت حال نے ان کے ہیلی کا پٹر کے پائیلٹ کو بوکھلا دیا اور وہ خوفزدہ ہو کر ہیلی کا پٹر کو نیچے اتارنے لگا۔ یہ سچو آشن جیمز کے لیے بے حد خطرناک تھی۔ اس کا سارا منصوبہ جو پٹ نظر آنے لگا تھا۔ اُس نے فوراً سامنے کھڑے اپنے دو رائفل بردار آدمیوں کو حکم دیا۔ ”عمران کی طرف فائرنگ کر کے اُسے ختم کر دو۔۔۔“ اس کا منصوبہ بھی یہی تھا کہ کچھ دیر عمران کو فضا میں اٹا لٹکا کر دو رائفوں کے فائر سے

دوسرا ہیلی کا پٹر ایک دم نیچے کی طرف آنے لگا۔ اس سے
 بیڑھی لٹکا دی گئی اور اُس بیڑھی پر دوسرے لمحے ایک سیاہ
 پوش اُترنے لگا۔ وہ تیزی سے نیچے آیا۔ جب اس کے ہیلی کا پٹر
 نے اُسے عمران کے قریب پہنچا دیا تو اُس سیاہ پوش نے
 اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا تیز خنجر اُن رسیوں کی طرف بڑھایا جن سے
 اُن بندھا ہوا تھا۔ اس نے بجلی کی سی تیزی سے وہ رسیاں
 اٹ دیں۔ عمران اسی بات کا منتظر تھا۔ اس نے اچھل کر سیاہ
 پوش کے ہیلی کا پٹر کی بیڑھی مضبوطی سے ختم کر لی اور وہ بیڑھیاں
 بڑھنے لگا۔ سیاہ پوش اور عمران ہیلی کا پٹر میں چلے گئے تو حمیر
 اہیلی کا پٹر یہ صورت حال دیکھ کر جنوب کی طرف فرار ہو گیا۔
 پھر وہ لوگ بنگلے سے نکل کر اپنی کاروں کی طرف بڑھنے چلے
 گئے۔ حمیر، ڈاؤن اور اُس کے ساتھی کاروں میں بیٹھے اور
 بل طرف کو بھاگ نکلے۔ وہ درختوں کے نیچے اپنی کاریں بھگا
 رہے تھے۔ ہیلی کا پٹر نے ان کی کاروں کی طرف رخ کیا اور
 ٹیبن گنوں کے برسٹ اُن کی طرف لپکے۔ مگر گولیاں درختوں
 سے ٹکر کر ضائع ہو گئیں۔ عمران نے بیک زبرد سے کہا۔
 ”کوئی فائدہ نہیں۔ جانے دو۔ اُن سے اب کچھ حاصل
 ہو گا۔“ اب عمران آرام سے سیٹ پر بیٹھا اپنے
 تھپاؤں سہارا ہوا تھا۔ پھر اُس نے تفصیل سے اپنے لیے

ختم کر دیا جائے گا۔ فوراً ہی دُور مار رائفلوں نے شعلے اگلنے شروع
 کر دیئے۔ عمران محفوظ رہا کیونکہ فضا میں ڈولنے کی وجہ سے عمران
 نشانے کی زد میں نہ آ رہا تھا۔ اُسی لمحے دوسرے ہیلی کا پٹر سے
 اسٹین گنوں کا زبردست برسٹ آیا اور دونوں رائفل برداروں کے
 جسموں کو پھینکی کر دیا۔ وہ وہیں ڈھیر ہو گئے۔ حمیر، ڈاؤن اور
 اس کے دوسرے ساتھی جو وہاں موجود تھے۔ ان میں ذرا بھی
 ہمت نہ رہی کہ وہ رائفلیں اٹھا کر عمران پر فائر کرتے۔ ڈاؤن
 خوفزدہ ہو کر چیخا۔

”بھاگو حمیر! باس، بازی اُلٹ گئی۔ عمران واقعی ناقابل تسخیر
 ہے!“

حمیر دانت پیس کر رہ گیا۔ پھر اُس نے نہایت اشتعال میں
 میں آ کر رائفل اٹھالی۔ ابھی وہ فائر کرنا ہی چاہتا تھا کہ ہیلی
 کا پٹر پھر ادھر آنے لگا۔ اس نے فوراً رائفل چھینک دی اور
 اندر کی طرف بھاگا۔ اس کے بھاگتے ہی سب برآمدے کے
 سنڈن کی آڑ میں ہو گئے۔ اسٹین گنوں کا برسٹ اُسی جگہ پڑا
 جہاں پہلے حمیر کھڑا تھا۔ اب حمیر کا سارا غصہ سمندر کے جھاگ
 کی طرح بیٹھ گیا تھا اور اس کے چہرے پر حسرت اور
 ناکامی کی زردی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ بوکھلائے ہوئے انداز
 میں ادھر دیکھ رہے تھے۔

سہوش ہونے کا واقعہ بلیک زیرو کو متا دیا۔ بلیک زیرو بولا۔
 "حیرت ہے۔ بد معاشوں کی نظر واپچ ٹرانسپیریریٹیوں نہیں
 پڑی؟"۔

"انہیں سب معلوم تھا۔ مگر اُن کا منصوبہ یہ تھا کہ مجھے
 فضا میں کچھ دیر ٹھہرانے کے بعد وہ مجھے دُور مارا اُٹھوں کے
 فائروں سے ختم کر دیں گے"۔

"کیا وہ اتنے احمق تھے کہ فضا میں نشانہ ٹھیک لگا سکتے تھے
 بلیک زیرو نے کہا۔

"وہ احمق نہیں تھے۔ وہ مجھے اس طرح نشانے لگا کر خوفزدہ
 کرنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد اُن کا منصوبہ یہ تھا کہ ہیلی کاپٹر
 کو فضا میں ٹھہرا کر مجھے فائروں سے ختم کر دیں"۔

"ہوں!۔۔۔" بلیک زیرو نے ایک طویل سانس کھینچا
 اور سیٹی کی سی آواز اُس کے مُنہ سے خارج ہو گئی۔ عمران
 کے چہرے پر ایک دم درندگی کے آثار دکھائی دینے لگے۔

"بہر حال اب میں انہیں زیادہ ڈھیل نہ دوں گا۔ جلد ہی
 ختم کر دوں گا"۔

پھر وہ ایک دم نارمل ہو گیا۔

"کالے صفر!۔۔۔ آخر تمہیں کارنامہ دکھانے کا موقع مل
 ہی گیا۔ اور کارنامہ بھی وہ دکھایا ہے کہ مجھے بچا کر لے آئے

ب میں تمہارے لئے کلوئے کی ایسی بھرنبواؤں کا جسے کھا کر
 م انگلیاں چاٹتے رہ جاؤ گے"۔

بلیک زیرو مسکراتے لگا۔ پھر ہیلی کاپٹر نے انہیں دانش
 نزل کی چھت پر اتار دیا اور پھر وہ مغرب کی سمت پرواز
 متا چلا گیا۔

کے اہیں کڑی سے کڑی سزا دی جائیں گی۔ سواس
سلسلے میں صدر مملکت نے وزیر اعلیٰ کو ٹیلیفون پر برطرف
کرنے کی دھمکی دی اور وزیر اعلیٰ کو سخت تنبیہ کی کہ جلد سے
جلد اسمگلروں کو گرفتار کر لیا جائے۔ وزیر اعلیٰ نے گھبرا کر
اپنی تک و دو تیز کر دی اور انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر رحمان
سے کہا کہ تین دن کے اندر اندر اسمگلر گرفتار کر لیے جائیں
یہی وجہ تھی کہ انٹیلی جنس کے قابل ترین بہادر اور دلیر سپرنٹنڈنٹ
قیاض نے انتہائی مہارت و انداز میں اسمگلروں کے اڈے
تلاش کئے اور ریڈ کر کے مجرموں کو گرفتار کر لیا۔ جن اسمگلروں
کو گرفتار کیا گیا ہے وہ مقامی آدمی ہیں اور انہوں نے اپنے
جرم کا اقبال کر لیا ہے۔ اسمگلنگ کے اڈوں سے بھاری
منقار میں منشیات بھی برآمد ہوئی ہیں اور بے شمار ہیرے
پولیس کے ہاتھ لگے ہیں۔ قریب قریب ملک سے اسمگلنگ
کے سب ہی اڈوں کو ختم کر دیا گیا ہے۔

عمران مسکراتے لگا۔ پھر احمقانہ انداز میں انٹیلی جنس چھپک کر
بیک زیرو کی طرف دیکھ کر کہا۔ "چلو اسمگلنگ کا چکر تو ختم ہوا۔"
پھر اس نے کہا۔ "قابل ترین بہادر اور دلیر سپرنٹنڈنٹ سوپر
قاضی! بلیک زیرو بھی مسکراتے لگا۔ دفعاتاً منے
کا سرخ بلب جلنے بجھنے لگا۔ بلیک زیرو نے چونک کر اس

تیسرے روز عمران دانش مندر کے آپریشن روم
میں بیٹھا تھا کہ بلیک زیرو نے اس
کے سامنے اخبار رکھ دیا اور ایک جگہ اشارہ کر کے کہا۔

"بناب! — یہ خبر پڑھیے!"

عمران وہ خبر پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔

"اسمگلروں نے پھیروں کے چار آدمی ہلاک کر دیئے
تھے جس کے نتیجے میں پھیروں نے غصے میں بھکر سپرنٹنڈنٹ
ہاؤس کا گھیراؤ کر لیا۔ اور نعرے لگانے لگے۔ صدر مملکت
نے اہیں بمشکل یقین دلایا کہ اسمگلروں کو جلد گرفتار کر

طرف دیکھا۔ پھر اُس نے سوچ بچ بورڈ پر نصب چند بیٹن دبائے۔ فوراً بعد ہی ایک طرف لگی چھوٹی سی اسکرین روشن ہو گئی۔ اور اُس پر ایک گیلری نظر آنے لگی۔ پھر جوزف کی صودت دکھائی دی۔ جوزف کا چہرہ مسرت سے چمک رہا تھا۔ وہ تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا آ رہا تھا۔ پھر تیز تیز قدموں سے وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔

”یہ شب تار کی اولاد اتنی تیزی کیوں دکھارہا ہے۔“ عمران اسکرین کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”یہ کالی چٹان تو اسی طرف آرہی ہے۔“ بیک ایک جوزف دروازے کے سامنے آکر رُک گیا۔ بیٹن دبا کر بلیک زیرو نے اسکرین آف کر دی۔ جوزف نے دروازے پر مخصوص دنگ دی۔ بلیک زیرو نے ایک بیٹن دیا اور دروازہ کھلتا چلا گیا۔ جوزف کے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ اب جوزف کالی چٹان کی مانند اُن کے سامنے کھڑا تھا۔ اور اُس کے چہرے پر خوشی کے تاثرات تھے۔

”ہو ہو ہو ارے یہاں تو باس بھی بیٹھے ہیں!“
”تجھے شراب سے فرصت ملے تب تو کسی طرف دھیان دے!“ عمران غرتا ہوا۔

”باس! شراب پی کر تمہارا یہ خادم شیر بن جاتا ہے بلکہ بتر شیر!“

”اچھا تو میرے کالے شیر! کیا بک بک کرنے آیا ہے۔ جلدی بک۔“ عمران غراہٹ آمیز آواز میں بولا۔
”ہو سو۔۔۔ ہو۔۔۔ ہاں یاد آگیا۔ باس! آپ نے تو مذاق کمر کے مجھے بھلا ہی دیا تھا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔“
”بس اب بھول کے جنگل سے نکل کر فوراً بتا کہ تیرے بھاری قدم یہاں کیوں آ پہنچے ہیں؟“ عمران نے اُسے گھور کر کہا۔
”ایک آدمی باہر کھڑا گیٹ پر نظر رکھے ہوئے ہے۔“ وہ جلدی سے بولا۔

”کیا کہہ رہے ہو؟“ بلیک زیرو اور عمران چونک کر بیک وقت بولے۔

”جھوٹ نہیں کہہ رہا سر!“ جوزف بولا۔ ”دیوار کی ٹٹلے کمر میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ گیٹ کے اندر جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔“

”اور تو نے اُچھل کر گردن سے دلبچ لیا ہوگا۔“
”نن۔ نہیں باس!۔۔۔ کیس پھر فوراً اس طرف آگیا۔ لہ یہ خبر مسٹر طاہر کو دے دوں۔ وہ کوئی اچھا آدمی نظر نہیں آ۔۔۔“

”چل دیکھتے ہیں اس بُرے آدمی کو!“ عمران
”ہوئے بولا۔ پھر اس کے قدم باہر کی طرف اٹھنے چلے

گئے۔ پھر وہ خفیہ دروازے سے باہر آ گئے۔ سامنے کھڑا وہی آدمی تھا جو ڈاکٹر زیدی کی خواہگاہ میں داخل ہو کر الماری میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ صدر نے جو حلیہ بتایا تھا۔ بالکل وہی حلیہ تھا اس کا۔ مگر اب اُس نے میک آپ کے ذریعے چند تبدیلیاں کر لی تھیں لیکن وہ ایسی تبدیلیاں نہ تھیں جو عمران کی نظروں سے چھپ جاتیں۔ عمران نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔
 ”ڈاؤن کا ساتھی ہے۔“ پھر دھیمی آواز میں بولا۔ ”جب میں قلیٹ سے نکلا تو یہ اُسی وقت میرے پیچھے لگ گیا ہوگا اس نے سوچا ہوگا کہ جب میں باہر نکلوں گا تو یہ میرا تعاقب کرے گا۔ پھر جب میں اسے ڈاج دے دوں گا تو تم اس کے تعاقب میں لگ جاؤ گے۔ سمجھ گئے کالی چٹان!“
 ”ویری گڈ!“ جوزف خوش ہو کر بولا۔ پھر عمران نے کچھ سوچ کر کہا۔

”ہنیں تم تعاقب نہیں کرو گے۔ جا کر ظاہر کو یہاں لے آؤ وہ تعاقب کرے گا۔“ جوزف جبراسا منہ بنا کر اندر چلا گیا تھوڑی دیر کے بعد بلیک زیرو وہاں آ گیا۔ جوزف بھی ساتھ تھا۔ عمران بلیک زیرو سے بولا۔

”وہ سامنے کھڑا آدمی ڈاؤن کے گینگ سے تعلق رکھتا ہے وہ میرے تعاقب میں ہے۔ میں اسے ڈاج دے دوں

گا تو تم اس کا تعاقب شروع کر دینا۔“ پھر عمران نے اُسے بتا دیا کہ یہ وہی آدمی ہے جو ڈاکٹر زیدی کی خواب گاہ میں داخل ہوا تھا۔ پھر عمران نے کہا۔ ”جوزف میرے ساتھ ہوگا۔ یہ سن کر جوزف کی باپھیں کھل گئیں۔

”ٹھیک ہے جناب! میں اس کا تعاقب کروں گا۔ اس کا مطلب ہے ڈاؤن نے ابھی تک آپ کی جان نہیں چھوڑی۔“
 ”ظاہر ہے۔ سفید فام اسمگلنگ کے ڈوں سے فرار ہو گئے ہوں گے۔ اڈے تو وہ سیکرٹ سروس کو دھوکہ دینے کے لیے چلا رہے تھے۔ جیگر مر گیا ہے۔ دیکھ لو اب لاشیں پانی نہیں بن رہی ہیں۔ نہ ملک میں دھماکے ہو رہے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جیگر ہی لاشیں پانی بنا رہا تھا۔ اور دھماکے کر رہا تھا۔ اس آڑ میں دوسری پارٹی تھیوریٹس اُڑانے کی فکر میں تھی اور جیگر کے مرنے کے بعد تو وہ اب تھیوری میڈیسن اُڑانے کی تنگ و دو کو بے حد تیز کر چکی ہے اس کا ثبوت ڈاکٹر زیدی کی بیگم سے جو اُن کے قبضے میں ہے۔“
 ”ہوں!“ بلیک زیرو نے کہا۔

جوزف کے ہمراہ عمران کے قدم صدر دروازے کی طرف ٹھٹھتے چلے گئے اور بلیک زیرو خفیہ دروازے کی طرف بڑھ گیا کیونکہ اس کا کام عمران کے جانے کے بعد شروع ہونا تھا۔

عمران پورچ میں کھڑی ٹوسٹیر میں بیٹھ گیا۔ اور الجھن اشارٹ
 کمر کے کار آگے بڑھا دی۔ پھر اس کی کار صدر دروازے سے
 باہر نکلتی چلی گئی۔ اس کے ساتھ والی سیٹ پر جوزف براجمان تھا۔
 عمران نے کنکھیوں سے دیکھا کہ وہ آدمی قرمزی رنگ کی
 ایک مزو میں سوار ہو رہا تھا۔ جو فٹ پاتھ کے ساتھ سڑک پر
 کھڑی تھی۔ عمران کے ہونٹوں پر ایک پراسرار آمیز مسکراہٹ
 پھیلتی چلی گئی۔ جوزف بھی اس کار کو حیرت سے دیکھ رہا تھا
 جوزف کو ایک آنکھ بند کر کے عمران نے خاموشی سے سب
 کچھ دیکھنے کا اشارہ کیا اور جوزف نے سختی سے ہونٹ بھینچ
 لیے۔ پھر عمران اپنی ٹوسٹیر کو آگے لے جا کر گلیوں میں
 گھمانے لگا۔ اور پانچویں گلی کے درپے وہ قرمزی مزو وا
 کو ڈراج دے چکا تھا۔ عمران سڑک پر آگیا تھا۔ اس نے
 بیک ویو سر میں دیکھا۔ اس کار کی موجودگی دور دور تک نہ
 تھی۔ عمران اسے ڈراج دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اب اس
 کے ہونٹوں پر سے پراسرار مسکراہٹ غائب تھی اور چہرے پر
 سوچ و بچار کے تاثرات نے قبضہ جما لیا تھا۔ پھر عمران ٹوسٹیر
 کو ایک بار رونق سڑک پر لے آیا اور اسے آگے ہی آگے بڑھا
 چلا گیا۔

عمران نے باآسانی قرمزی مزو کے ڈرائیور نشان
 کو ڈراج دے دیا تھا۔ اور اس وقت وہ اس
 کا ساتھی شارن بے حد پریشان تھا۔ اس نے ادھر ادھر عمران
 کی ٹوسٹیر کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر کسی سڑک پر اسے عمران
 کی کار نظر نہ آئی۔ تو وہ دھیمے گہرے رنگ کے بنگلے کے سامنے
 پہنچ گیا۔ شارن کو اس بنگلے کے سامنے رکنے دیکھ کر بلیک
 زبر و چونکا۔ وہ اس کا تعاقب کرتا چلا آ رہا تھا۔ اور وہ جانتا
 تھا کہ عمران کی ہدایت پر اس نے اس بنگلے کی نگہانی پر کامران
 کو مقرر کیا ہوا ہے۔

ایک درخت کی بیس چلا گیا کیونکہ کرایہ ادا کر کے ڈاؤن نے گرد و پیش کا جائزہ لیتا شروع کر دیا تھا۔ ٹیکسی چلی گئی اور ڈاؤن نے مطمئن انداز میں سر ہلایا۔ پھر وہ اندر چلا گیا۔

اس نے اپنے نیز تیز دھڑکتے دل پر قابو پانے کی کوشش شروع کر دی۔ پھر اُس نے دیکھا کہ کامران ایک درخت کی اوٹ میں ہو گیا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ شاید ٹرانسپیر پر کامران ایکسٹو کو رپورٹ دینا چاہتا ہے۔ بلیک زیرو مسکرا دیا۔ اُسے درخت کی آڑ سے بنگلے کا دروازہ اچھی طرح نظر آ رہا تھا۔ وہ بنگلے داخل ہونے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ قمری مزدا اُسے باہر کی طرف آتی دکھائی دی۔ بلیک زیرو اس وقت اپنی کار سے کافی فاصلے پر تھا۔ اس صورت حال سے وہ بیچکین ہو گیا۔ اُس نے دیکھا کہ اب اُس کار میں ڈاؤن موجود تھا۔ اور کوئی اس کے ساتھ نہ تھا۔ ٹارٹن اندر تھا۔ اُس کے اضطراب میں اضافہ ہو گیا۔ دفعتاً اُس کی کلائی کو جھٹکا لگا اس نے جلدی سے واپس ٹرانسپیر کی دندڑاڈ باہر کھینچ لی۔ دوسرے لمحے بلیک زیرو نے ٹرانسپیر پر کامران کی آواز سنی۔

”کامران اسپیکنگ سر! — اور —“
 ”ایکسٹو — اور —“ اس نے مخصوص

بنگلے کے گیٹ کے اندر چاکر ٹارٹن کار سے نیچے اتر آیا۔ اُس سے کچھ فاصلے پر بلیک زیرو نے اپنی کار روک لی تھی اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو اُسے کامران نظر آ گیا۔ وہ درختوں کی اوٹ میں کھڑا بنگلے کی نگرانی کر رہا تھا۔ وہ ایک مالی کے میک آپ میں تھا۔ بلیک زیرو نے اس کی غفلت کی دل ہی دل میں تعریف کی۔ پھر اُس نے بھی جیب سے ریڈی میڈ میک آپ نکال کر چہرے پر چپکالیا۔ پھر اس نے کار کا دروازہ کھولا اور نیچے اتر آیا۔

پھر وہ بنگلے کے آگے سے نکلتا چلا گیا۔ کنکھیوں سے اس نے بنگلے کے اندر کا جائزہ لیا تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ بنگلے کے کپاونڈ میں قمری مزدا کھڑی تھی۔ پھر اس نے کامران کی طرف کنکھیوں سے دیکھا۔ کامران بھی چوکنے انداز میں بنگلے کے اندر کھڑی کار کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک مشتتبہ نظر بلیک زیرو پر بھی ڈالی تھی۔ پھر ٹھلٹھا ٹھلٹھا بلیک زیرو مڑ کر واپس آ گیا۔ ابھی وہ گیٹ سے ذرا فاصلے پر ہی تھا کہ اُسے بنگلے کے دروازے کے سامنے ایک ٹیکسی مڑکتی ہوئی دکھائی دی۔ جو آدمی اس ٹیکسی سے اترتا۔ اُسے دیکھ کر بلیک زیرو چونک گیا۔ وہ ڈاؤن تھا جس نے ڈرائیور کو جلدی جلدی کرایہ ادا کیا۔ اسی لمحے اچھل کر بلیک زیرو

بھرائی ہوئی آواز میں کہا - ابھی کامران کچھ کہنا ہی چاہتا تھا۔ کہ اُس نے اسے حکم دیا۔

”کامران! — تم فوراً بنگلے سے نکلنے والی قمری کار کا تعاقب کرو۔ ایک سرخ رنگ کی ٹویوٹا تمہیں سامنے کچھ فاصلے پر درختوں کے پیچھے کھڑی ملے گی۔ چابیاں اگنیشن میں موجود کہیں۔ جلدی کرو۔ اُسے شبہ نہ ہونے پائے۔ جلدی کرو۔“ کامران اس حکم کو سن کر حیران رہ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس بات کا ایکسٹو کو کیسے پتہ چل گیا؟۔ اُسے فوراً ایکسٹو کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”اب چل بھی دو۔۔۔ اور اینڈ آف۔۔۔“ اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم کر دیا گیا۔ وہ گھبرا کر بھاگنے کے سے انداز میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ اور بلیک زیرو نے راڈ اندر کی طرف دیا کر ٹرانسمیٹر آف کر دیا۔ کامران کو بھاگتے دیکھ کر بلیک زیرو نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔

بلیک زیرو
درخت کی آڑ میں کھڑا دیکھ رہا تھا کہ کامران سرخ رنگ کی اس کی ٹویوٹا کار میں بیٹھا ڈائین کے تعاقب میں لگ گیا تھا۔ چند لمحے پہلے کھڑے رہ کر سوچنے کے بعد بلیک زیرو نے بنگلے کے اندر ہاتھ کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے ڈائین کو دیکھا تھا۔ پھر وہ فوراً واپس چلا گیا تھا۔ یہ بات اُسے مضطرب کر رہی تھی۔ وہ بے چینی کے عالم میں ٹھہتا ہوا بنگلے کی پشت پر آیا۔ چار دیواری کے ساتھ لمبے لمبے درخت تھے۔ بلیک زیرو ایک درخت پر چڑھا اور دیوار پر آگیا۔ پھر اس نے اندر کی طرف

سامنے ہی فرش پر ایک انسانی جسم بے حس و حرکت پڑا تھا اس کے گرد و پیش میں خون ہی خون تھا۔ بلیک زیرو ادھر بڑھتا چلا گیا۔ اس نے دوسری طرف ہو کر بے حس و حرکت آدمی کے چہرے پر نظر ڈالی۔ پھر ایک طویل سانس اس کے ہونٹوں سے خارج ہو کر فضا میں بکھر گئی۔

مردہ آدمی وہی تھا جس کے تعاقب میں بلیک زیرو اس جنگلے تک پہنچا تھا۔ اس کے دل کے مقام پر گولی لگی تھی۔ یوں لگتا تھا۔ اُسے مرے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری۔ پھر بلیک زیرو نے لاش کی اور کمرے کی تلاشی لی مگر وہاں سے کوئی کام کی چیز برآمد نہ ہوئی۔

اب وہ دوسرے کمرے میں آگیا۔ وہاں بھی ایک لاش موجود تھی۔ مردہ آدمی اونڈھا پڑا تھا اس کے سینے میں گولی لگی تھی۔ ارد گرد خون کا تالاب بنا ہوا تھا۔ وہ بھی کوئی سفید فام ہی تھا۔ بلیک زیرو نے وہاں کی اچھی طرح تلاشی لی مگر کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔ جس سے اُسے تحقیق میں مدد ملی۔ ادھر ادھر چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ یوں لگتا تھا کمرے کو عجلت میں خالی کیا گیا ہے۔ پھر بلیک زیرو باہر آگیا۔ اور وہ ادھر آگیا جہاں اس نے سڑخ نوٹوٹا کھڑکی کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ سڑخ نوٹوٹا کامران لے گیا ہے اور وہ ڈاین کے تعاقب میں

ایک لمبے درخت کی شاخ پکڑ کر اُسے اپنی طرف کھینچا۔ اس کے ذریعے وہ اس درخت پر آگیا۔ پھر وہ درخت کے ذریعے نیچے آگیا۔ پھر اس کے قدم عمارت کی طرف اُٹھنے لگے۔ عمارت میں اُکھڑا اُس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ریلوے کی موجودگی کا احساس کیا۔ دروازہ مقفل تھا۔ وہ کھڑکی کی طرف آگیا۔ کھڑکی بھی اندر سے بند تھی۔ اُس نے کھڑکی کا شیشہ توڑ دیا۔ شیشہ ٹوٹنے سے چھنکا کے کی آواز گونجی۔ اور وہ دم بخود سا کھڑا رہ گیا۔ جب اس آواز کے رد عمل کے طور پر اس کو آہٹ سنائی نہ دی تو اس کے کھڑکی کی چٹخنی گرا کر کھڑکی کھول لی اور کھڑکی کے ذریعے اندر کود گیا۔ اسے کسی نامعلوم خطرے کا احساس ہو رہا تھا۔ مگر اُس کے قدم نہ رُکے وہ آگے ہی بڑھتا چلا گیا۔ اُس خالی کمرے کا دروازہ کھول کر وہ ایک گیلری میں آگیا۔ ہر طرف دھیمے سبز رنگ کا پینٹ دیواروں پر کیا ہوا نظر آ رہا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ ایک سفید فام جنگلے کے اندر موجود ہے مگر اُسے یوں لگ رہا تھا کہ اندر کوئی بھی نہیں ہے جنگلے میں سناتا پھیلا ہوا تھا۔ وہ بڑے محتاط انداز میں قدم اُٹھا رہا تھا۔ اس نے کئی کمرے دیکھ ڈالے مگر جیسے ہی وہ چوتھے کمرے میں داخل ہوا تو ٹھٹھک کر رُک گیا۔

”میرا خیال ہے عمران صاحب! آج آپ مونگ کی دال کھا کر آئے ہیں۔ جب ہی آپ کی یادداشت اتنی تیز ہے۔ میں پریشان خان نہیں کامران ہوں۔“

”پتہ ہے پتہ ہے۔“ عمران نے آنکھیں جھپکا کر کہا۔
ب زیادہ نہ انراؤ۔ یہاں کیا کر رہے ہو بڑے بھائی کامران
یعنی کامیاب خان!۔“

کامران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”اور آپ یہاں کیسے؟۔“

”بڑے بھائی کامیاب خاں! اب تبا بھی دو یہاں کیا کر رہے ہو؟۔“

”میں ایک فرمزی کار کا تعاقب کرتا ہوا یہاں پہنچا ہوں۔“
امران نے کہا۔ ”وہ کار ابھی ابھی سامنے کے بنگلے میں داخل
وئی ہے۔“ پھر کامران نے بنگلے کی طرف اشارہ کر دیا
امران زور سے چونکا۔

”نم نے کہاں سے فرمزی کار کا تعاقب شروع کیا تھا؟۔“
امران نے یو جھا۔

”دھیمے رنگ کے گرین بنگلے سے میں نے اس کا تعاقب
شروع کیا تھا۔“ وہ جلدی سے بولا۔

”ہوں!۔“ عمران نے کہا۔ ”تو تم دھیمے رنگ

ہے۔ اور کامران اس وقت ڈاین کے تعاقب میں تھا۔ بلیک
زبرو نے ایکسٹو کے روپ میں اُسے ڈاین کے تعاقب کا
حکم دیا تھا اس لیے وہ ایکسٹو کے حکم کے مطابق تعاقب کر
رہا تھا۔

ڈاین کی کار تیزی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ وہ بہت
زیادہ عجلت میں لگتا تھا۔ اور یہ بات کامران کے حق میں بہتر
ثبات ہوئی۔ اس طرح اُسے تعاقب کرنے میں آسانی رہی
تعاقب کا یہ سلسلہ ماربل روڈ کے بنگلے پر جا کر اختتام پذیر ہوا
اور ڈاین کی کار بنگلے کے اندر گھسنی چلی گئی۔ کامران سڑخ
ٹوپیڈا کو آگے بڑھانا لیتا چلا گیا۔ مین گیٹ پر اس نے ایک
نظر ڈالی۔ وہاں کوئی نیم پلیٹ موجود نہ تھی۔ کچھ آگے جا کر کامران
نے اپنی کار روک دی اور پھر فوراً ہی وہ چونک پڑا۔ عمران
کی ٹو سیئر دوڑی چلی آ رہی تھی۔ قریب آنے پر عمران بھی کامران
کو دیکھ چکا تھا کیونکہ کامران کھڑکی سے گردن باہر نکال کر
وہاں کا جائزہ لے رہا تھا۔ عمران کی کار ایک جھٹکے سے کامران
کی کار کے قریب رُک گئی۔ عمران نے بھی گردن باہر نکال لی
اور احمقانہ انداز میں کامران سے مخاطب ہوا۔

”پریشانی کے عالم میں یہاں کیا کر رہے ہو بڑے بھائی،
پریشان خان!۔“

کے گہرے ہنکے کے نگران تھے۔ اس آدمی کا حلیہ کیا ہے؟ جو فرمزی کار میں آیا ہے۔ وہ حلیہ بنا کر خاموش ہو گیا۔ عمران حلیہ سن کر زور سے اُچھلا۔ اُس کے چہرے پر مضطرب تاثرات پھیل گئے۔ دوسرے لمحے اُس نے گردن کھڑکی سے اندر کمر لی۔ پھر اُس نے اپنی ٹوئیر کو بیک کیا اور اُسے سڑک کے کنارے لگا کر نیچے اُتر آیا۔ پھر وہ کامران کے قریب آکر اُس سے مخاطب ہوا۔

”میں ہنگلے کے اندر جا رہا ہوں۔ ادھر ادھر کا خاص خیال رکھنا۔ لیکن ایکٹو کا حکم کیا ہے؟“ اس کی آواز میں پریشانی کا عنصر شامل تھا۔

”فکر مت کر د!۔“ عمران ایک آنکھ بند کر کے بولا۔ ”ہم اسی کے حکم کے مطابق کام کر رہے ہیں۔“ پھر وہ کامران کو حیران حیران چھوڑ کر آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس طرف عمران یوتھی نہیں آگیا تھا۔ بلکہ وہ اس ہنگلے کی دوبارہ ناشی لینے آیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کوئی چیز اس کی نگاہوں سے چھپی رہ گئی ہے۔ بلیک زبر و نے اُسے اس ہنگلے میں کسی خفیہ دروازہ کا احساس دلایا تھا۔ کوئی بات ایسی ضرور تھی جو اس کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔ اسی لیے وہ دوبارہ یہاں آیا تھا۔ ہنگلے کے اندر داخل ہوتے ہی اُس نے جیب سے ریڈی میڈ میک آپ نکالا اور

چہرے پر چپکا لیا۔

عمران نے پھر گندے پانی کے پائپ کا سہارا لیا اور اس کے ذریعے اوپر آگیا۔ اور اندر کودنے کے لیے اُس نے وہی کھڑکی استعمال کی اور کمرے میں جا کر خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔ اچھی طرح سُن گن لے کر وہ کمرے سے باہر نکلا اور راہداری میں آگیا۔ اس نے جیب سے چیونٹیم کا پیکٹ نکالا اور ایک چیونٹیم منہ میں ڈال کر چبانے لگا۔ پیکٹ اُس نے دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔ پھر اس کے قدم سیڑھیوں کی طرف اُٹھتے چلے گئے۔

عمران اس قدر احتیاط سے قدم اُٹھا رہا تھا کہ معمولی سی آہٹ بھی نہ پیدا ہو رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ڈائن عمارت میں موجود ہے مگر ہنگلے کی خاموشی کسی کی بھی غیر موجودگی ظاہر کر رہی تھی۔ یہ راز ہی سمجھنے کے لیے عمران دوبارہ یہاں آیا تھا۔ عمران کے پختی منزل کے سب کمرے چھان مارے مگر کچھ بھی حاصل نہ کر سکا۔ یوں لگتا تھا کمروں کو کبھی استعمال ہی نہیں کیا گیا۔ عمران دوبارہ اوپر آگیا اور سٹور روم میں داخل ہوا چلا گیا۔ یہاں بھی کوئی موجود نہ تھا۔ یکایک عمران چونک پڑا۔ فرش پر اس کی نظروں کے سامنے سگار کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا پڑا تھا جسے پاؤں سے پھل دیا گیا تھا۔ عمران نے جھک کر اُسے اُٹھایا۔ وہ ابھی تک گرم تھا۔ یہ محسوس کر کے عمران معنی خیز انداز

میں مسکرایا۔ اب اس کی بے چین نظریں کمرے کی دیواروں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر اُس نے دیواروں کی طرف دیکھنا بند کر دیا۔ اور دروازے کی طرف آگیا۔ وہاں سیڑھیوں پر چڑھ کر یہی باہر جایا جاسکتا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں اور کوئی راستہ نہ تھا۔ عمران کچھ دیر وہاں کھڑا سوچتا رہا۔ پھر وہ کمرے کے درمیان میں آگیا۔ اب اس نے کمرے کی دیواروں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ وہ کسی خفیہ ٹین یا لیور کنٹرول تلاش کر رہا تھا۔ یہ شک اُسے پہلے بھی ہوا تھا اور اب تو یہ شک یقین میں بدل گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کمرے میں کوئی خفیہ دروازہ ضرور موجود ہے۔ مگر عمران ابھی تک اُسے تلاش نہیں کر سکا تھا۔ وہ دیواروں کو اچھی طرح ٹٹول کر دیکھ چکا تھا۔ مگر دیواریں بالکل سپاٹ تھیں صرف سونچ بورڈ پر ہی ایک بٹن نصب اُسے نظر آ رہا تھا۔ اس کے علاوہ اسے کوئی بٹن ابھی تک دکھائی نہ دیا تھا۔ وہ حیران تھا کہ آخر خفیہ راستہ ہے کہاں اور اُسے ظاہر کرنے کے لیے کیا طریقہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس نے غور سے فرش کو دیکھا۔ وہ بھی اُسے بالکل سپاٹ نظر آیا۔ وہاں بھی کسی نہہ خانے کی موجودگی کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔

تلاش میں مایوس ہو گئے کے بعد عمران نے اپنی ریڈی میڈ کھوپڑی کو کھینچنا شروع کر دیا۔ شاید اب وہ یہی کام

آسانی سے کر سکتا تھا۔ وہ مضطرب انداز میں جیونگم کو منہ میں رادھرا دھر کر کے کچل رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اُلجھن کے آثار تھے۔ اور اُن میں ہر آن اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ اور اب وہ تیزی سے سر کو بھی کھانے لگا تھا۔ یکایک وہ مستعد اور ہوشیار ہو گیا اور غور سے کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا۔

دفعاً اس کے سامنے والی دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہو گیا۔ دوسرے لمحے اس دروازے میں ڈاؤن کھڑا تھا۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ عمران اُچھل بھی نہ سکا اور ڈاؤن کو حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔ اتنا وقت ہی نہ تھا کہ عمران کہیں پھنس سکتا۔ ڈاؤن نے بھی حیرت سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھا اور دیکھنا ہی چلا گیا۔ مگر وہ پہچان نہ سکا کہ وہ کون ہے۔

نکل گیا۔ پھر وہ بجلی کی سی تیزی سے کھڑک ہو گیا۔ اس نے زور سے ڈاؤن کی پسلیوں میں اپنے بوٹ کی ٹھوکر لگائی۔ ڈاؤن کے حلق سے ایک زبردست کراہ خارج ہو گئی مگر اس نے عمران کا پاؤں پکڑ لیا۔ اور اُسے بل دے کر زور سے گھمایا اس کے تینچے میں عمران جا کر دیوار سے ٹکرایا۔ اگر وہ اپنے دونوں ہاتھ دیوار کی طرف نہ کر لیتا تو اس کا سر دیوار سے ٹکرا کر پھٹ جاتا۔ عمران ابھی اچھی طرح سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ ڈاؤن نے اس کا سر پیچھے سے پکڑ کر ایک گھونسہ اُس کی پسلیوں میں جما دیا۔ چونکہ عمران ایک جھٹکے سے مڑ چکا تھا اس لیے گھونسہ چھینٹا ہوا پڑا۔ جو عمران کو زیادہ نقصان نہ پہنچا سکا۔ گھونسہ کھاتے ہی عمران کی آنکھوں میں خون لہرانے لگا۔ اور اس کی آنکھوں کی درندگی اور وحشت بڑھتی چلی گئی۔ اب وہ ایک بھیانک درندہ لگ رہا تھا اُس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اُس کے جڑے پیر مارے۔ پھر اس کی ٹھوڑی کو ضرب پہنچائی۔ دوسرے لمحے ڈاؤن اُلٹ کر پیچھے کی جانب جا کر ا۔ پھر عمران نے اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا اس کی پسلیوں پر وحشت کے عالم میں بوٹ سے ٹھوکریں رنے لگا۔ اس نے اس کے منہ پر ٹھوکریں ماریں۔ اس کے نہ اور تانک سے خون جاری ہو گیا۔ پھر اس نے جیب سے بولڈ نکال کر اس کا دسنہ اس کی کینٹی پر زور سے مارا۔ دوسرے

ایک دوسرے کے دشمن آنے سے ملنے پھڑپھڑے تھے

دفعۃً ڈاؤن نے چونک کر عمران پر

چھلانگ لگا دی۔ عمران نے اس سے ڈاج کر ناچا مگر ڈاؤن ایک اڑتے ہوئے پرندے کی طرح اس پر آگرا اور اُسے ساتھ لیتا چلا گیا۔ عمران نے فرش پر گرتے ہوئے دیکھ لیا تھا کہ دیوار پھر اپنی جگہ پر موجود تھی۔ اب وہاں کسی خفیہ دروازے کے آثار نہ تھے۔ عمران کو یہ سٹم بے حد پسند آیا۔

لیکن دوسرے لمحے عمران نے فرش پر گرتے ہی دوسری طرف قلابازی لگا دی اور ٹھیلی کی طرح تڑپ کر ڈاؤن کی گرفت سے

لھے ڈاؤن بے ہوش ہو گیا۔ اس نے فرش پر پڑے ڈاؤن کے جسم کو فہر آلود نگاہوں سے گھورا۔ پھر اس نے رسی تلاش کر کے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔ اور اُسے اٹھا کر کندھے پر ڈال لیا۔ پھر اس کے قدم باہر کی طرف اٹھتے چلے گئے۔ زبیر سے چڑھ کر وہ اوپر پہنچا اور پھر دوسرے زینے کے ذریعے گراؤنا فلور پر آ گیا۔ پھر وہ تیز تیز چلتا کیاؤنڈ میں پہنچا۔ قرمزی رنگ کی کار پورچ میں کھڑی تھی۔ عمران نے نظریں گھا کر ادھر ادھر کا جائزہ لیا مگر وہاں کوئی شخص موجود نہ تھا۔

عمران کے پاؤں حرکت میں آئے اور وہ کار تک آ گیا۔ پھر اس نے ڈاؤن کے بے ہوش جسم کو پھلی سیٹ کے آگے جگہ کے بیچ لٹا دیا۔ اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ چابیاں اسے اگنیشن میں موجود نہ تھیں۔ اس نے دوبارہ ڈاؤن کی تلاش لی اور چابیاں برآمد کر کے اگنیشن میں چابی لگائی۔ دوسرے لمحے انجن اسٹارٹ تھا۔ پھر قرمزی مزدا بنگلے سے باہر نکلتی چلی گئی۔ کنکھوں سے اُس نے کامران کی طرف دیکھا۔ کامران ادھر دیکھ کر حیرت سے اُچھل پڑا۔ پھر اس نے اپنی کار اسٹارٹ کی اور قرمزی کار کے پیچھے لگ گیا۔ اس طرح وہ آگے پیچھے بھاگتے ہوئے دانش منزل کی طرف آ گئے۔ عمران اپنی کار کو دانش منزل کے گیٹ کی طرف بڑھانا چلا گیا۔ کامران نے دانش منزل کے

کے قریب ہی اپنی کار روک دی تھی۔ گیٹ پر جوزف کھڑا تھا۔ عمران کو دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ عمران نے کار کا انجن بند کر دیا اور پیچھے اُنتر کر جوزف کی طرف بڑھنے ہوئے نعرہ لگایا۔

”اے شب تار کی اولاد! — ادھر آ اور اپنے ہونیوالے سسر کو اٹھا کر اندر لے جا۔ یہ ہمارا مہمان ہے۔ اس کی خوب آؤ بھگت کی جائے گی۔“ Shabbir 8.A
عمران چونکہ میک آپ میں تھا اسی لیے جوزف جو نکلتا تھا اب جبکہ عمران کی آواز اس نے پہچان لی تو بولا۔

”بب — باس! —“ یہ کہہ کر جوزف تیزی سے کار کی طرف لپکا اور ایک جھٹکے سے دروازہ کھول لیا۔ پھر اس نے ڈاؤن کے بے ہوش جسم کو کندھے پر لٹال لیا اور عمران کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

”طاہر اندر ہیں؟“ عمران نے جوزف سے دریافت کیا۔

”جی ہاں! اندر ہیں — اور ابھی ابھی آئے ہیں۔“ جوزف نے کہا۔

”تم اپنے بے ہوش سسر کو جاکر لاک آپ میں بند کر دو۔“ جوزف کو ہدایت دینے کے بعد عمران راہداری کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک دروازے پر مخصوص

دشک دے رہا تھا۔ دشک کی آواز سن کر بلیک زیرو نے دروازہ کھولا۔ اس نے عمران کو اجنبی سے نگاہوں سے دیکھا پھر اس نے جلد ہی سب کچھ سمجھ لیا اور مسکرا کر دروازے سے ایک طرف ہٹ گیا اور پھر دریافت کیا۔
”تو یہ جناب تھے! —“

”کون جناب تھے؟ —“ عمران نے اندر داخل ہو کر حماقت بھری آواز میں پوچھا۔ ”ان جناب کا حدودِ اربعہ کیا تھا۔ بلیک زیرو نے آپریشن روم کا دروازہ بند کر دیا اور کہا۔
”ابھی ابھی کامران نے رپورٹ دی ہے کہ ایک قمری کار جس کا تعاقب کرنے کے لیے اُسے مقرر کیا گیا تھا، دانش منزل میں داخل ہوئی ہے۔ اس نے آپ کا حلیہ بھی بتایا ہے۔ اس کے بعد اسکریں پر میں نے جہزف کے ساتھ جناب کو اندر دیکھا تو سب کچھ سمجھ گیا۔ وہ بے ہوش آدمی کون ہے جناب“
”ڈاین! —“ عمران نے بلیک زیرو کی آنکھوں میں احمقانہ انداز میں جھانکا اور حبیب سے چیونگم کا پیکٹ نکال لیا۔
بلیک زیرو بڑے زور سے چونکا۔

”ہیبوی ڈاین ہے۔“ بلیک زیرو کی آواز میں حیرت تھی۔ ”یہ آپ کے ہاتھ کس طرح لگ گیا؟ —“
عمران نے احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

”جیسے پھول توڑتے وقت ہاتھ میں کاٹنا لگ جاتا ہے۔ اسی طرح ڈاین لگ گیا۔“
”تفصیل سے سنائیے۔ ڈاین کی نگرانی تو کامران کر رہا تھا۔“
بلیک زیرو مسکرا کر بولا۔

عمران نے ایک طویل سانس منہ سے خارج کی۔ پھر اُس نے مام فیضہ سنا دیا۔ بلیک زیرو نے کمرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی اور عمران کے چہرے کو استغیاہمید نظروں سے ٹٹولنے لگا۔
عمران کے چہرے پر قواب حماقت کے ڈونگمے برس رہے تھے اور وہ لالعلق سا بیٹھا چیونگم چبا رہا تھا۔ پھر وہ ایک دم اُٹھ رہکڑا ہو گیا۔

”آؤ طاہر! — اب ذرا ڈاین سے ددو ہاتھ کر لیں۔“
ہر کہ عمران نے قدم آگے بڑھا دیئے۔ بلیک زیرو اس کے پیچھے بڑھتا چلا گیا۔ بلیک زیرو کے چہرے پر اُلجھن کے آثار تھے لہذا اس نے عمران سے اور کچھ نہ پوچھا۔ وہ خاموش ہی رہا۔
جہزف لاک آپ کے دروازے پر کھڑا تھا۔ بلیک زیرو نے لاک آپ کے دروازے پر لگا ایک بٹن دبایا۔ دوسرے نے دروازہ کھلتا چلا گیا۔ پھر وہ جہزف سمیت اندر آگئے۔ دروازہ بند ہو گیا۔ لاک آپ ساؤنڈ پروف تھا۔ یہاں کا منظر آپریشن روم کی اسکرینوں پر دیکھا جاسکتا تھا۔ بلکہ دانش منزل کی ہر جگہ کا

نظارہ ان اسکرنیوں پر کیا جاسکتا تھا۔
ڈاین کو جوزف نے ایک صوفے پر لٹا دیا تھا۔ اور وہ

ابھی تک بے ہوشی کے عالم میں تھا۔ عمران نے جوزف کو اشارہ کیا۔ اس نے پانی کا جگ اٹھا لیا۔ پھر باقی کے چھینٹوں سے جوزف ڈاین کو ہوش میں لانے لگا۔ کچھ دیر کے بعد ہی ڈاین نے آنکھیں کھول دیں۔ اور وہ خالی خالی نظروں سے چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر گہرا کر ایک دم اٹھ بیٹھا۔
عمران پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں سے کینہ اور نفرت

جھانکنے لگی۔ وہ غرتا ہوا۔
”کون ہو تم؟“ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟
عمران چونکہ میک آپ میں تھا اس لیے ڈاین اُسے پہچان نہ رہا تھا۔
”میں تو کچھ بھی نہیں ہوں!“ عمران نے جوزف کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”مگر ہماری یہ کالی چٹان آدم خور ہے۔ یہ انسانوں کا مڑبہ بنا کر کھاتا ہے۔“
”نہیں بھی مڑبے میں تبدیل کرنے کے لیے یہاں لایا گیا ہے۔ اپنی یہاں آمد کے بارے میں سمجھ گئے ناب“
”بک بک بند کرو۔“ ڈاین غرامیٹ آمیز لہجے میں چیخا۔
اور اٹھ کر عمران کی طرف چھپٹا۔ اسی لمحے جوزف نے بیک کر اس کے پیٹ میں ایک لیفٹ ہک جھونک دیا اور ڈاین پھر صوفے

پڑا۔ مگر دوسرے ہی لمحے وہ تیزی سے اٹھ کر جوزف کی آغوش میں چلا۔
جوزف نے چشم زدن میں اس کی پسلیوں میں دو چار گھونٹے کر دیئے۔ وہ پھر صوفے پر آگرا۔ پھر اس نے جوزف کی آغوش میں چھلنے کی ہمت نہ کی۔ بس اُسے خوشخوار نگاہوں سے رونا چلا گیا۔ جوزف کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے محروم تھا۔ نئی آدمی کے چہرے کی طرح سپاٹ تھا۔ مگر وہ چاق و چوبند مستعد کھڑا تھا۔

”کیسے؟“ اس کے گھونٹوں کا بڑا نہ منانا۔ یہ بہت حوصلہ جیشتی ہے۔ انجام کی پرواہ کیے بغیر سب کچھ توڑ پھوڑ مٹا ہے۔“ عمران نے اخلاق آمیز لہجے میں کہا۔
”تم خود بھی نامفصل ہو!“ وہ عمران کی طرف دیکھ نفرت سے بولا۔
”مستر ڈاین!“ عمران اب سجدہ سنجیدہ تھا اور اس کا آواز موت کی طرح سرد تھی۔ اب سب کچھ بک دو۔ یہ اب جان گیا ہوں کہ تم برانس کی سیکرٹ سروس سے تعلق رکھتے ہو۔ تم تھیوری اور میڈلین اڑاٹے کی فکر میں ہو۔ بناؤ تمہارے سرے ساتھی کہاں ہیں اور پیگم ڈاکٹر زیدی کو کہاں رکھا گیا ہے؟“ یہ سنی کر ڈاین زور سے چونکا۔ اس لمحے عمران

ہی باس بن جائے گا اور تمہاری حیثیت معمولی رہ جائے گی۔ نیا
ن آپریشن کو کلین آپ کرنے میں بڑی تنگ و دو سے کام لے
رہے۔ تم سب کچھ بک دو۔ تمہاری زندگی کی ضمانت دے
جائے گی۔“

”مجھے اپنی زندگی کی پرواہ نہیں ہے۔ میں اب زندہ رہنا
نہیں چاہتا۔ میں ایک معمولی آدمی بن کر برائے واپس نہیں
سکتا۔ تم مجھ سے کچھ نہ اگلا سکو گے عمران!“

”مجھرم دوسرے راستے سے کام لیں گے۔“ موت
طرح سرد لہجے میں عمران غرایا۔

”جو جی چاہے راستہ اختیار کرو۔ اب میں کسی بھی راستے پر
رہ نہیں رہ سکتا۔“ اس نے ایک جھٹکے سے اپنی آستین
بیڑی۔ اس سے پیشتر کہ وہ کچھ سمجھتے۔ اس نے آستین
سے ایک کیسپول نکال کر منہ میں ڈال لیا۔ عمران ایک دم
کی طرف اچھلا نکمہ اُسے اب دیر ہو چکی تھی۔ پھر ڈاؤن کا
نناک قہقہہ لاک اپ میں گونجا۔ سافٹ پروف کرہ ہونے
وجہ سے اس کا قہقہہ زیادہ ہی خوفناک لگا۔

”تم تو کیا چیز ہو عمران! آج تک مجھے کوئی بھی تسخیر نہیں
سکا۔“ وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ تم ہماری اصل
نش گاہ کے متعلق کچھ نہ جان سکو گے اور نہ ہمیں بیگم زیدی

نے ریڈی میڈ بیک آپ چہرے سے اتار کر جیب میں ڈال
وہ عمران کو سامنے دیکھ کر اس طرح اچھلا جیسے صوفے میں
اُبھر آئے ہوں۔ ”تم!۔۔۔“ وہ حیرت سے بولا۔ ا
دوسرے لمحے اس کی آنکھوں سے خوف و دہشت جھانکنے لگو
”زیادہ مت اچھلو ڈاؤن! صوفے کے اسپرنگ خراب
جائیں گے۔“ عمران منہ بنا کر بولا۔ ”آرام۔۔۔
بیٹھے رہو۔“

دقتاً اس کی آنکھوں سے خوف و دہشت غائب ہو گئی
اب اس کی جگہ خونخواری نے لے لی اور وہ خونخوار نظروں سے
عمران کو گھورنے لگا۔ عمران نے ڈاؤن کو رنگ بدلتے دیکھ
نٹھا۔ وہ کڑکدار آواز میں گر جا۔

”مسٹر ڈاؤن! جلدی سے سب کچھ بک دو۔ ورنہ میں تمہارے
اس حیثی کے حوالے کر دوں گا۔ یہ بہت راسخ ہے۔ تمہارے
مرتبہ بنا کر کھا جائے گا۔“

”میری زبان نہیں کھل سکتی عمران!“
”برائے کے ہیڈ کوارٹر نے تمہارے ساتھ ظلم کیا ہے مرٹ
ڈاؤن!“ عمران نے ذرا نرم لہجہ اختیار کیا۔ ”میں سب کچھ
معلوم کر چکا ہوں۔ تمہاری جگہ نیا باس بنا دیا گیا ہے۔ اگر وہ
اس ٹاپ سیکرٹ مشن میں کامیاب ہو گیا تو ہمیشہ کے لیے

کا کچھ پہننے ملے گا۔ ہمارا تیا باس جیمز تھیوری اور میڈلین سے
برانس پہنچ جائے گا اور تمہاری سیکرٹ سروس ٹاپتی رہ جا
گی۔ برانس کی سیکرٹ سروس کا مقابلہ تم صدیوں تک نہیں کر
تم بہت پیچھے ہو عمران! — اُس نے زور سے
لگایا۔ پھر اُس کا فہم آہستہ آہستہ دھیم پڑتا چلا گیا۔ وہ سا
زہر کا کیپسول چبا چکا تھا۔ دوسرے لمحے اُس نے خون کی
کی اور اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ڈاین
گردن ایک طرف ڈھلک گئی تھی۔

عمران کی نگاہیں بلیک زیرو کے چہرے پر جم گئیں۔ وہ ڈا
کو دیکھ رہا تھا۔ ایک بوجھل سکوت لاک اپ میں چھا گیا تھا۔
جوزف ساٹ چہرہ لیے بے وقوفانہ انداز میں مردہ ڈاین کا
دیکھ رہا تھا۔ وہ جبران تھا کہ اس نے اتنے زور سے گھو
تو نہ مارے تھے کہ قیدی مرجانا۔ وہ حیرت سے اپنے ماتہ
کو دیکھنے لگتا تھا۔

جوزف کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اس کے گھونٹوں سے
قیدی کس طرح جاں بحق ہو گیا؟ —

ایکایک عمران نے بلیک زیرو کے کندھے پر ہاتھ رکھ
پھر جوزف کی طرف دیکھ کر بولا۔

”جوزف! — اسے اس کی اصل جگہ پر پہنچا دو۔

میرا مطلب ہے۔ اس لاش کو ٹھکانے لگا دو۔“
یہ کہہ کر عمران لاک اپ سے باہر نکل گیا۔ اس وقت
عمران کے چہرے پر عجیب و غریب تاثرات تھے۔ جن
کا مطلب سمجھنے سے وہ قاصر تھا۔
پھر جوزف کے قدم لاش کی طرف اٹھتے چلے گئے۔

بھیلا ہوا تھا۔ جیمز کی بھاری آواز نے اُس سکوت کو توڑا۔
 ”کیا ڈائین ابھی تک نہیں آیا۔“
 ”نہیں سر! ایک آدمی نے جواب دیا۔“

”اُسے اب تک آجانا چاہیے تھا۔“ جیمز نے بے چینی سے
 لیسٹ وائچ کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر اُس نے فائنڈانہ انداز میں
 اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور مسرت بھری آوازیں کہا۔
 ”رشید آباد کی پوری چھاؤنی قیامت کی لپیٹ میں ہے۔“
 ”گٹ۔“ دوسرے آدمی نے کہا۔ ”تو آپ نے اسلحہ سٹور
 کے چیف آفیسر کو خرید لیا تھا۔“

”ہاں!۔ ایک لاکھ پاؤنڈز اس کے لئے کافی ثابت ہوئے
 رگرماتے ہمارا دیا ہوا ٹائم بم وہاں رکھ دیا تھا۔ وہ خودی
 پ ہو گیا تھا۔ اب وہاں دھماکے ہو رہے ہیں۔ مجھے
 ن ہے رشید آباد کی تمام آبادی اب تک کھنڈر بن گئی۔
 لم آباد اور۔۔۔ شہر پر ملٹی بیرل راکٹ گر رہے ہیں۔
 اٹل اسلحہ سٹور سے اڑ کر تباہی مچا رہے ہیں۔ اور پلاٹک
 ں نے قیامت برپا کر رکھی ہے۔ ٹریفک جام ہو گئی ہے
 س گھر چھوڑ کر جنگلوں کی طرف بھاگ رہے ہیں اور رقمہ اجل
 رہے ہیں۔ بیس کلومیٹر کا رقبہ بموں میزائلوں اور ملٹی بیرل
 ڈل نے کور کر رکھا ہے۔ بے شمار ترک تباہ ہو گئے ہیں

چار افراد کمرے میں کرسیوں پر بیٹھے بار بار مضطربانہ انداز میں
 کے عالم میں کسی کے منتظر تھے۔ ان کے سامنے میز پر ایک بڑا ٹرانسپیر
 پڑا تھا۔۔۔ کمرے میں دھیمی روشنی ہو رہی تھی۔ اچانک
 دروازہ کھلا اور اُس میں جیمز نمودار ہوا۔ اس نے گہرے شیشوں
 کا چشمہ آنکھوں پر چڑھا رکھا تھا اور ہیٹ کو ماتھے پر جھکا رکھا
 تھا۔ اس طرح اس کے چہرے کے نقوش کسی حد تک پھپک گئے
 تھے۔

وہ سب اُسے دیکھ کر مودبانہ انداز میں اٹھ کر کھڑے ہو گئے
 جیمز کے بیٹھنے کے بعد وہ خود بھی بیٹھ گئے۔ کمرے میں سکوت

ارہوں روپے کا اسلحہ اب تک چل چکا ہے۔ اور بموں کو ناکارہ کر کے لئے ایگریمر کی امدادی ٹیم وہاں پہنچ گئی ہے۔ رشید آباد کی آبادی ڈھیر کی شکل میں پڑی ہے۔ یوں لگ رہا ہے کہ جیسے کسی غیبی طاقت نے پوری آبادی کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا ہے۔ مکانات اور ہنگے ریزہ ریزہ ہو چکے ہیں۔ گرد و لواج کی ابادیاں بھی کھنڈرات میں تبدیل ہو رہی ہیں۔

”تب تو آپ بیمہ خوفناک منظر دیکھ کر آئے۔“

تیسرے آدمی نے کہا۔

”امید نہیں تھی اتنا زبردست دھماکہ ہوگا۔ اتنے بڑے نقصان کی تو ذرا بھی توقع نہ تھی بری۔ اور ہوائی اور بحری فوج کے افسران وہاں پہنچ گئے ہیں۔ اور اس زبردست حادثے پر قابو پانے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ امدادی کیمپ قائم کئے گئے ہیں۔ ہر طرف دہشت اور خوف و ہراس پھیلا ہوا۔ سڑکیں بازار اور گلیاں سنسان ہو گئی ہیں۔ صرف چیخوں، آہوں اور کراہوں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ معصوم بچے خوف و ہراس سے تھر تھرا کر دم توڑ رہے ہیں۔ اور بموں کی زد میں آکر جاں بحق ہو رہے ہیں۔ یہ سب کچھ میں نے اس لئے کیا ہے۔ کہ ڈاکٹر افتخار زیدی اس انفرافری کے عالم میں لیبارٹری سے نکل کر ہمارے پاس پہنچ جائے۔ اور ملٹری

اس حادثے کی طرف متوجہ ہے اس روک نہ سکے۔“

”آپ نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اب پورا پاکستان اس طرف متوجہ ہو گا اور ہم اپنا ٹاپ سیکرٹ مشن۔ کلین اپ کر کے یہاں سے کھسک جائیں گے۔ پہلے شخص نے کہا۔ جیمز باکسٹری سب کو دیکھا۔ پھر کہا۔

”سیکرٹ سروس اس طرف متوجہ نہ ہو گئی۔ اس کی نظر ہم پر ہو گئی۔ یہ آپریشن اتنی جلدی سے کلین اپ نہ ہو گا جتنا کہ تم سمجھتے گے ہو۔ کہ اب ڈاکٹر افتخار زیدی با آسانی ہمارے پاس پہنچ جائے گا۔ رابرٹ ڈاکٹر افتخار زیدی کی نگرانی کر رہا ہے۔ شارٹن اور دوسرا شخص اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں۔ دوسرے شخص سے کہا گیا تھا کہ وہ ایک نظریہ پر ڈالے اور دیکھ لے۔ رابرٹ مستعدی سے نگرانی کر رہا ہے یا نہیں۔ وہ کیٹل فش لے کر ادھر چلا گیا۔ فٹش میں ہیرے موجود تھے اسے ہیرے سمندر کے قریب چھبڑوں کی بستی سے ذرا پرے ایک آدمی کو پہنچانے تھے۔ مگر اس نے غلطی کی تھی کہ جو پہلے لیبارٹری کی طرف چلا گیا۔ وہاں سے پاکستان کی سیکرٹ سروس کا ممبر صفدر اس کے پیچھے لگ گیا۔ اور اس نے اسے ختم کر کے ہیرے حاصل کر لئے اس طرح صدر کے حکم پر فوری طور پر اسمگلنگ کے اڈوں کو تلاش کیا گیا۔ اور اس کو تباہ کر دیا گیا۔ چلو اس سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم خود بھی اب منشیات اور ہروین کی اسمگلنگ کے اڈوں

دیر کے بعد یہاں پہنچ جائے گا اور تھوڑی دیر کے بعد میرے حوالے کر دے گا۔
 ”کہیں ڈاکٹر افتخار کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہ کرے سہرا۔“
 ڈائین نے کہا۔

”رابرٹ اس کی نگرانی کر رہا ہے۔“ منٹری اس کی طرف توجہ
 نہ دے گی۔ کیونکہ اتنا زبردست ہوا ہے کہ وہ سب ادھر متوجہ ہوں
 گے۔ اگر اُس نے کوئی چالاکی کرنے کی کوشش کی تو رابرٹ ہمیں اطلاع
 کر دے گا۔ اور پھر ہم بند یں گے۔“

”ہوں!۔“ ڈائین نے سر ہلایا۔ ”ہو سکتا ہے سہرا۔“
 ڈاکٹر زیدی تھوڑی دیر سے پہلے اپنی بیوی کو دیکھنا چاہے۔
 ”اس کے چاہنے سے کچھ نہ ہوگا۔ تھوڑی اس کی جیب معیار ہوگی
 اور ہم اُسے ہتھیلیں گے۔“ ڈائین نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور گہری
 خاموشی چھا گئی۔ یکایک سامنے بڑے بڑے ڈاکٹر سمیٹر پر نصب
 ٹرخ بلب جلنے بجھنے لگا۔ جیمز نے جلدی سے اس کے چہرے پر پس
 کٹے۔ ڈاکٹر سمیٹر سے ایک مردانہ آواز ابھری۔
 ”رابرٹ کا رنگ یو باس!۔ اور!۔“

”باس جیمز اٹینڈنگ اوور۔“

”باس! ڈاکٹر افتخار زیدی لیبارٹری سے باہر آچکا ہے۔ دور
 ورتک اُس کے پیچھے کسی مشتبہ آدمی کا نام و نشان نہیں ہے۔
 ب نے کچھ دیر پہلے ڈاکٹر کی کار کو چیک کر لیا تھا۔ مگر ہم نے اُسے

کو ختم کرنے ہی والے تھے۔ اب ہم جلد ہی تھوڑی دیر کے بعد یہاں سے
 روانہ جائیں گے۔ پھر پائیشیا کی سیکرٹ سروس ثابت رہ جائے
 گی۔“ ابھی جیمز خاموش ہی ہوا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور ڈائین اندر
 بڑھتا چلا آیا۔ وہ ذرا دیر کے لئے رکا پھر لپک کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا
 ”کون ثابت رہ جائے گی!“ ڈائین نے جیمز کی طرف دیکھ کر کہا
 مگر اس نے اس کی بات ان سنی کر دی اور غرا کر کہا۔

”اتنی دیر!۔“

”تعاقب کرنے والے دو آدمیوں کو ڈاج دینے کے بعد یہاں
 پہنچا ہوں۔“ ڈائین نے منہ بنا کر ناگوارانہ انداز میں کہا۔
 ”ہوں۔“ جیمز ذرا سا چونکا۔ پھر سیدھا ہو کر تن گیا۔
 ”کیا سچ کہہ رہے ہو؟“

”وہ شادرا موڑ سے میرے پیچھے لگ گئے تھے۔ بڑی مشکل سے
 انہیں جھٹکا ہے۔“ ڈائین نے کہا۔ جیمز نے کرسی کی پشت سے
 ٹیک لگا لی۔ اور کہا۔

”باہر کیا صورت حال ہے!“

”ہم چل رہے ہیں۔ قیامت کی تباہی مچی ہوئی ہے۔ تو آپ
 یہ دھماکہ کرانے میں کامیاب ہو گئے!“ جیمز آگے کی طرف جھکا اور
 غریب لہجے میں بولا۔

”میں سمجھی ناکام نہیں ہوا مسٹر ڈائین نے ڈاکٹر افتخار زیدی تھوڑی

کار استعمال کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اب ڈاکٹر زیدی ٹیکسی کی تلاش میں سڑک پر نظریں دوڑا رہا ہے۔ اسے ٹیکسی مل گئی ہے۔ وہ اس میں بیٹھ گیا۔
 ”لائن کلیر ہے۔“
 ”یس سر! — اور —“ یوں لگتا ہے ڈاکٹر زیدی بیدخود رہے۔

”اس کا ہر طرح سے دھیان رکھنا!“ جیمز نے ہدایت کی۔
 ”آپ پرواہ نہ کریں سر!“
 ”ٹرانسمیٹر چالو رکھو اور مجھے اپنی کارروائی بتاتے رہو۔“
 ”اوکے سر!“ رابرٹ نے کہا۔
 جیمز تیزی سے ڈان کی طرف گھوما اور اسے حکم دیا۔
 ”مسٹر ڈائن اپنے آدمیوں کو بنگلے میں ادھر ادھر پھلا دو۔ اب

تمہاری کارروائی شروع ہوتی ہے۔“
 ”اوکے باس!“ ڈائن نے مؤدبانہ کہا۔ اور کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے سامنے چاروں آدمی بھی اٹھ کھڑے ہوئے، اور ڈائن کے پیچھے پیچھے جانے لگے۔ جیمز پھر ٹرانسمیٹر کی طرف دیکھنے لگا وہ ایک گیلری میں آگے۔ ڈائن نے چاروں آدمیوں کو ایک نظر دیکھا۔ پھر ایک پراسرار مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ اور پھر اس نے بوجھل آواز میں کہا۔

”تم سب دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔“
 انہوں نے حیرت سے ڈائن کی طرف دیکھا۔ مگر کچھ نہ سمجھ کر انہوں نے دیوار کی طرف منہ کر لیا۔ ڈائن کے ہونٹوں کی مسکراہٹ مزید بڑھتی ہوئی۔ اس نے جلدی سے جیب سے دیوار نکالا۔ دوسرے لمحے تیزی سے ڈائن نے دیوار کے دستے سے ان کی کنپٹیوں پر ضربیں لگائیں۔ ان کے حلق سے کسی طرح کی آواز نہ نکلی اور وہ خاموشی سے وہیں ڈھیر ہو گئے۔

ڈائن نے پھپٹ کر سامنے والا دروازہ کھولا۔ اور انہیں صیبت گھسیٹ کر اندر ڈال دیا۔ پھر اس نے اپنی جیب میں سے ایک ریستی ڈوری نکالی اور اس سے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ لیئے۔ درجیوں میں سے رومال نکال کر ان کے منہ میں ٹھونس دیئے۔ ہر وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ وہ سیڑھیوں کے ریلے ایک اسٹور روم میں پہنچا۔ وہاں اس نے کوئی خفیہ دروازہ تلاش کرنے کی کوشش کی مگر اسے کوئی خفیہ دروازہ نہ ملا۔ اس نے دیواروں اور فرش کی اچھی طرح دیکھ بھال کر لی تھی۔ مگر اسے کسی خفیہ دروازہ یا نشان نہ ملا تھا۔ پھر اس نے باہر آکر جیب سے ایک نشی نکالی اس میں کوئی سیال بھرا ہوا تھا۔ اس نے نشی سے ذرا سا مادہ چوٹھٹ پر گرا دیا۔ اس سے فضا میں ایک سیب سی بوجھل گئی۔ اس نے نشی بند کر کے دوبارہ جیب میں

رکھ لی — اور سیرٹھیاں چڑھ کر اوپر آگیا — اب وہ دوسری منزل پر گھوم رہا تھا — پھر وہ ایک کمرے میں داخل ہو گیا — وہ کمرہ خالی تھا۔

دروازے کے سامنے ایک کھڑکی تھی — اس نے لپک کر اس کے پٹ کھول دیے — یہاں سے وہ سلمے سڑک کا منظر دیکھ رہا تھا سڑک پر معمولی ٹریفک تھی — سڑک کے دوسری طرف کافی فاصلے پر کوئی بنگلہ زیر تعمیر تھا — وہاں سے نظریں ہٹا کر اس نے دوسری طرف دیکھا — دفعتاً اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں وہاں ایک ٹیکسی رُک رہی تھی — اس میں سے ایک آدمی باہر نکلا — جب ٹیکسی چلی گئی — تو اس آدمی کے قدم بنگلے کی طرف اٹھتے چلے گئے پھر ڈرائیونے بے چینی سے درختوں کی طرف دیکھا وہاں اسے کچھ سائے حرکت کرتے نظر آئے — اس سے اس کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا — شام کا اندھیرا گہرا ہو رہا تھا — اب وہ آدمی گھٹ میں داخل ہو کر اندر آ رہا تھا — اس نے غور سے دیکھا — وہ ڈاکٹر افتخار زیدی تھا — وہ اسے کچھ بیمار سا دکھائی دیا — پھر ڈرائیونے کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیل کر گہری ہوتی چلی گئی۔

کی محبت نے ڈاکٹر زیدی کو اس قدر مجبور کر دیا تھا کہ وہ قوم کی امانت تھیوری دشمنوں کے حوالے کرتے آمادہ ہو کر یہاں آگیا تھا — اس کا ضمیر اسے طاعت کر رہا تھا — مگر محبت مزید اسے کشاں کشاں امداد کی طرف لے جا رہا تھا — ڈاکٹر کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ اسے دروازہ کھلا ہوا ملے گا — بس وہ اندر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

یہاں ایک اسے تیزی سے احساس ہوا کہ وہ بیوی کی محبت میں پھنس کر قوم سے، ملک سے، غداری کرنے کا مرتکب ہو رہا ہے اس نے اپنے قدم وہیں روک لئے — اس فوری جذبے کے

”دروازہ کھول کر اندر داخل ہو جاؤ ڈاکٹر۔“ اس شخص نے ہدایت دی۔ وہ دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ دوسرے لمحے چونک کر وہ مڑا۔ کیونکہ کمرہ بالکل خالی تھا۔ سامنے ریلوے بردار کھڑا تھا۔ ڈاکٹر نے مضطرب انداز میں اُسے دیکھا۔

”اے میری بیوی کہاں ہے؟“ اس کی آواز میں بے تابی تھی۔

”صبر سے کام لو ڈاکٹر۔“ اور سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ جاؤ۔ ”ریلوے والے نے کہا اُس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

”میری بیوی کہاں ہے؟“ ڈاکٹر نے اُسے گھور کر کہا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ بیٹھ جاؤ ڈاکٹر۔ ”بیگم زیدی بھی آجائیں گی۔“ اُس نے قدرے مہذب آواز میں کہا۔ اب اس کے ہونٹوں پر لہراتی ہوئی مسکراہٹ نے سفاکانہ اور سنگدلانہ انداز اختیار کر لیا تھا۔

”دفعاً کمرے کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر اندر آتا چلا گیا۔“

ڈاکٹر نے گھبرا کر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور اس کی طرف خوف بھری نظروں سے دیکھا۔ ڈاکٹر کو آگے بڑھتے دیکھ کر ڈاکٹر کا چہرہ زرد ہونے لگا تھا۔ پھر وہ دہشت بھری آواز میں زور سے چیخا۔

”میری بیگم کہاں ہے؟“

تحت وہ ابھی مڑنے کو ہی تھا۔ کہ اُسے ایک سخت آواز سنائی دی۔

”اب یہاں آ کر تم واپس نہیں جاسکتے ڈاکٹر۔“ گے بڑھتے چلے جاؤ۔“

اس آواز کو سن کر ڈاکٹر زبیدی اچھلا۔ اور پھر ایک گہرا سانس لے کر تنکے تنکے سے قدم اٹھاتا آگے بڑھتا چلا گیا۔ اُس نے دیکھا کہ دروازے پر مضبوطی سے ریلوے والے ہاتھ میں پکڑے ایک آدمی کھڑا ہے۔ اُس کے ماتھے پر چوڑے تھکے والا ہٹ بھکا ہوا تھا۔ اور آنکھوں پر گہرے شیشوں والا چشمہ چڑھا تھا۔

”کون ہو تم؟“ ڈاکٹر زبیدی نے اس سے سخت لہجے میں پوچھا۔

”جس سے تم ملاقات کرنے آئے ہو ڈاکٹر زبیدی۔“ اس نے غرا کر کہا۔ ”آگے بڑھتے جاؤ بیگم زیدی تمہاری منتظر ہیں۔“

”میری بیگم۔“ ڈاکٹر زبیدی نے بے تابی کے عالم میں کہا۔ کہ کہاں ہے میری بیگم۔“

”ہم گے چلے جاؤ۔“ ریلوے والے نے گہری آواز میں کہا۔ ڈاکٹر کے ضمیر نے پھر غلش زنی شروع کی مگر دوسرے لمحے بیگم کا حسین چہرہ اُس کی نظروں کے سامنے لہر گیا۔ اور وہ جیسے ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا اس کے سامنے ایک دروازہ آگیا۔ اس کے پیچھے ریلوے بردار شخص تھا۔

”تمہاری بیگم خیریت سے ہے۔“ جیمز نے تاثر سے خالی آواز میں کہا۔ ”یہ بتاؤ ڈاکٹر! تم تھپوری لے آئے ہو۔“

”تھپوری میں لے آیا ہوں۔ مگر پریشانی کی وجہ سے میں ابھی تک میڈلسن تیار نہیں کر سکا۔ میری بیگم کو خیریت کے ساتھ واپس کرو گے تب ہی میں تمہیں تھپوری دوں گا۔“ ڈاکٹر زیدی نے بے چینی سے کہا۔ اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ اور ہاتھوں میں بھی لرزش تھی۔ ایک ہاتھ سے اس نے جیب کو پکڑ لیا تھا۔

”تمہاری بیگم خیریت کے ساتھ ہے! مجھ پر یقین کرو۔“

”میں اسے ابھی دیکھوں گا۔“ ڈاکٹر زیدی نے بے بسی سے کہا وہ ایک بھٹکنے ہوئے شکاری کی طرح نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے دہشت بھرا اضطراب مترشح تھا۔ اسی لمحے ریو اور ہاتھ میں تھامے رابرٹ اندر داخل ہوا اور ان کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ریو اور کا رخ ڈاکٹر زیدی کی طرف کر رکھا تھا۔ ڈاکٹر زیدی اور زیادہ گھبرا گیا۔ اس کا رنگ بالکل زرد پڑ گیا۔ یکایک جیمز رابرٹ کی طرف دیکھ کر سرد ہلچے میں بولا۔

”رابرٹ! ڈاکٹر کو ذرا ہاتھ دکھاؤ۔“

رابرٹ نے یہ حکم سن کر ریو اور جیب میں رکھ لیا اور ڈاکٹر کی طرف بڑھا۔ اسی لمحے ڈاکٹر زیدی نے نیلے فولاد والا ایک جدید ریو اور جیب سے نکال لیا۔ اور بولا۔

”خبردار! آگے مت بڑھنا۔! میں جانتا تھا تم لوگ میرے ساتھ دھوکہ کرو گے۔ میں نے اسی لئے جیب میں پستول ڈال لیا تھا۔“ ڈاکٹر کا ہلچہ کانپتا ہوا تھا۔

ڈائن نے چونک کر ڈاکٹر زیدی کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر زیدی کا ریو اور والا ہاتھ تھر تھرا رہا تھا۔ مگر ریو اور کو دیکھ کر رابرٹ رک گیا تھا۔ اس نے جیمز کی طرف دیکھا۔ جیمز خود بھی حیران کھڑا تھا۔ غائب! وہ یہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ ڈاکٹر زیدی پستول نکال سکتا ہے۔

”تم غلط سمجھ رہے ہو ڈاکٹر زیدی!۔“ جیمز نے اپنے لمبے کو پر سکون بنانے کی کوشش کی۔ ہم تمہیں دھوکہ نہیں دے رہے۔ تھپوری ہمارے حوالے کر دو۔ اور ہم تمہاری بیگم کو واپس کر دیں گے۔“ ”مجھے یقین نہیں ہے۔“ ڈاکٹر زیدی نے کہا۔ ”پہلے میری بیگم میرے حوالے کر دو۔ پھر اس کے بعد میں تھپوری نہیں دوں گا۔“ ڈاکٹر زیدی نے تینوں کو باری باری گھورا۔ پھر سخت آواز میں کہا۔

”میری بیگم کا پتہ بتاؤ۔! ورنہ میں تم سب کو گولی سے اڑا دوں گا۔“

”تم ہمیں گولی نہیں مار سکتے ڈاکٹر!۔“ جیمز نے پرسکون آواز میں کہا۔ صرف ہم تینوں کو تمہاری بیگم کا پتہ ہے۔ اگر تم نے ہمیں ختم کر دیا۔ تو تم کبھی بھی اپنی بیوی کو حاصل نہ کر سکو گے۔ نہ زندہ نہ

مردہ۔ وہ مسخرہ عمران بھی مہاری بیوی کو حاصل نہ کر سکے گا۔
 ”ہوش میں رہ کر بات کرو جیمز۔“ ڈاین نے جیمز کو کھٹکایا
 ڈاکٹر نے چونک کر ڈاین کی طرف دیکھا۔ مگر اسی لمحے جیمز نے ڈاکٹر
 زیدی پر پھلانگ لگا دی۔ اور اسے ساتھ لے کر نیچے گرا۔ وہ ڈاکٹر
 کے ہاتھ سے ریوایور جھین چکا تھا۔ پھر اس نے بجلی کی سی تیزی سے
 ڈاکٹر کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔ اور تھپوری کے کاغذات نکال
 لئے۔ اب اس کی آنکھوں میں فاتحانہ چمک تھی اور چہرے پر گہری
 خوشی کا رنگ چمک رہا تھا۔

وہ کاغذات ہاتھ میں لئے ڈاین اور رابرٹ کی طرف بڑھتا چلا
 گیا۔ اور ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس نے مسرت بھری آواز میں
 چہک کر کہا۔

”تھپوری اب ہمارے قبضے میں ہے۔ میڈیسن ڈاکٹر تیار نہیں
 کر سکا۔ ہمارے ڈاکٹر تیار کر لیں گے۔“ رابرٹ جھک کر تھپوری
 کے کاغذات دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر فرش سے بمشکل اٹھا اس کا چہرہ
 دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ اور وہ تیز تیز نظروں سے ڈاین کو کھونٹے
 لگا تھا۔

”ڈاکٹر زیدی اب تم رابرٹ کے ساتھ واپس جاسکتے ہو۔“
 جیمز نے سخت آواز میں کہا۔ ”اسی ہی سزا تمہارے لئے کافی ہے۔“
 پھر اس نے رابرٹ سے کہا۔ ”رابرٹ ڈاکٹر زیدی کو واپس چھوڑ

آؤ۔“ پھر اس نے ڈاکٹر زیدی کو گھور کر کہا۔
 ”ڈاکٹر۔ اگر تم نے تھپوری کے بارے میں ایک ہفتے سے
 پہلے کسی کو کچھ بتایا تو تمہاری بیگم کی لاش تمہیں کسی سڑک پر پڑی
 ہوئی ملے گی۔ جسے گاڑیاں کچل چکی ہوں گی۔“
 ”م۔۔۔ میری بھی تو کچھ سنو۔“ ڈاین بوکھلائی آواز
 میں بولا۔

”کہو۔“ جیمز خوشی سے چہک کر بولا۔ ”تم نے آج
 ایک شاندار کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ میں اپنے ٹاپ سیکرٹ مشن
 میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ آج جیمز مہاری ہر بات سنے گا۔“
 ”جیمز باس۔“ ڈاین پرسکون آواز میں بولا۔ ”تھپوری
 ہمیں مل گئی ہے۔ ڈاکٹر زیدی کو اس کی بیگم لوٹادی جائے۔“
 حیرت سے جیمز کا منہ کھل گیا۔ اور آنکھیں پھٹنے کو ہو گئی۔
 ”یہ کیا ہو اس ہے۔ تمہارے حواس تو ٹھکانے ہیں ڈاین۔“
 وہ سٹپٹا گیا۔

”میرے حواس بالکل ٹھکانے پر ہیں باس! حالانکہ میں نے
 آج ناشتہ پانی بھی نہیں کیا۔“ عمران اپنی اصل آواز میں بولا تھا۔
 ڈاکٹر نے چونک کر ڈاین کی طرف دیکھا۔ جیمز اور رابرٹ تو بوکھلا
 را پھیل ہی پڑے۔ وہ بھٹی بھٹی آنکھوں سے ڈاین کو دیکھ رہے
 تھے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ڈاین نے جیمز کے ریوایور پر

ڈاین کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی۔ جس میں زہرِ بلاں اور تلخ تاثرات بھی تھے۔ پھر اُس نے اپنے چہرے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ایک جھلی کا کونہ پکڑ کر کھینچا اور جھلی اس کے چہرے سے اتر گئی۔ اب ڈاین کی جگہ عمران موجود تھا۔ اس کے ہونٹوں پر اب بھی وہی مسکراہٹ موجود تھی۔

”عمران تم۔۔۔“ جیمز اس طرح اچھلا جیسے اس نے اپنے قدموں میں سانپ دیکھ لیا ہو۔ چند لمحوں بعد ہی اس کی آنکھوں سے ہشت جھانکنے لگی اور چہرے پر خوف و ہراس پھیل گیا۔ سامنے اپنے زخمی ہاتھ کو پکڑے رابرٹ کھڑا عمران کو کینہ بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”ہاں۔۔۔ ایہ خادم عمران ہی ہے۔“ عمران احمقانہ انداز میں جھکا اور پھر کہا: ”میں نے معلوم کر لیا تھا کہ تم نے لیبارٹری کی رانی سختی سے سر رکھی ہے۔ تم نے جو بھٹ کر لیا ہے۔ میں سمجھ گیا ماکہ بے مقصد نہیں ہے۔ پائیشیا کی تاریخ میں اتنا بڑا دھماکہ پہلے ہی نہیں ہوا۔ میں تمہاری طرف سے غافل نہ تھا مجھے یقین تھا کہ تم اس ماکہ سے فائدہ اٹھا کر ڈاکٹر زیدی کو لیبارٹری سے نکل کر اپنے آنے کو کہو گے۔ سو میں نے ڈاین کامیک اپ کیا۔ اور تمہارا نا ڈاین تو کبھی کا اللہ کو پیارا ہو چکا ہے۔ اب تو اس کی لاش کا بھی برنکل کیا ہو گا۔“

ہاتھ ڈال دیا۔ دوسرے ہی لمحے ڈاین اس کے ریلو اور پر قبضہ کر چکا تھا۔ اب جیمز کا ریلو اور ڈاین کے ہاتھ میں تھا ہوا تھا۔ لیکن جیمز حیرت زدہ سا کھڑا تھا۔ دفعتاً وہ چونکا۔

”یہ کیا حرکت کی ہے تم نے ڈاین۔؟“ وہ اُسے گھورتے ہوئے سخت آواز میں گرجا۔

”یہ حرکت قرب لگانا کہلاتی ہے مسٹر جیمز!“ اور اُس نے ریلو اور رابرٹ اور جیمز کی طرف تان لیا۔ ٹریگر پر اس کی انگلی پھسلنے لگی۔ ڈاکٹر زیدی کی آنکھوں سے اب مسرت جھانک ہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں خوشی کی گہری چمک تھی۔ وہ اب ہر قسم کا خوف ذہن سے نکال کر مطمئن انداز میں ڈاین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُسی لمحے رابرٹ نے اپنی جیب سے ریلو اور نکالنا چاہا۔ دوسرے لمحے عمران کے پستول نے شعلہ اُگلا اور گولی رابرٹ کے ہاتھ کو زخمی کر کے نکل گئی۔

”جیمز۔۔۔! اپنے ہاتھ کو اوپر اٹھا لو!“ ڈاین نے زیرِ بلی آواز میں کہا: ”تمہارا مشن ختم ہو گیا۔ تم ہار گئے۔ اس سے پہلے جیکر بھی تم لوگوں کے ہاتھوں اس مشن کو ادھورا چھوڑ کر چل بسا۔ اب تم بھی جلد ہی یہ دنیا چھوڑ دو گے۔“

”تم ہو کون۔۔۔ آواز کسی حد تک جانی پہنچانی لگتی ہے۔“ جیمز نے گہرا کر پوچھا۔

”ہوں — باتم پورے سور...“

اس سے پہلے کہ جیمز بات مکمل کرتا عمران کی درندگی آمیز آواز غراؤ
”خاموش رہو کسی گیدڑ کی اولاد — فوراً تھوڑی کے کاغذات
”کھا لو۔“

جیمز گھبرا کر ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے بڑے سختی سے
بھینچے ہوئے تھے۔ عمران نے ریو الوور کے ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھانا
شروع کر دیا۔ اُسکی انگلی کا پورے سفید ہونے لگا۔ وہ گرجا۔
”جلدی سے کاغذ نکالو۔ ورنہ جہنم میں پہنچ جاؤ گے۔ جو تمہارا
اصل مقام ہے۔“

”یہ نہیں ہو سکتا مسٹر عمران! میں چھینی ہوتی چیزیں واپس واپس
نہیں کیا کرتا۔“ وہ زہریلے انداز میں مسکرایا۔ ”ڈاکٹر کی سیگ میرے
قبضے میں ہے۔ اُسے حاصل کرنے کے لئے تم مجھے کاغذات سمیت
یہاں سے جانے دو گے اور اگر تم نے ہمیں ختم کر دیا تو بیگم زیدی
بھی بھوک پیاس سے جاں بحق ہو جائے گی اور یہ بات ڈاکٹر زیدی
اور نہ تم پسند کرو گے۔“

ڈاکٹر زیدی کے چہرے پر اندھیروں کے سائے ہرانے لگے۔
دوسرے لمحے اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اس نے عمران
سے سخت لہجے میں کہا۔

”میری بیگم کا خیال نہ کرو عمران —! میں نے فیصلہ کر لیا ہے

کہ ملک و قوم کی بھلائی کے لیے بیگم کو قربان کر دوں گا۔ اس ظالم
سے کاغذات واپس لے لو! اُس کی آواز گلو گئی تھی۔
”نکمر نہ کرو ڈاکٹر آپ کی بیگم آپ کو زندہ ملیں گی۔ اور کاغذات
ہی آپ کو ملیں گے۔“ یہ کہہ کر وہ جیمز کے قریب آ گیا اور موت
کی طرح سرد آوازیں بولا۔

”کاغذات مجھے دے دو۔ ورنہ تمہیں ختم کر دوں گا۔“
عمران کے بچے میں کوئی ایسی بات تھی جس نے ہچکچا ہٹ
کے باوجود اُسے کاغذات جیب سے نکالنے پر مجبور کر دیا۔ عمران
س کی طرف نہیں بڑھا بلکہ اس کے ہاتھ کی طرف دیکھتا ہوا جیمز
نے کاغذات عمران کی طرف بڑھائے سامنے رابرٹ زخمی ہاتھ کو
بڑے عمران کی طرف کھا جانے والی نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ عمران
نے کاغذات پکڑنے کے لیے اپنا ہاتھ نہیں بڑھا ہاتھا۔ عمران کے
دوسری طرف ڈاکٹر زیدی کھڑا تھا۔ عمران غرایا۔

”کاغذات فرش پر پھینک دو جیمز۔“
جیمز کے چہرے سے الجھن کی پرچھائی۔ دوسرے ہی لمحے ایک دھماکہ
وا۔ اور ریو الوور عمران کے ہاتھ سے نکل کر فرش پر جا گرا۔ چونک کر
بب نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ وہاں جیگر کا ساتھی گلاب ٹنٹا موجود تھا
بیسے جیگر نے مرتے وقت ٹرانسمیٹر پر کچھ کہا تھا۔ وہ ہاتھ میں مضبوطی
سے ریو الوور پکڑے کھڑا تھا۔ وہ گرجا رہا وہاں میں بولا۔

”کیا تمہیں کوئی شک ہے۔“ گلبرٹ نے زہریلی آواز میں کہا۔
 ”میں نہیں۔“ مجھے تم مشکوک لگتے ہو۔“ عمران نے احمقانہ انداز
 میں آنکھیں جھپکا کر کہا۔

”خاموش رہو مسخرے۔“ گلبرٹ نے تلخی سے کہا۔ ”تم نے
 کو بہت ذہن سمجھتے ہو؟ مگر آج تک یہ نہ جان سکے کہ جیمز
 کیسے کون ہے۔“

جیمز نے یہ سن کر بے چینی اور اضطراب سے پہلو بدلا۔ پھر ایک
 س کی آنکھوں میں شدید چمک پیدا ہوئی اور اس نے تھیوری
 کاغذات کو ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اُس نے کمرے
 کا دروازہ کھلا۔ گلبرٹ نے پھرتی سے ریوالور کی نالی دروازے
 کی موڑ دی۔ کمرے سے ذرا تاخیر ہو گئی تھی۔ اُس کے فائر کرنے
 پہ ہی دروازے میں کھڑے بلیک زیرو کے ریوالور نے
 نعلہ اگلا اور گلبرٹ کے سینے میں اتر گیا۔ گلبرٹ سینہ پکڑ
 کر تاجلا گیا۔

فرش پر ہوا کا لے صفر۔“ عمران مسرت بھرے انداز میں
 اس کے ساتھ ہی اس نے لپک کر فرش سے اپنا ریوالور
 ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ لیا۔ جیمز کے ہاتھ میں تھیوری
 ذات تھے۔

ن وقت پر اُٹے ہو کا لے صفر۔“ عمران خوشی سے

”میرا نام گلبرٹ ہے اور میں جیگر کا ساتھی اور دوست ہوں۔
 اس نے مرتے وقت مجھے پیغام دیا تھا کہ میں اس کا انتقام لوں۔
 میں انتقام لینے کے لیے آگیا ہوں اور اب میں اُس کے اوصو
 مشن کو بھی کامیاب بنا کر جاؤں گا۔ تاکہ اس کی روح خوش ہو۔
 پھر وہ سب کو باری باری گھور کر بولا۔

”مسٹر عمران۔! ان کاغذات پر میرا حق ہے۔“ یہ کہہ کر وہ
 آگے بڑھا اور سخت آواز میں بولا۔ اور ان دونوں کے سینے میں
 گولیاں اتارنا بھی میرا فرض ہے۔“ اس نے جیمز اور گلبرٹ کی طا
 حقارت اور نفرت سے اشارہ کیا۔

”ہوں۔“ عمران کے ہونٹوں سے ایک طویل سانس خارج
 ہوئی۔ جیگر کا ساتھی گلبرٹ جیمز سے کہہ رہا تھا۔
 ”مسٹر جیمز۔! تمہارے اور تمہارے ساتھی کے سینے کو میں گولیوں
 سے پھین اسی جگہ پھین کر دوں گا۔ کیونکہ جیگر نے مجھ سے یہیں التما
 کی تھی۔ اور اس نے یہ بھی کہا تھا کہ تھیوری کو کسی طرح بھی حاصل
 کر کے میرے ملک پہنچا دینا۔“

اُس کے خاموش ہوتے ہی جیمز کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ پھر وہ ایک
 دم سنبھل گیا۔ جب وہ بولا تو آواز پر سکون تھی۔ اس کی۔ جس پر
 ہی چونک پڑے۔

”ہوں۔“ تو تم جیگر کے ساتھی ہو۔“

چہک کر بولا۔

”میں تو کافی دیر سے یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔“ بلیک زیرو نے ریو الور کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”جیگر کا یہ وہی ساتھی لگتا ہے جس کے متعلق آپ نے بتایا تھا۔“

”بالکل وہی ہے۔“ عمران جبک کر بولا۔ ”بیچا وہ اب انتقام لے بغیر ہی آجہانی ہو گیا۔“ پھر اُس نے مسکرا کر بلیک زیرو کو آنکھ ماری۔ ”ذرا بیچارے جیمز سے کاغذات تو لے لو۔ کہیں تھامے تھامے تھک ہی نہ گیا ہو۔“ بلیک زیرو فوراً اُس کے بڑھا اور اس کے پاؤں سے تھپوری کے کاغذات لے لئے۔ اس کے بعد اُس نے جیمز اور رابرٹ کی تلاش لی۔ دونوں کے پاس سے ایک ایک ریو الور کے علاوہ اور کچھ نہ نکلا۔ وہ ریو الور بلیک زیرو نے اپنی جیبوں میں ٹھونس لئے۔ اسی لمحے رابرٹ کھڑکی کی طرف پھلانگ لگائی۔

مگر برق رفتاری سے عمران کے ریو الور نے شعلہ اُگلا اور اس رابرٹ کی کھوپڑی کو چاٹ لیا۔ اُس کے سر کے ٹکڑے اڑ گئے اور وہ دھڑام سے فرش پر آ رہا۔ رابرٹ کا یہ حشر دیکھ کر جیمز کا رنگ فق ہو گیا۔ اور گہرا خوف اُس کی آنکھوں سے بھانکنے لگا۔ اسی لمحے عمران نے بلیک زیرو سے کہا۔

”بلیک زیرو۔“ ذرا ہم بھی تو دیکھیں کہ جیمز کے روپ میں آخر کونسی ہستی چھپی ہوئی ہے۔ جیمز کے چہرے سے جھلی کو اتار دو

بلیک زیرو نے جھپٹ کر جیمز کے چہرے سے جھلی اتار دی۔ اب سب ہی حیرت سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ عمران کے منہ سے بے ساختہ کھلا۔

”ریٹائرڈ جنرل اشرف۔“ توبہ تم ہو۔ تمہیں ہی نئے نئے بنگلے خرید کر مجرموں کے حوالے کرنے کا شوق تھا۔ اب ذرا یہ بھی بتا دو کہ تم نے جیمز کا کیا کیا۔“

جنرل اشرف چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر وہ ایک طویل سانس لے کر شروع ہو گیا۔

”میں نے چور دروازہ استعمال کیا تھا۔ جس کے بارے میں تم آج تک نہیں جان سکے۔ حالانکہ تم نے بنگلے کی دوبار تلاشی لی تھی۔ خوب دیکھ بھال کی تھی۔ میں نے چھپ کر جیمز کی باتیں سن لی تھیں۔ اسی وقت میرے دل میں خیال آیا تھا کہ میں تھپوری ہتھیا کر ایک ریمہ کے ہاتھوں کروڑوں ڈالر میں فروخت کر سکتا ہوں۔ پھر میں نے ایک ریمہ سے رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے تھپوری کو خریدنے کا مادہ کی غلامی کر دی۔ اور میں نے چور راستے سے اُسے جیمز کو ختم کر دیا اور اس کی لاش کو گڑ میں بہا دیا۔ میں نے اُس کا کامیاب ایک اپ کیا۔ میرے تعلقات تو اس سے تھے ہی میں اُس کے بچے میں اور عادات و اطوار کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ اس طرح اس کے روپ میں بے حد کامیاب رہا اور اُس کے ساتھی

بھی یہ نہ سمجھ سکے کہ میں اصل جینز نہیں ہوں۔ شاید کسی طرح جینگز کے ساتھی کو معلوم ہو گیا کہ میں جینز نہیں ہوں۔ سو وہ یہاں آ کر تمہارے ساتھی کے ہاتھوں مارا گیا۔

عمران کے چہرے پر سخت نفرت و حقارت کے تاثرات پھیلتے چلے گئے۔ وہ گرجا۔

”تم بہت ظالم ہو جنرل اشرف! بلاسٹ کرا کے تم نے بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ دولت کے لالچ میں اندھے ہو کر تم نے اسلحے کے ذخیرے کو بلاسٹ کیا۔ تمہارے ہاتھوں بے گناہ لوگ عورتوں اور بچوں کا قتل ہوا۔ بلکہ ہو رہا ہے۔ ابھی تک دھماکے ہو رہے ہیں۔ بے گناہ لوگ مر رہے ہیں۔ تمہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ تم دولت کے لالچ میں آ کر بگڑی ہوئی وہ مکروہ اور گھناؤنی تصویر ہو۔ جیسے جگہ سے داعش مار کر دیا جائے تو ثواب ہو گا۔“ اس نے پستول سیدھا کر لیا۔ اور ٹریجر دبانے لگا۔ اور جنرل کا رنگ سفید ہوتا چلا گیا دوسرے لمحے عمران نے کچھ سوچ کر اس کی طرف دیکھا۔

”ہوں۔“ جنرل یہ بتاؤ بیگم زیدی کہاں ہے؟

جنرل اشرف نے چند لمحے سوچا پھر جیسے اس نے بتانے کا فیصلہ کر لیا۔ شاید وہ کوئی اور فیصلہ بھی دل میں کر چکا تھا۔ وہ بولا۔

”یہاں سے تیسرے کمرے میں بیگم زیدی موجود ہے۔“

”چلو آگے بڑھو“ بتاؤ بیگم زیدی کہاں ہیں؟“ عمران نے پستول سے اشارہ کر کے کہا۔ ”کوئی چالاکی مت کرنا۔“

شاید یہی وہ چاہ رہا تھا۔ وہ فوراً آگے بڑھتا چلا گیا۔ کمرے سے باہر آ کر وہ کچھ دور راہداری میں چلے پھر تیسرے کمرے کے سامنے جا کر جنرل اشرف کو رک گیا۔ اس نے چابی سے قفل کھولا پھر ایک دم دروازہ کھول کر کھوما۔ اس سے پہلے کہ عمران کچھ سمجھتا اس نے قریب کھڑے بلیک زیرو کے ریو اور والے ہاتھ پر بوٹ سے ٹھوکر ماری ریو اور بلیک زیرو کے ہاتھ سے نکل گیا اور پھر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ وہ عمران کے ریو اور والے ہاتھ کی طرف پیکا۔ مگر عمران غافل نہ تھا۔ ظاہر ہے اس کے ریو اور نے شعلہ اگلا اور جنرل اشرف اپنا سینہ پکڑ کر گرنا چلا گیا۔

عمران نے حقارت سے اس کی لاش کی طرف تھوک دیا گوئی جنرل اشرف کے دل میں پیوست ہو گئی تھی۔ اور اس کی لاش کے ارد گرد خون جمع ہونے لگا تھا۔ پھر وہ سب باہر آ گئے۔ بلیک زیرو نے نقاب چہرے پر چڑھا لیا تھا۔ عمران ڈالین کا میک اپ کرتا ٹیکسی میں اس بٹکے تک آیا تھا اور اس کی ٹو سٹر کو بلیک زیرو لے آیا تھا۔

ڈاکٹر زیدی اپنی بیگم سے مل کر بے حد خوش ہوا اور اسے

اپنے ساتھ لے کر وہ بھی عمران کے ساتھ باہر نکل آیا۔
 ”ڈاکٹر زیدی نے عمران کا شکریہ ادا کیا۔ اور ایک جگہ
 میں بیٹھ کر اپنے بنگلے کی طرف چلا گیا۔ اسے اب بیمار پڑے
 میں جانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ بلیک زیرو اور عمران
 لوسٹر میں بیٹھ کر دانش منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان
 کے چند ممبر جو باہر موجود تھے۔ انہیں جاتے دیکھ کر وہ بچہ
 اپنی اپنی کار میں بیٹھ کر اگے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔
 ایک پبلک ٹیلیفون ہاتھ سے عمران نے سپرنٹنڈنٹ فیما
 کو لاشیں اٹھانے کا کام سونپ دیا اور بلیک زیرو کو دلا
 منزل اتار کر اپنے فلیٹ کی طرف چلا گیا۔
 جو تھے روز ڈاکٹروں کی میٹنگ میں ڈاکٹر افتخار زیدی
 بمعہ میڈلسن اپنی تھیوری پیش کر دی جسے بے حد سراہا گیا
 اس طرح اس میڈلسن کی ایجاد کا سراہا یا کیشیا کے سر ہی بند
 سیکرٹ سروس کے ہیڈ کوارٹر دانش منزل کے میٹنگ
 میں سب ممبر جمع تھے۔ عمران خوب بن سوز کر آیا تھا۔ ان
 نے زرق برق سہری شروانی زیب تن کر رکھی تھی۔ سر پر
 ٹوپی تھی۔ گلے میں لمبی طافی بڑی تھی۔ اور ٹانگوں پر تنگ پیو
 پہنی ہوئی تھی۔ پاؤں میں سلیم شاہی جوتے تھے۔ سب ہی
 اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ تنویر اسے کھا جانے

والی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ جو لیا اُسے محبت پاش
 نظروں سے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس کی اس اداسے تنویر
 کے تن بدن میں آگ لگتی جا رہی تھی۔ اچانک صفدر نے ہانک لگائی
 ”اب تو عمران صاحب کسی سے شادی کر ہی ڈالیں تو بہتر ہے۔“
 قریب سے کیپٹن بابر نے مسکرا کر کہا۔

”جولیا سے اچھی بیگم انہیں اور کہاں ملے گی۔“
 جو لیا نے شرمناک منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اور تنویر
 کیپٹن بابر کو خرفناک نگاہوں سے گھورنے لگا تھا۔ دفعتاً
 غنیہ اسپیکر سے ایکسٹو کی مخصوص آواز اُبھری۔ وہ غنیہ اسپیکر
 ال میں کسی جگہ نصب تھا۔

”آب سب ممبر اس کیس کے بارے میں سننے کے لیے
 بے تابی سے منتظر ہیں۔ سو میں اس کیس کے بارے میں چند
 خاص پوائنٹس آپ کو بتائے دیتا ہوں۔ جگمگ کی پارٹی نے لاشوں
 کو پانی بنایا اور دھماکے کرائے اور اسمگلنگ کے اڈے قائم
 کیے۔ اس کے پیچھے وہ دراصل تھیوری اڑانا چاہتے تھے۔
 ان کے کارکن ایک پسٹول نما آئے میں کسی خاص زہر بھی
 ہر ڈی سوئی رکھ کر تشکار کی طرف فائر کرتے تھے۔ پسٹول نما
 لے سے ایک سیٹی کی سی سرسراتی ہوئی آواز نکلتی تھی اور جس
 لے پیچھے عمران جھاگا تھا۔ زہر میں بھی ہوئی سوئی تھوڑی

دوسرے کے بعد لاش کو پانی بنا دیتی تھی۔ جیگر کی پارٹی ماری تانبہ سے تعلق رکھتی تھی۔ دوسری پارٹی جیمز کی تھی جو برائے اس سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ بھی تھیں پوری اڑاتے ہی یہاں آئے تھے۔ انہوں نے بھی ہیروں کی اسمگلنگ اور منشیات کا دھندہ شروع کر دیا تھا اور تھیں پوری اڑاتے کے لیے چکر چلانے لگے تھے۔ ڈاین کی جگہ جیمز کو برائے اس کی سیکرٹ سروس نے باس مقرر کر دیا۔ ڈاین مارا گیا۔ اس کے بعد جیمز بھی جنرل اشرف کے ہاتھوں مارا گیا۔ اور جنرل اشرف جیمز بن بیٹھا۔ اس نے اسلحہ خانہ بلاسٹ کر لیا اور پھر خود عمران کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس نے تھیں پوری حاصل کرنے کے لیے ڈاکٹر زیدی کی بیگم کو اغوا کر لیا تھا مگر وہ تھیں پوری حاصل نہ کر سکا۔ تھیں پوری اور بیگم زیدی ڈاکٹر زیدی کو مل گئیں۔ اس طرح یہ ٹاپ سیکرٹ مشن کلین اپ ہوا۔

یہ کہہ کر ایکسٹو کی آواز معدوم ہو گئی۔ چند لمحوں بعد ایکسٹو کی مخصوص آواز بھر گونجی۔ "اگر کوئی ممبر کوئی پوائنٹ سمجھنا چاہتا ہے تو اب سمجھ سکتا ہے۔" مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا اور ایکسٹو نے میٹنگ درخواست کرتے کا اعلان کر دیا میٹنگ ہال میں عمران کے خراٹے گونج رہے تھے۔ سب ممبر نے عمران کو دیکھا کہ وہ آرام کر سی کی پشت سے ٹیک لگائے آٹھیں بند کئے خراٹے مار رہا تھا۔ پھر سب ہی مسکراتے چلے گئے۔

ختم شد